فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيۡنِ

# فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ


حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند


(جلد ۱۷)

## المجلد السابع عشر

الایمان والنذور الحدود الجهاد والهجرة اللقطة، الإمارة والسياسية القضاء، الوقف إلى باب المساجد

۴۰۳ ــــــــ ۸۶۷


ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

# مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

# فہرست عناوین

| مسئلہ نمبر | ۱۸ کتاب الأیمان والنذور | صفحہ |
|---|---|---|
| | (۱) باب الأیمان | ۲۴ |

## ۱۹ کتاب الحدود

### (۱) باب القصاص والدیة ۱۲۶

| | (۲) باب التعزیر | ۱۴۹ |
|---|---|---|



| | ۲۰ کتاب الجهاد | |
|---|---|---|
| | (۱) باب الهجرة | ۱۶۴ |

## ۲۳ کتاب القضاء

## (۱) باب ما یتعلق بنفس القضاء ۲۲۸

# ۲٤ کتاب الوقف

## (۱) باب ما یتعلق بنفس الوقف ۳۰۱

| | **(۵) باب استبدال الأوقاف** | **۴۶۲** |
|---|---|---|

# ۱۸ کتاب الأیمان والنذور

## ۱ باب الأیمان

### قسم کا دارومدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟

**سوال** [۷۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چچا بسلسلہ ملازمت سعودی عرب گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو انہوں نے اپنے بھتیجہ پر شک ظاہر کیا کہ اس نے اپنی چچی سے ناجائز تعلقات کر رکھا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں چچا نے اپنے بھتیجہ سے گفتگو کی تو اس نے چچی سے ناجائز تعلقات ہونے سے انکار کر دیا، تو چچا نے کہا کہ قسم کھا، کہا کہ تو طلاق کی قسم کھا، لہٰذا بھتیجہ کی دو چچی ہیں (۱) اختری (۲) نسیمہ، نسیمہ وہ چچی ہیں جن کا اس سے تعلق ہونے کا شک ہے، لہٰذا بھتیجہ چارپائی کی ایک جانب بیٹھا اور دوسری جانب اس کا چچا بیٹھا، اب بھتیجہ اس طرح قسم کھاتا ہے، اپنی زبان سے کہتے ہوئے: اختری چچی سے میرے ناجائز تعلقات ہوئے تو میری بیوی کو تین طلاق ہیں ، اور اختری لفظ کو وہ زبان سے ادا کرتا ہے اور اس کا نفس لفظ بھی سنتا ہے، لیکن اس کا چچا اختری لفظ نہیں سنتا، باقی الفاظ سنتا ہے، اور اب بھی وہ آتا جاتا ہے، چونکہ وہ کہتا ہے کہ میرے اس سے ناجائز تعلقات اگر ہیں تو اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا، اس خوف سے کہ کہیں طلاق نہ ہو جائے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس لڑکے سے نسیمہ کے ناجائز تعلقات ہیں، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی۔

خط کشیدہ الفاظ زبان سے ادا کیے لیکن دل سے نہیں کیے، بلکہ لفظ اختری ہی ادا کیا زبان سے، جبکہ لفظ اختری کو اس کے چچا نے نہیں سنا

المستفتی: مستری محمد حنیف دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب بھتیجہ نے قسم کھاتے وقت صراحتاً اختری کا نام لیا ہے گرچہ اس کا ناجائز تعلق نسیمہ کے ساتھ ہے جس کی بنا پر اس کو قسم کھلائی گئی تھی، لیکن اس نے اس کے خلاف اختری سے ناجائز تعلق نہ ہونے کی قسم کھائی، لہٰذا اپنی قسم میں حانث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ قسم میں صریح الفاظ کے مقابلے میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے چچا مخاطب نے اس کا لفظ نہ سمجھا ہو۔

**الأیمان مبنیة علی الألفاظ لا علی الأغراض، وفی الشامی: أی الألفاظ العرفیة، و قوله: لا علی الأغراض: أی المقاصد والنیات.** (شامی، کتاب الأیمان مبحث مهم فی تحقیق قولهم الأیمان مبنیة علی الألفاظ ...... زکریا دیوبند ۵/۵۲۸، کراچی ۳/۷۴۳)

**الأیمان مبنیة علی الألفاظ العرفیة، والأغراض التی تدل علیها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفیة الزائدة علی الألفاظ فإنها غیر معتبرة.** (الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب الأیمان مبحث الأصول التی تعتبر فی الأیمان، دار الفکر ۲/۸۸)

**والمعتبر فی الأیمان الألفاظ، دون الأغراض.** (البحر الرائق باب الیمین فی الدخول والخروج...... زکریا دیوبند ۴/۵۰۱، کوئٹہ ۴/۲۹۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۹ھ

# قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟

**سوال** [۷۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کا فرزند عربی سوم میں زیرِ تعلیم تھا کہ اسی اثنا میں اس کی طبیعت کافی ناساز ہوگئی تو احقر نے یہ نذر مانی کہ یا اللہ اگر میرا فرزند صحیح ہو جائے گا تو فراغت کے بعد اسے ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں بھیجوں گا، الحمد للہ اس کی طبیعت بھی صحیح ہوگئی، اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت بھی ہوگئی، فراغت کے بعد سے بندہ کئی سالوں سے مستقل کہہ رہا ہے کہ جماعت میں جاؤ مگر وہ جماعت میں جانا پسند نہیں کرتا ہے، آیا ایسی صورت میں اس کی تلافی کی شکل میں رقم کی اتنی مقدار کہ جتنی ایک سال کی جماعت میں خرچ ہوتی ہے کسی دینی کام میں دیدینے سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے یا نہیں، یا کوئی اور بہتر صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: آپ اپنے فرزند سے ناامید نہ رہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات ڈالدیں گے کہ وہ خود چلا جائیگا، آپ نے اپنی نذر میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ فراغت کے بعد اسی سال میں بھیجیں گے، لہٰذا اس نذر میں گنجائش ہے کہ فراغت کے کئی سال کے بعد سال بھر کے لیے بھیجا جاسکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسی کو ہی سال بھر کے لیے بھیجا جائے، اور اس کے لیے حکمت عملی اختیار کی جائے، کہ حضرت مولانا لاٹ صاحب سے ملاقات کرائی جائے اور اجتماعات میں ان لوگوں کی صحبت اور خدمت میں کچھ ایام گذارے اس سے ان شاء اللہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بات ڈالدے اور وہ خود چلا جائے جس سے آپ کی نذر پوری ہوجائے۔

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أی فرض ...... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر

**لحديث من نذر و سمى فعليه الوفاء بما سمى.** (تنوير مع الدر المختار على الرد، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، زكريا ديوبند ٥/ ٥١٥-٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥)

**أما أصل الحكم فالناذر لايخلو من أن يكون نذر و سمى أو نذر ولم يسم فإن نذر و سمى فحكمه وجوب الوفاء بما سمى.** (بدائع، كتاب النذر، حكم النذر، زكريا ديوبند ٤/ ٢٤١، كراچی ٥/ ٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۱۷ھ

# جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گذرنے کا حکم

**سوال** [۷۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں بستی میں نہیں جاؤں گا مگر اور جگہ جانے کا راستہ ٹھیک اس بستی کے بیچ سے ہوکر پیدل اور سائیکل وغیرہ کا ہے، اس کے علاوہ جو راستہ ہے نہایت خطرناک ہے تو کیا ہم اس بستی کے بیچ سے گذر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد عرفان صدیقی، بانکہ، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر بے خیالی میں اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو کفارۂ یمین ادا کرنا لازم نہ ہوگا، اور اگر بالارادہ اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

**رجل حلف لا يخرج من الري إلى الكوفة فخرج من الري يريد مكة و طريقه على الكوفة قال محمد: إن كان حين خرج من الري نوى أن يمر بالكوفة فهو حانث.** (بدائع، كتاب الأيمان، ألفاظ اليمين المعلق، زكريا ديوبند ٣/ ٦٩، كراچی ٣/ ٤٢، هنديه زكريا قديم ٢/ ٧٨، جديد ٢/ ٨٥، البحر الرائق زكريا

دیوبند ۵۲۳/۴، کوئٹہ ۳۱۱/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۶/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

# مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مجبوری کی بنا پر قرآن کی قسم کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کیا سمجھی جائیگی؟

المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قرآن مجید کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے جو ناجائز ہے۔

**عن سعد بن عبيدة قال: سمع ابن عمر رجلا يحلف ”لا والكعبة“ فقال له ابن عمر: إني سمعت رسول الله يقول: من حلف بغير الله فقد أشرك.** (سنن أبي داؤد، الأيمان والنذور، باب اليمين بغير الله، النسخة الهندية ۴۶۳/۲، دار السلام رقم: ۳۲۵۱، مسند أحمد بن حنبل ۸۶/۲-۸۷، رقم: ۵۵۹۳)

**ولو قال بالقرآن أو بالمصحف أو بسورة كذا من القرآن فليس بيمين لأنه حلف بغير الله تعالىٰ.** (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان، مالا يجوز الحلف به، زكريا ۱۷/۳، كراچی ۸/۳)

**أو قال بالقرآن أو قال بالمصحف أو قال بسورة من القرآن فليس ذٰلك يمين.** (تاتارخانية الفصل الثاني، ألفاظ الأيمان كوئٹه ۴۱۹/۴، زكريا ۱۶/۶ رقم: ۸۷۳۷)

لیکن قرآن کی قسم کا عرف اور رواج ہو جانے کی وجہ سے قسم کھانے سے منعقد ہو جائیگی، مگر گنہگار ہوگا، لہٰذا اس قسم کے خلاف کرنے کی صورت میں کفارہ بھی دینا واجب ہوگا۔ (مستفاد:

عزیز الفتاویٰ ۱/ ۵٦۸ ،فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۴، ڈابھیل ۱۴/ ۳۸، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۸)

**الأيمان مبنية على العرف.** (شرح الحموی علی الأشباه و النظائر ص: ٩٦)

**والأصح أن يقول: الأيمان مبنية على العرف و العادة فما تعارف الناس الحلف به يكون يمينا.** (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٨/ ١٣٣)

**الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و مالا فلا...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا.** (الدر مع الرد، زكريا ٥/ ٤٨٤-٤٨٥، كراچی ٣/ ٧١٢)

اگر کوئی سخت مجبوری ہی درپیش ہو کہ کسی کا حق تلف ہو رہا ہو یا ظلم ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

**قال رسول الله ﷺ: ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت.** (مسلم شريف كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله، النسخة الهندية ٢/ ٤٦، بيت الأفكار رقم: ١٦٤٦، صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائكم، النسخة الهندية ٢/ ٩٨٣، رقم: ٦٣٩١، ف: ٦٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۵۱٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

# صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے اوپر ایک عورت کے ساتھ زنا کا الزام لگایا گیا ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے، لہٰذا میں نے قرآن پاک ہاتھوں میں رکھ کر قسم کھائی ہے کہ میں نے کبھی بھی اس سے زنا نہیں کیا ہے، لہٰذا جواب دیں کہ صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر اپنی قسم میں سچا ہے تو عند اللہ آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یمین لغو کو بھی معاف فرمایا ہے۔

﴿**لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ**. [المائدة: ٨٩]﴾

**عن عطاء بن أبی رباح قال: كنت أنا و عبيد بن عمير الليثي عند عائشة رضی الله عنها -زوج النبی صلى الله عليه وسلم- فسألها عبيد عن قول الله عز وجل: "لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ، قالت: حلف الرجل على علمه، ثم لايجده على ذٰلک فليس فيه كفارة.** (السنن الكبرىٰ للبيهقی، الأيمان، باب من حلف علی شئ وهو يرى أنه صادق ثم وجده كاذبا، دار الفكر ١٤/٤٩٤ رقم: ٢٠٥٠٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

# قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک قطعہ زمین وایک دوکان کے کرایہ دار چلے آرہے ہیں اس کا دخل ہم سب لوگوں نے تنویر حسین کو دیدیا تھا، اور دخل کے کاغذ کو ۹۳/۱۱/۲۲ء کو لکھوا کر دونوں بہنوں اور پانچ بھائیوں نے جو اس جگہ کے کرایہ دار تھے، دخل کے کاغذ پر سب لوگوں نے دستخط اپنے اپنے کردیئے تھے، جگہ کے مالک اصل حقدار، وارثان عبد الغفار سے اس جگہ کے دخل لینے پر تنویر حسین کا جھگڑا ہوگیا کہ تم نے اس جگہ کا دخل کیوں دیا یہ جگہ ہماری تھی، کرایہ داروں سے ہم دخل خود لیتے ۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ بات پولیس تک پہنچ گئی، احمد نور ولد عبد الغفار نے مجھ اسلام سے تھانہ میں کلام پاک کی قسم کھلوائی کہ اس کاغذ پر تم سب لوگوں کے دستخط ہیں یا نہیں؟ دستخط تو ہم سب لوگوں کے تھے، لیکن میں نے ان دستخطوں سے پولیس کے روبرو منع کردیا کہ یہ

دستخط ہمارے نہیں ہیں اور نہ کوئی دخل تنویر حسین کو دیا ہے، دخل ہمارے پاس ہے تو اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا ہوگا جو کہ میں نے کلام پاک کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔

المستفتی: محمد اسلام رفعت پورہ مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** پولیس کے خوف سے آپ نے قصداً قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی اور دستخط سے انکار کیا حالانکہ آپ کے دستخط ہوئے تھے، اس کی وجہ سے آپ پر گناہ ہوا اور آپ کی جھوٹی قسم کی وجہ سے دوسرے کا جو نقصان ہوا ہے پہلے اس کی تلافی کرنا لازم ہے، اس کے بعد آپ پر توبہ کرنا لازم ہے۔

**وهى غموس إن حلف على كاذب عمدا...... ويأثم بها فتلزمه التوبة.**

(درمختار، كتاب الأيمان زكريا ٥/٤٧٤-٤٧٥، كراچى ٣/٧٠٥-٧٠٦)

**عن عبد الله رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اقتطع مال امرئ مسلم بيمين كاذبة، لقى الله وهو عليه غضبان، قال عبد الله: ثم قرأ رسول الله مصداقه من كتاب الله "إن الذين يشترون بعهد الله و أيمانهم ثمنا قليلا أولئك لا خلاق لهم فى الآخرة ولايكلمهم الله.** (صحيح البخارى، كتاب التوحيد ٢/١١٠٩ رقم: ٧١٤٥، ف: ٧٤٤٥)

**عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال: جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! ما الكبائر، قال: ...... اليمين الغموس قلت: وما اليمين الغموس: قال: الذى يقتطع مال امرئ مسلم، هو فيها كاذب.**

(صحيح البخارى، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين ٢/١٠٢٢ رقم: ٦٦٥٣ ف: ٦٩٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۸۲/۳۲)

# غصہ میں قرآن لے کر شادی نہ کرنے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی عورت نے قرآن کریم کو ساتھ لے کر غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی، تو اگر یہ شادی کرلے گی تو کون سا کفارہ واجب ہوگا، اور گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: شادی نہ کرنے کی قسم گناہ پر قسم ہے، اس کا توڑ دینا ضروری ہے، اور شادی کر کے اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلادیں، یا ان کو جوڑا لے کر دیں، یا اس کی قیمت دیں، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روز بلا ناغہ روزہ رکھیں۔

﴿ **لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ** . [المائدة: ۸۹] ﴾

**عن إبراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين.** (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في الرجل يحلف بالقرآن، ما عليه في ذلك، مؤسسة علوم القرآن ۷/۵۳۷ رقم: ۱۲۳۶۲)

**عن أبي مالك قال: الأيمان ثلاثة: يمين تكفر، و يمين لا تكفر، ويمين لا يؤاخذ بها، فأما التي تكفر فالرجل يحلف على قطيعة رحم أو معصية الله.** (الدر المنثور ۲/۵۵۱، تحت الآية ۸۹ من سورة المائدة)

**ونوع لا يجوز حفظها وهو أن يحلف على ترك طاعة أو فعل معصية.**

(عالمیگیری، کتاب الأیمان، الباب الاول، فی تفسیرها الخ، زکریا قدیم ۲/ ۵۲، جدید ۲/ ۵۷)

**لایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (وقوله) و عند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام الله یمین.** (الدر المختار، کوئٹہ ۳/ ۵۶، کراچی ۳/ ۷۱۲، زکریا ۵/ ۴۸٤-۴۸۵)

**ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه (إلی قوله) وجب الحنث والتکفیر.** (تنویر الأبصار مع الدر المختار، زکریا دیوبند ۵/ ۵۰٦، کوئٹہ ۳/ ٦۸، کراچی ۳/ ۷۲۸)

**وکفارته تحریر رقبة أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أیام ولاء.** (تنویر الأبصار مع الدر المختار زکریا ۵/ ۵۰۲ تا ۵۰۵، کوئٹہ ۳/ ٦٦، کراچی ۳/ ۷۲۵ تا ۷۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۳)

# اولاد کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سالے کی شادی عنقریب ہونے والی ہے میں نے اپنے سالے کو کہا تھا کہ تم اگر اپنے ہونے والے سسر کے ساتھ کپڑا پسند کرنے جاؤ گے تو میں اپنے لڑکے کی قسم کھاتا ہوں کہ میں شادی میں شامل نہیں ہوں گا، لیکن وہ ہونے والے سسر کے دباؤ میں آکر کپڑا پسند کرنے کو دوکان پر چلا گیا، اب اگر میں کسی وجہ سے شادی میں شامل ہو گیا تو اولاد کی قسم کا کیا کفارہ ہے، روزہ یا پیسہ یا اور کچھ؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ہارون رشید جھوکا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اولاد کی قسم کھانا شرعاً جائز نہیں ہے لیکن پھر بھی

ایک قسم کے نذر اور وثیقہ کے درجے میں ہوجاتا ہے، اس لیے کفارہ واجب ہوجاتا ہے، اور قسم کا کفارہ الگ الگ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دونوں وقت کھانے کا پیسہ دینا ہے۔

**عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ أدرك عمر بن الخطاب وهو يسير في ركب يحلف بأبيه فقال، ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت.** (بخاري شريف، كتاب الأيمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائكم ۲/۹۸۳، رقم: ۶۳۹۱، ف ۶۶۴۶)

**وحاصله أن اليمين بغيره تعالىٰ تارة يحصل بها الوثيقة -إلى- و إنما كانت الوثيقة فيه أكثر من الحلف بالله تعالىٰ في زماننا لقلة المبالاة بالحنث ولزوم الكفارة.** (شامي، كتاب الأيمان كراچي ۳/۷۰۵، زكريا ديوبند ۵/۴۷۴)

**قوله عشرة مساكين و تحته في الشامية: أي تحقيقا أو تقديرا حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز.** (شامي، كراچي ۳/۷۲۵، زكريا ۵/۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۶)

## یمین لغو کی ایک صورت

**سوال** [۷۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نامی ایک شخص سے بکر نے کہا کہ بستر پر ایک چھوٹے بچہ نے پیشاب کردیا ہے، تیسرے شخص نے زید سے کہا بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے، زید کو بکر کی بات پر یقین تھا، نیز بچے کا پینٹ ایسے رنگ کا تھا، جس سے پیشاب کا اثر معلوم ہورہا تھا، زید کو بالکل یقین تھا کہ بچہ نے پیشاب کیا ہے، اسی پر زید نے کہا خدا کی قسم اگر بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے تو میں حانث ہوجاؤں گا جب غور سے دیکھا گیا تو بچہ نے پیشاب نہیں کیا تھا، از روئے شرع زید

حانث ہوگا یا نہیں؟ اگر حانث ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد نعیم دودھ والے، محلّہ لال باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: صورت مذکورہ میں زید حانث نہیں ہوا بلکہ یمین لغو ہوگئی۔

﴿لاَ یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ. [المائدۃ: ۸۹]﴾

**لغو وهو أن يحلف على أمر في الماضي أو في الحال وهو يظن أنه كما قال والأمر بخلافه بأن يقول والله قد فعلت كذا وهو ما فعل و يظن أنه فعل (إلى قوله) نرجوا أن لايؤاخذ بها صاحبها.** (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسيرها الخ، زكريا قديم ۲/ ۵۲، جديد ۲/ ۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

# چوری ہونے پر تمام محلّہ والوں سے طلاق مغلظہ کی قسم دلوانا

**سوال** [۷۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی کی کوئی چیز چوری ہوگئی یا کوئی قیمتی مال وجائیداد کا کسی نے نقصان پہنچایا، صاحب مال گاؤں کے آدمی کو جمع کرکے مندرجہ ذیل شرائط کی قیود لگا کر سب سے قسم لیتا ہے:

کہ میں مسجد میں (خدا کے گھر) حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے مال چوری نہیں کیا یا نقصان نہیں پہنچایا، اگر چوری کیا یا نقصان پہنچایا، یا اس کے بارے میں کہ کس نے کیا اگر مجھے معلوم ہے تو میری زوجہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور جب جب میں نکاح کروں میری بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور کمیٹی جو سزا مقرر کرے منظور رہے، اور آخرت کی سزا الگ۔

بہتوں نے ان شروط کے ساتھ حلف کھانا نہیں چاہا، کیا طوعاً وکرہاً اس جیسا حلف لینا

صاحب مال کے لیے یا کمیٹی کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: غلام نبی کپال، ساؤتھ ۲۴/ پرگنہ ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اس طریقہ پر قسم لینے سے فقہاء نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے مال کی تلاش کے لیے دوسرا جائز طریقہ اختیار کرنا چاہیے اوراس میں بہت سے باعزت لوگوں کی آبروریزی بھی ہوگی۔

**رجل أراد أن يحلف غيره ليس له أن يحلفه بالطلاق و العتاق والأيمان المغلظة.** (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الأيمان، فصل فی تحليف الظلمة، زکریا جدید ۲/ ۱۱، وعلی هامش الهندية زکریا ۲/ ۱۳)

**والتحليف بالطلاق والعتاق والأيمان المغلظة لم يجوزه أكثر مشائخنا وفی الخانية: وإن أراد المدعی تحليفه بالطلاق والعتاق فی ظاهر الرواية لايجيبه القاضی إلی ذٰلک؛ لأن التحليف بالطلاق والعتاق حرام، ومنهم من جوزه فی زماننا، والصحيح ما فی ظاهر الرواية، وفی كتاب الحظر والإباحة من التاتارخانية: والفتویٰ علی عدم التحليف بالطلاق والعتاق.** (البحر الرائق، كتاب الدعویٰ زکریا ۷/ ۳۶۲، کوئٹہ ۷/ ۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۲)

## بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی، شادی کے بعد بچہ بھی ہوا، دوسرا بچہ بھی جلدی ہوگیا، تیسرا حمل بھی ہوگیا تو زید اور ہندہ میں جھگڑا ہوا، زید نے حلفیہ قسم کھالی اب بچہ پیدا نہیں ہونے دیں گے، دنیوی ترکیب

کے مطابق روک لگاتا ہے اب تیسرے بچہ کو تقریباً تین سال ہو گئے ہیں، اب زید اور ہندہ دونوں چاہتے ہیں کہ بچے پیدا ہوں، لیکن زید نے قسم کھالی ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: زید سلیم پور دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ایسی قسم معصیت کی قسم ہے اس پر قائم رہنا درست نہیں، اس کے خلاف عمل کیا جائے، اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کر دے، اور کفارہ میں دس مسکین کو دونوں وقت کھانا یا اس کی قیمت دیدی جائے، اور قیمت میں ہر ایک فقیر کو ایک صدقہ کی قیمت دیدی جائے۔

**عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك** . (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ٢٧٨٩/٨ رقم: ٧٨٢٣)

**عن طاؤس عن أبيه أنه كان يقول: إن حلف رجل على معصية الله فليكفر وليدعه حتى يكون له أجر ما ترك، و أجر ما كفر عن يمينه.** (مصنف عبد الرزاق الأيمان، باب من حلف على يمين فرأى غيره خيرا منها، المجلس العلمي ٤٩٧/٨، رقم: ١٦٠٣٩)

**علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبي فعلي نذر فهو كما علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر الخ.** (بزازيه، كتاب الأيمان، فيبل الفصل الثالث في يمين الطلاق، زكريا جديد ١٧٧/١، وعلى هامش الهندية ٢٧٢/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

# ”مجھے قسم ہے“ کے الفاظ سے حانث ہونا

**سوال** [۷۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے تیرے گھر جا کر کھانا کھایا تو مجھے قسم ہے، پھر زید نے خالد کے گھر جا کر کھانا کھالیا تو زید حانث ہوگا یا نہیں؟ یعنی یہ واضح فرمائیں کہ لفظ ”مجھے قسم ہے“ سے قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: ”مجھے قسم ہے“ کے الفاظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا زید کے خالد کے گھر جا کر کھالینے سے زید حانث ہوگیا، اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

**وكذا لو قال: عليه يمين ...... يكون يمينا كذا في فتاوىٰ قاضيخان.** (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الثاني زكريا قديم ٢/٥٣، جديد ٢/٥٨)

**وكذا قوله علي يمين ...... في قول أصحابنا الثلاثة.** (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٥، كراچى ٣/٧-٨)

**وكذا لو قال: عليه يمين ...... أن لا يفعل كذا يكون يمينا.** (خانيه، زكريا جديد ٢/٦)

**ولو قال: علي يمين ...... فهو يمين.** (تاتارخانية زكريا ٦/١١ رقم: ٨٧٢٨، وعلى هامش الهندية ٢/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۰۷)

# إن قبلتني فتقبيلك إياى حرام سے قسم کا انعقاد

**سوال** [۷۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لو قال رجل لامرأته: ''إن قبلتني فتقبيلک إياى حرام'' ثم بعد أيام تقدم إليها ليقبلها فقبلته فهذا يمين أم لا؟ ومن يحنث الرجل أو المرأة؟ أجيبوا من فضلكم بنص من الفقه.

المستفتی: شہید اللہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** مرد کے اپنی بیوی سے ''إن قبلتني فتقبيلک إياى حرام'' کہنے سے مرد کے حق میں یمین منعقد ہوجائے گی، لہٰذا اگر بیوی نے اس کو بوسہ لے لیا تو اپنی قسم میں حانث ہوجائیگا۔

**عن سعيد بن جبير أن ابن عباس قال: في الحرام يكفر، وقال ابن عباس لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة.** (صحيح البخاري، التفسير يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك، النسخة الهندية ۲/۷۲۹، رقم: ۴۷۲۱، ف: ۴۹۱۱)

**عن الضحاک، أن أبابكر و عمرو ابن مسعود قالوا: من قال لامرأته: هي عليه حرام، فليست عليه بحرام، و عليه كفارة يمين.** (المصنف لابن أبي شيبة، الطلاق، من كان يقول: الحرام يمين وليس بطلاق، مؤسسة علوم القرآن ۹/۶۰۴ رقم: ۱۸۵۰۷-۱۸۵۱۰)

**ومن حرم شيئا ثم فعله كفر ليمينه لما تقرر أن تحريم الحلال يمين قوله: أي لأجل الحنث فيها لأن السبب الحنث لا اليمين، قوله: لما تقرر الخ، أي في قوله تعالىٰ: يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لک تبتغي مرضات أزواجک والله غفور رحيم، قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم، فبين الله تعالىٰ أن نبيه صلى الله عليه وسلم حرم شيئا مما هو حلال، قلت: تقبيل المرأة زوجها حلال والرجل حرمه على نفسه بقوله، ومنه أي من تحريم الحلال قولها لزوجها أنت على حرام أو حرمتک على نفسي فلو طاوعته في الجماع أو أكرهها كفرت.** (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأيمان كوئٹه ۲/۳۳۶-۳۳۷، وهكذا في الشامي زكريا ديوبند ۵/۵۰۸-۵۰۹، كراچی

۳/ ۷۲۹- ۷۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۴/۱ھ

## اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟

**سوال** [۷۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

**لو قالت امرأة لزوجها "إن كلمت فلانة في التليفون فعليك القسم" ثم كلمها في التليفون، فهذا القسم ينعقد أم لا؟ ومن يكون حالفا الرجل أو المرأة ومن يحنث الرجل أو المرأة؟**

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: بیوی نے جس وقت شوہر سے یہ کہا ہے کہ تم نے اگر فلاں عورت سے ٹیلی فون پر بات کی تو تم پر قسم ہے" اگر شوہر نے اس کے جواب میں ہاں کہہ دیا تو یہ یمین ہوگی اور قسم کھانے والا مرد ہوگا اور اس عورت سے ٹیلی فون پر بات کرنے سے حانث ہوجائے گا لیکن اگر مرد نے ہاں نہیں کہا تو یہ کلام لغو ہوجائے گا۔

**ولو قال عليك عهد الله إن فعلت كذا فقال نعم، فالحالف المجيب، وتحته في الشامية: ولا يمين على المبتدئ، وإن نوى اليمين أي لإسناده الحلف إلى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره.** (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حلف لا يدخل فلان داره، زكريا ۵/ ۶۷۷، كراچی ۳/ ۸۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۷/ ۲۶۲-۲۶۳، هندية، زكريا قديم ۲/ ۶۰، جديد ۲/ ۶۶)

**ومقصود الزوجة هنا هو الاستحلاف كما لا يخفى، وفي الشامي: قال: فإن نوى الاستحلاف فلا شيئ على واحد منهما أي لأن المخاطب لم**

**یجبہ بقولہ: نعم حتی یصیر حالفا.** (شامی، مطلب: قال: لتفعلن کذا قال، نعم، زکریا دیوبند ۵/۶۷۶، کراچی ۳/۸٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۳۰ھ

## قسم کھا کر کہنا کہ ’’میری جیب میں کتنے روپے ہیں، صحیح بتانے پر سب دیدوں گا‘‘

**سوال** [۷۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی قسم کھائے کہ میری جیب میں کتنے روپئے ہیں اگر آپ نے صحیح صحیح بتادیا تو سب روپئے آپ کو دیدوں گا؟ زید نے اس مسئلہ کا جواب دیا کہ اگر بتانے والا شخص اس طرح کہے کہ آپ کی جیب میں ایک روپیہ ہے، دو روپیہ ہے، تین روپیہ ہے چار روپیہ ہے، اسی طرح پچاس تک کہہ دے اور اس کی جیب میں صرف چالیس روپئے نکلیں تو اس قسم کے کھانے والے کو چالیس روپیہ دینا ضروری ہے، اور اگر نہیں دے گا تو وہ حانث ہو جائے گا، اس لیے کہ اس قسم کے کھانے والے نے مطلق بولا تھا، کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے اگر صحیح بتادیا تو سب آپ کا؛ اس لیے اس کو دینا واجب ہے، ہاں اگر قسم کھانے والا اس طرح کہتا ہے کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے ایک مرتبہ میں اگر آپ نے صحیح بتادیا تو سب آپ کا، تو اس صورت میں اگر بتلانے والا ایک مرتبہ میں نہیں بتلاتا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس نے قید لگادی ہے، ایک مرتبہ میں بتلانے کی؟

المستفتی: شاہد جمال، مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** متکلم کا یہ جملہ کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے صحیح صحیح بتادیا تو سب روپیہ آپ کو دیدوں گا تو عرف وتعامل میں ایسی گفتگو کا مدار ایک مرتبہ کہنے پر ہے، ایک عدد بتانے پر ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ ایک سے لے کر ار بوں

تک گنتا چلا جائے اور اس کے جیب میں چالیس روپئے ہوں تو ایسی صورت میں قسم کھانے والا متکلم اگر وہ بتلا دینے والے کو پیسہ نہ دے تو وہ حانث نہ ہوگا، اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور یہ کہا جائیگا کہ بتلانے والا بتلا ہی نہیں پایا۔

**الأصل أن الأيمان مبنية إلى قوله: وعندنا على العرف، وتحته في الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفي أعني الألفاظ التي يراد بها معانيها التي وضعت لها في العرف وقوله في الشامية ومعناه أن اللفظ إذا كان عاما يجوز تخصيصه بالعرف.** (شامی، كتاب الأيمان، مبحث مهم في تحقيق قولهم: الأيمان مبنية على الألفاظ، زكريا ديوبند ۵/ ۵۲۸، كراچی ۳/ ۷۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۹ھ

# گھر بچانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے اس کا شوہر اس پر شک کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو قسم ہے، اگر وہ قسم کھاتی ہے تو جھوٹی قسم کھانی پڑتی ہے، اور اگر نہیں کھاتی ہے تو گھر بگڑتا ہے، اس صورت میں کیا کرے؟

**المستفتی:** عبد القادر، متعلم جامع الہدیٰ گل شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت میں جھوٹی قسم کھانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، بلکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اپنے شبہ کو کسی اور طریقہ سے ختم کرے یا اس کو ظاہر کر کے معافی مانگ لے، گھر بگاڑنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے فریقین اپنے معاملہ کو نرمی سے سلجھانے کی کوشش کریں اور جن باتوں پر شوہر

کو شک ہے ان کو اپنے اندر سے بالکلیہ دور کرنے کا عہد کرے۔

**عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الکبائر: الإشراک باللہ ...... والیمین الغموس.** (صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس، النسخۃ الھندیۃ ۲/۹۸۷، رقم: ۶۴۱۹، ف: ۶۶۷۵)

**غموس تغمسہ فی الإثم ثم فی النار وھی کبیرۃ مطلقا لکن إثم الکبائر متفاوت إن حلف علی کاذب عمدا کواللہ ما فعلت کذا عالما بفعلہ أو حال کواللہ مالہ علی ألف بخلافہ، وواللہ إنہ بکر عالما بأنہ غیرہ ویأثم بھا.** (در مختار مع الشامی، کتاب الأیمان، کراچی ۳/۷۰۶، زکریا ۵/۴۷۴ - ۴۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۸ھ

## چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی کا سامان چوری کیا اور پھر اس سے پوچھنے پر اس نے انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھائی تو ایسی صورت میں اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر اررياوی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: چوری کا انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھانے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے، البتہ سخت گناہ کا مرتکب ہوا ہے، حدیث شریف میں جھوٹی قسم کھانے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے توبہ واستغفار کرے۔

**عن أبی وائل عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من حلف علی یمین**

**كاذبا ليقتطع مال رجل أو قال: أخيه لقى الله وهو عليه غضبان.** (بخاری شريف، الشهادات، باب قول الله عزوجل "إن الذين يشترون بعهد الله الخ، النسخة الهندية ۱/۳٦٨، رقم: ۲٦۰ ۲، ف: ۲٦۷٦)

**وهى غموس إن حلف على كاذب عمدا كوالله ما فعلت عالما بفعله ...... ويأثم بها فتلزمه التوبة، وفى الشامية: إذ لا كفارة فى الغموس يرتفع بها الإثم فتعينت التوبة ليتخلص منه.** (شامی، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ۵/٤۷٤ - ٤۷٦، كراچی ۳/۷۰۵ - ۷۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
|---|---|
| ۲۴ / رجب المرجب ۱۴۲۰ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۳) | ۱۴۲۰/۷/۲۴ھ |

# کلما کی قسم کا حکم

**سوال** [۷۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص کو کلما کی قسم بالجبر والاکراہ اس طرح کھلائی گئی کہ اگر میں فلاں مسجد میں امامت کروں یا فلاں کام کروں تو جب بھی کسی لڑکی سے نکاح کروں اس کو طلاق مغلظہ واقع ہو، قسم کھانے والے شخص نے بعد میں دونوں کام کیے، اب اگر وہ کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی آسان تر شکل کیا ہوگی، قسم کھانے والا شخص نوجوان ہے اور اس کو شادی کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ شدید ضرورت مثلاً نکاح ہی لے لیجئے کی بنا پر ائمہ اربعہ حقہ میں سے کسی دوسرے امام کے فتویٰ پر کسی خاص جزئیہ میں عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدوس قاسمی نیرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) مذکورہ صورت میں کلما کی قسم منعقد ہو چکی ہے اس لیے کہ قسم کے انعقاد کا مدار الفاظ پر ہے نیت پر نہیں ہے۔

**وأما اليمين بالله فلا يتوقف عليها أى على النية فينعقد إذا حلف عامدا أو ساهيا أو مخطيأ أو مكرها، وكذا إذا فعل المحلوف عليه كذٰلك الخ.** (الأشباه والنظائر ص:٤٨)

**والمعتبر فى الأيمان الألفاظ دون الأغراض.** (البحر الرائق، الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج، زكريا ديوبند ٤/٥٠١، كوئٹه ٤/٢٩٨)

ہاں البتہ کلما کی قسم کے بعد کسی عورت کے زوجیت میں آنے کی شکل اور حیلہ بھی موجود ہے کہ حالف کا نکاح کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر اس سے اجازت لیے بغیر کسی عورت سے کردے اور اطلاع ملنے پر زبان سے اس نکاح کو قبول نہ کرے اور نہ ہی زبانی اجازت دے بلکہ خاموشی میں بیوی کا مہر ادا کردے، یا اس کے ساتھ ہم بستری کرلے تو یہ نکاح فضولی کے لیے اجازت فعلی ہے، جو معتبر ہے؛ اس لیے اس طریقہ سے شادی کی صورت بن جائے گی اور بیوی پر طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

**والحيلة فيه عقد الفضولى (إلى قوله) وكيفية عقد الفضولى أن يزوجه فضولى فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول فلا تطلق.** (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الفكر مصرى قديم ١/٤١٩، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٦٠)

**حلف لايتزوج فزوجه فضولى فأجاز بالقول حنث وبالفعل لا يحنث و به يفتى.** (الدر مع الرد، باب اليمين فى الضرب ...... مطلب: حلف لايتزوج فزوجه فضولى زكريا ٥/٦٧٢، كراچى ٣/٨٤٦)

(۱) کسی خاص فرد کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍ صفر ۱۴۱۴ھ

# کلما کی قسم کا شرعی حکم

**سوال** [۷۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلما کی قسم کی شرعی حیثیت کیا ہے اگر کسی کافر کو قسم کھلا دی تھی پھر کسی موقع پر اس نے اسلام قبول کرلیا، اور اس نے نکاح کرلیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے برعکس کسی مسلم نے یہ قسم کھائی تھی پھر بدقسمتی سے وہ حالت کفر میں لوٹ گیا اور پھر ایمان قبول کرلیا اس کے بعد اس نے نکاح کرلیا تو پہلی والی شکل میں اور دوسری والی شکل میں اس قسم کا حکم اور اس کا اثر تو باقی نہ رہے گا؟

المستفتی: شمس احمد سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: کلما کی قسم کی حیثیت یہ ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان یہ کہے گا کہ میں جب جب بھی نکاح کروں گا عورت پر طلاق ہے، عقد نکاح کرتے ہی عورت بائنہ ہو جائے گی، لہٰذا کسی بھی عورت سے نکاح کے بعد ہم بستر نہیں ہو سکتا ہے، کلما کی قسم کسی کافر کو کھلا دی گئی تھی، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کے حق میں یہ قسم لغو قرار پائے گی کیونکہ کافر فروعات شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے۔

**إن الكفار مخاطبون بالعقوبات سوى حد الشرب وبالمعاملات.**

(شامي الجهاد، باب استيلاء الكفار، مطلب: في أن الأصل في الأشياء الإباحة، زكريا ٦/ ٢٦٨، كراچی ٤/١٢٨)

برخلاف اگر یہ قسم کوئی مسلمان کھا لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، پھر ارتداد کے بعد اسلام میں لوٹ آتا ہے تو کلما کی قسم اس کے حق میں معتبر ہوگی۔

**ثم اعلم أن مما يبطل التعليق ارتداد الزوج ولحاقه بدار الحرب عنده خلافا لهما.** (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ٤/٣٥، كوئٹه ٤/٢١)

**قوله خلافا لهما أي للصاحبين فعندهما لايبطل التعليق لأن زوال الملك لا يبطله وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته وبالارتداد ارتفعت**

**العصمة فلم يبق تعليقه لفوات الأهلية فإذا عاد إلى الإسلام لم يعد ذلك التعليق الذى حكم بسقوطه.** (شامی، باب التعلیق، قبیل مطلب: فی مسألة الکفر زکریا ٤/ ٦٠٠، کراچی ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ر ربیع الثانی ۱۴۱۹ ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۰۱)

# کلما کی قسم کی تلقین کا حکم

**سوال [۷۴۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک استاذ نے ایک دن اپنے شاگرد کو اچانک بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں اور کہا کہ جس طرح میں کہوں اسی طرح تم بھی کہتے رہنا تو استاذ صاحب نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ اگر میں فلاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کروں گا تو شادگر نے بھی ساتھ ساتھ ایسا ہی کہا پھر استاذ نے کہا اگر میں نے فلاں گناہ کا ارتکاب کرلیا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو تین طلاق، تو اسی طرح شاگرد نے اپنے استاذ کے کلمات کو دہرایا، اور میں اس قسم کے نتیجے سے واقف نہیں تھا اور مجھ سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگیا، لہٰذا مفتی صاحب میں بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوں کہ اگر نکاح نہیں کرتا ہوں تو زناکاری میں مبتلا ہونے کا پختہ یقین ہے، اس لیے مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اگر نکاح کے جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمادیں اور یہ بھی گذارش ہے کہ اگر چند صورتیں ہوں تو تمام کو تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** یہاں پر کلما والی قسم کا ثبوت نہیں ہوا ہے اس لیے کہ سوالنامہ میں ایک دوسرے کو تلقین کی شکل ہے، انشاء کی شکل نہیں ہے، اور کلما کی قسم منعقد ہونے اور طلاق واقع ہونے کے لیے انشاء لازم ہے، اور یہاں انشاء کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ تلقین ہے اس لیے مذکورہ واقعہ میں کسی بھی لڑکی سے نکاح کرنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولكن لا بد في وقوعه قضاء و ديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده فى الفتح و حققه فى النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتى طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا مالم يقصد زوجته و عما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشائخ أو زجند. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحر: إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ديوبند ٤٦١/٤، كراچی ٢٥٠/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۵ھ

## ’’ہم کھا رہے ہیں کلما کی قسم‘‘ کہنا

**سوال** [۷۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے اس مدرسہ میں اتفاق سے دو طالب علموں میں جھگڑا ہو گیا ان میں ایک طالب علم زید کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا، لہٰذا اس نے زید کو اپنا ہمراز سمجھ کر دوسرے سے انتقام لینے کا پلان بتلا دیا کہ میں اس کو فلاں موقعہ پر اس طرح غنڈوں سے پٹائی کراؤں گا، زید نے سوچا کہ اس میں ایک مومن بھائی کی جان کا خطرہ ہے، لہٰذا اس نے یہ راز فاش کر دیا، اور اس کو آگاہ کر دیا تاکہ مدمقابل سے ہوشیار رہے، پس وہ ہوشیار رہنے لگا، جس کی وجہ سے مارنے والے طالب علم کا ارادہ ناکام ہو گیا، اب یہ ناکام شخص غصہ میں بھرا ہوا زید کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس کو ہمارا راز بتلایا؟ زید گھبرایا اور جھوٹ بول دیا، کہ میں نے نہیں بتلایا، تو اس نے کہا کہ اچھا کھاؤ کلما کی قسم کہ میں نے نہیں بتلایا، زید مارے خوف کے انکار نہیں کر پایا، اور زبان سے اتنا کہہ دیا کہ ہاں ہم کھا رہے ہیں کلما کی قسم، حالانکہ

دل میں بالکل نیت قسم کھانے کی نہیں تھی، تو کیا صورت مذکورہ میں قسم متحقق ہوگئی اور کیا وہ جب جب نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی؟ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور جوانی کے اس مرحلہ میں ہے کہ اگر نکاح نہ کرے تو عین یقین ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا، تو ایسی شکل میں اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر قسم نہیں ہوئی، جیسا کہ اس کا کہنا ہے کہ میں نے یہ الفاظ کہا کہ ہاں قسم کھا رہے ہیں کے علاوہ زبان سے کچھ کہا ہی نہیں، اور دل میں بھی صرف یہ نیت تھی کہ اس شہر (جہاں کا معاملہ ہے) کی لڑکی سے جب جب شادی کروں تو اس کو طلاق تو کیا اس کی یہ نیت معتبر مانی جائے گی؟

المستفتی: محمد الیاس کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صرف کلما کی قسم کھاتا ہوں اور کھا رہا ہوں اور کھالیا ہوں کے الفاظ سے کلما والی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں زید کسی بھی عورت سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر اس طرح کہتا ہے کہ میں جب جب نکاح کروں گا تو بیوی کو طلاق ہے، تو کلما والی طلاق ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۷۰؍، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۹۹)

**الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض.** (الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٨، كراچى ٣/ ٧٤٣)

**الأيمان مبنية على الألفاظ العرفية، والأغراض التي تدل عليها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفية الزائدة على الألفاظ فإنها غير معتبرة.** (الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/ ٨٨)

**والمعتبر في الأيمان الألفاظ دون الأغراض.** (البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ٢٩٨، زكريا ٤/ ٥٠١) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۱۱ر صفر المظفر ۱۴۱۳ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۳) | ۱۴۱۳/۲/۱۱ھ |

# بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟

**سوال** [۷۴۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد عظیم نے اپنے بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے کہ اگر میں اپنے بہن بھائیوں سے ملوں تو اپنی اولاد سے زنا کروں، آج محمد عظیم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا اور کچھ عزیز و اقرباء اس بات پر بضد ہیں کہ محمد عظیم اوراس کے بھائی بہن میں میل کرادیں، کیا ایسی حالت میں میل ہوسکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد عظیم محلہ اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: محمد عظیم نے بڑی گندی قسم کھائی ہے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے میل جول کرلے اورایک کفارۂ قسم ادا کردے۔

**عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول اللهﷺ: من حلف علی يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه.**

(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأى غيرها ...... النسخة الهندية ۴۸/۲ بيت الأفكار رقم: ۱۶۴۹)

**عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنی القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالی فی رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر فی معصية الرب، ولا فی قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك** . (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۲۷۸۹/۸ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب فی قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۴۷۱/۲، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

**من حلف علی معصية مثل أن لا يصلی أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغي أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه.** (هدايه، كتاب الأيمان، باب مايكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفی ۲/ ٤۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۲)

## تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا

**سوال** [۷۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے غصہ کی حالت میں اپنے لڑکے سے کہا کہ تمہارے یہاں اگر کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا تو کیا کفارہ ہوگا؟

المستفتی: عبید الرحمٰن سنگا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے بندہ کو حرام کرنے اور حرام کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی جگہ بعینہٖ حلال ہی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿**يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ.**[التحريم: ۱]﴾

لہٰذا سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے یہاں کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا، اس سے نہ کھانا کھانا اس کے حق میں حرام ہوگا اور نہ ہی قسم منعقد ہوگی، اور نہ ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۱۶۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۲)

**لو قال إن أكلت هذا الطعام فهو علي حرام فأكله فلا حنث عليه.**

(شامی، كتاب الأيمان، مطلب: فی تحريم الحلال، زكريا ۵/ ۵۰۸، كراچی ۳/ ۷۲۹)

**ولوقال: هو يأكل الميتة إن فعل كذا لايكون يمينا.** (تاتارخانية،

الأیمان، الفصل الثانی، ألفاظ الیمین، کوئٹه ۴/۴۲۳ زکریا ۲/۲۰ رقم: ۸۷۴۸، المحیط البرهانی المجلس العلمی ۶/۷۱ رقم: ۶۷۷۲)

**التعلیق بما تسقط حرمته بحال ما کالمیتة والخمر، والخنزیر لایکون یمینا.** (البحر الرائق، الأیمان، زکریا ۴/۴۸۳ کوئٹه ۴/۲۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲۶ھ

## بیٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ

**سوال** [۷۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی سے لڑائی کے دوران کہا ''قسم کھاتا ہوں اللہ پاک کی کہ میں تیرے گھر پر نہیں جاؤں گا'' اب اگر باپ قسم توڑتا ہے بیٹی کے گھر پر جاتا ہے تو اس کا کفارہ کیا دینا پڑیگا، روزہ رکھا جائیگا یا صدقہ دینا پڑیگا؟ پہلے لڑکی کے گھر جایا جائے یا کفارہ دیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کفارہ لڑکی کے گھر جانے سے پہلے واجب نہیں ہوگا اور کفارہ ادا کرنے میں تفصیل یوں ہے کہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا یا اس کی قیمت یا دس فقیروں کو جوڑے دیدیئے جائیں، یا غلام آزاد کردیا جائے، ان امور میں اختیار ہے جو چاہے اختیار کرسکتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں ہے تب تین روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی، اب صاحب معاملہ خود ہی سمجھ لے کہ وہ دس فقیروں کو کھانا یا اس کی قیمت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو روزہ رکھنا کافی نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۳/۲۲۳)

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ

اِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ۸۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۸ھ

# بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۲۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی مجھ سے لڑتی ہے غلط الفاظ بولتی، طرح طرح کے جھوٹے الزام لگاتی ہے، کئی مرتبہ مجھے مارا بھی ہے، محلّہ والوں نے کئی بار فیصلہ بھی کردیا، مگر وہ اپنی ان عادات سے باز نہیں آئی، اور ایک میرا حقیقی بھائی ہے، اس کی بیوی کو میرے اوپر الزام لگاتی ہے کہ تیرا تعلق اس سے ناجائز ہے، اور یہ کہتی ہے کہ تم اپنے بھائی کو چھوڑو میں تمہارے بھائی سے نہیں ملنے دوں گی، اس بارے میں کئی آدمیوں کے سامنے مجھے مجبوراً قسم دلائی، اور میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا، یا اس کے بچوں سے بھی نہیں بولوں گا، اس قسم سے کیا کفارہ ہوتا ہے؟ کیونکہ میں اپنے بھائی سے بولنا چاہتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: ذاکر حسین ولد شوکت حسین محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ اپنے بھائی سے بول لیں اس کے بعد دس مسکینوں کو دونوں وقت کفارہ میں کھانا کھلا دیں اس کے بعد بولنے میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

**عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله ﷺ: من حلف علی يمين فرأی غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه.**

(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأی غيرها ...... النسخة الهندية ۴۸/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۴۹)

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالک، کفر یمینک و کلم أخاک، فإنی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لايمين عليک، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملک.

(المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/۲۷۸۹، رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۲/۴۷۱، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

من حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه لقوله عليه السلام: من حلف على يمين ورأى غيرها خيرا منها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه.

(هدايه، كتاب الأيمان، باب مايكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفی ۲/۸۲)

اگر کھانا کھلانے کی صورت نہ ہوتو دس مساکین میں سے ہر ایک کو ایک صدقہ فطر کی قیمت دیدیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۶)

## دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو عورتیں جو کہ قریبی رشتہ دار یعنی دیورانی جیٹھانی ہیں، آپس میں جھگڑے کی شدت میں دیورانی نے قسم کھالی کہ میں تم سے کبھی نہ ملوں گی، لیکن ایک شادی کے موقع پر حالات ایسے بنے کہ لڑائی ختم کر کے ملنا پڑ گیا وہ بھی اس طرح کہ جٹھانی اور اس کے شوہر دیورانی کے پاس گئے اور کہا کہ کشیدگی ختم کرنے کے لیے تمہاری قسم کا کفارہ ادا کریں گے لہٰذا

براہ کرم آگاہ فرمائیں کہ اس طرح قسم کھالینے سے کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: عبداللطیف مغل پورہ اول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** دیورانی اگر جیٹھانی سے بولے گی تو کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا، اور کفارۂ قسم دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

**﴿فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** . [المائدة: ۸۹]﴾

**عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لايمين عليك، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك .** (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/ ۲۷۸۹ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۱ دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

**ومن حلف لا يكلم فلانا فكلمه، وهو بحيث يسمع إلا أنه نائم حنث .** (هدايه، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الكلام، اشرفى ۲/ ۴۹۳)

**وكفارة اليمين (إلى قوله) وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام فى كفارة الظهار.** (هدايه اشرفى ۲/ ۴۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۵)

# بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ بیوی سے صحبت نہیں کروں گا، دو ماہ اس پر کاربند رہا اس کے بعد صحبت شروع کردی، اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹگھر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: صورت مذکورہ میں شخص مذکور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

﴿**لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ**. [المائدة: ۸۹]﴾

**عن عدی قال: قال رسول الله ﷺ: إذا حلف أحدكم على اليمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها، وليأت الذى هو خير.** (صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأى ...... النسخة الهندية ۲/ ٤٨، بيت الأفكار، رقم: ۱٦٥۱)

**والمنعقدة ما يحلف على أمر فى المستقبل أن يفعله أو لا يفعله وإذا حنث فى ذٰلک لزمته الكفارة.** (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۲/ ٤٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰٦۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۸ھ

# گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قسم کھائی کہ گھر کھانا نہیں کھاؤں گا چھ ماہ تک نہیں کھایا، اس کے بعد

کھانا شروع کردیا، اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹکھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اب بعد میں جب گھر میں کھانا کھالیا ہے تو اپنی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو چکا ہے، اور آئندہ ہمیشہ گھر کھانا کھا سکتا ہے، اور کفارہ دس فقیروں کو جوڑا یا دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ٨٩] ﴾

**ومنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة.** (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفی ۲/ ۴۷۸)

**وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد و أدناه مايجوز فيه الصلاة و إن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار.** (هدايه، الأيمان باب ما يكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفی ۲/ ۴۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۶۳)

# حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا

**سوال [۷۴۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں حلال جانور کے گوشت کے بارے میں کہہ دے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤں، اگر میں اس گوشت کو کھاؤں تو وہ کس طرح گوشت کھائے، قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: منظور احمد امام مسجد بازید پور میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اس طرح کسی حلال چیز کوحرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ قسم ہوجاتی ہے، جب کھائے گا تب اس پر کفارۂ یمین واجب ہوجائیگا، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا یا کپڑا ایک ایک جوڑا دینا۔

﴿یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاۃَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ،قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ. [التحریم: ۱-۲]﴾

﴿وَلٰکِنْ یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَیْمَانَ فَکَفَّارَتُہُ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسَاکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُھُمْ . [المائدۃ: ۸۹]﴾

**تحریم الحلال یمین.** (المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۷۰)

**ومنها أن یحرم علی نفسه شیئا حلالا كأن یقول هٰذا الطعام علي حرام فإنه لا یحرم علیه ولكن إن أكله تلزمه كفارة الیمین.** (كتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الفكر ۲/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۵)

## قسم کھائی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کرونگا

**سوال** [۷۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے ایک لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم سے میری شادی نہیں ہوئی تو زندگی بھر اپنی شادی نہیں کروں گا، لیکن اب وہ لڑکا اس لڑکی کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ ہوجانے پر اپنی شادی بھی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب جو اس نے قسم کھائی تھی اس سلسلے میں وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** کسی دوسری لڑکی کے ساتھ پہلے نکاح کرلے اور اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے اور کفارہ میں دس غریبوں کو کھانا کھلا دینا کافی ہے، اور کھانے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹]﴾

**عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حلف على يمين، فرأى خيرا منها، فليأت الذى هو خير، وليكفر عن يمينه.** (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۰٤، رقم: ٦۹۰۷)

**حلف لا يتزوج النساء فتزوج امرأة يحنث.** (فتاویٰ عالمگیری، الأيمان، الباب الثامن فی اليمين فی البيع والشراء والتزوج، زكريا قديم ۲/۱۱۸، جديد ۲/۱۲۸، مبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۹/۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۲۱/۲۶)

## کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہوجانا

**سوال** [۷۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ہندہ نے قسم کھلائی کہ تم کو مجھ سے شادی کرنی ہوگی اور ہندہ نے زید کو قرآن کی قسم کھلائی اور زید نے قسم کھالی، اب ہندہ کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اب زید پریشان ہے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے کفارہ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ کے مطابق زید کو ہندہ ہی نے قسم کھلائی

ہے جس میں ضمناً قسم کا تعلق ہندہ کی رضامندی اور ہندہ کے داعیہ کے ساتھ معلق ہے، اور اب جب ہندہ کی رضامندی باقی نہیں رہی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کرلیا ہے اور زید آخر تک نکاح پر آمادہ رہا ہے تو زید حانث نہ ہوگا اور زید پر کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر زید نے بعد میں ہندہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کردیا ہوتا اور ہندہ نے زید کے انکار کرنیکی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کیا ہوتا تو حکم دوسرا ہوتا۔

**كما استفاده من الفتح: ومن حلف ليهبن عبده لفلان فوهبه ولم يقبل بر في يمينه والأصل أن إسم عقد المعاوضة كالبيع والإجارة والصرف والسلم والنكاح والرهن والخلع بإزاء الإيجاب والقبول معا.** (فتح القدير، الأيمان، باب اليمين في تقاضي الدرهم، دار الفكر ٥/٢٠٢-٢٠٣، زكريا ٥/١٨٩، كوئٹه ٤/٤٦٨، الدر مع الرد كراچی ٣/٨٤٥-٨٤٦، زكريا ديوبند ٥/٦٧١-٦٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۳۳)

## دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا

**سوال** [۷۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی کا شرعی حق ادا نہ کرے تو دوسرا فریق غلط بیان اور کسی طریقہ سے اپنا حق وصول کرلے تو اس میں کیا کوئی گناہ ہوگا، مثلاً کسی عورت کی کوئی جائیداد ہے، جو خاص عورت ہی کے نام ہے، شوہر اس کا کرایہ لے لے عورت کو نہ دے، اور اگر عورت جائیداد فروخت کرنا چاہے تو اس پر بھی شوہر اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جبکہ شوہر اپنی پہلی عورت کی زندگی میں دوسرا نکاح کرچکا ہے بغیر کسی شرعی مجبوری کے صرف نئی اور پرانی کے چکر میں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ معاہدہ کرچکا ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا نہیں ہوگا، ان تمام حالات کو مد

نظر رکھتے ہوئے عورت اپنا حق کرایہ کسی طرح لے لے تو کیا کوئی مضائقہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** آپ کو اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرف کا حق ہر وقت ہے، چاہے آپ فروخت کردیں یا کرایہ وصول کرلیں۔

**المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء الخ.**

(بیضاوی شریف، رشیدیه ۱/۷)

ہاں البتہ شوہر سے مشورہ لینا مستحسن ہے، رہا شوہر کا دوسری بیوی سے شادی کرنا سو اس کو ہر وقت اختیار ہے اس میں آپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو اجازت ہے۔

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ.﴾ [النساء:۳]

اگر شوہر نے کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی ہے تو قسم توڑنے کی بنا پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

**عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله ﷺ: من حلف علی يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه وليفعل.** (سنن الترمذی، الأيمان، باب ما جا فی الكفارة قبل الحنث، النسخة الهندية ۱/۲۷۹، دار السلام رقم: ۱۵۳۰)

**من حرم علی نفسه شيئا مما يملكه لم يصر محرما و عليه إن استباحه كفارة يمين.** (هدايه، كتاب الأيمان، باب ما جاء مايكون يمينا ومالا يكون يمينا، اشرفی ۲/۴۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۶۰/۲۶)

# لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا

**سوال** [۷۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے پیار کرتا تھا جب لڑکی کی دوسری جگہ شادی ہونے لگی تو لڑکے نے اس لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں زندگی بھر کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، لڑکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس نے دوسری جگہ شادی کرلی، لڑکی کی بے وفائی کو دیکھتے ہوئے کافی عرصہ کے بعد لڑکے نے بھی شادی کرلی اب لڑکے نے جو قسم قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کھائی تھی اس کے لیے وہ لڑکا کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صورت مذکورہ میں قسم کھانے والے لڑکے کا نکاح دوسری لڑکی کے ساتھ ہو چکا ہے لیکن قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور قسم کا کفارہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا اس کی قیمت دینا ہے۔

﴿**وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ.**﴾ [المائدة: ۸۹]

**المنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة.** (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفي ۲/ ۴۷۸)

**عن عدي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه.** (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب ندب من حلف على...... النسخة الهندية ۲/ ۴۸ بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۵)

## ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص کے لڑکوں میں آپس میں لڑائی کی نوبت آگئی، شخص مذکور کے سامنے لڑائی تو اللہ تعالیٰ نے ٹال دی، مگر شخص مذکور کو بہت صدمہ ہوا، اسی صدمہ میں اس نے تین مرتبہ ان الفاظ میں قسم کھالی ’’قسم اللہ کی مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا ہے‘‘ لہٰذا قسم مذکور کا کفارہ تحریر فرمادیں، کیونکہ شخص مذکور کا ارادہ بدل گیا ہے، اب شخص مذکور ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز برتن بازار شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب شخص مذکور نے اپنی قسم کے خلاف ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اس پر کفارۂ قسم واجب ہو چکا ہے۔

**کما استفادہ من الشامی: و تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا.**

(شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ٤/٦٠٩)

**(وقوله) حلف لا يسكن هذه الدار (إلى قوله) إنما يُعدُّ ساكنا إذا كان قصده العود.** (شامی، کراچی ۳/۷۵۲، زکریا ٥/٥٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۰۸)

## ہندو کے قتل کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۸۰ء میں ایک ہندو شخص کو جان سے مارنے کی قسم کھائی تھی، اب وہ ہندو گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ایسی صورت میں اپنی قسم کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: محمد جاوید قاضی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق: عن عدی بن حاتم قال: قال رسول اللہ**

ﷺ: **من حلف علی یمین، فرأی غیرها خیرا منها، فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه.** (صحیح مسلم، الأیمان والنذور، باب ندب من حلف علی...... النسخة الهندیة ۲/ ۴۸ بیت الأفکار رقم: ۱۶۵۱)

**ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه أو قتل فلان وإنما قال الیوم لأن وجوب الحنث لا یتأتی الا فی الیمین المؤقتة أما المطلقة فحنثه فی آخر حیاته فیوصی بالکفارة بموت الحالف ویکفر عن یمینه بهلاک المحلوف علیه غایة وجب الحنث والتکفیر لأنه أهون الأمرین.** (درمختار، کتاب الأیمان، کراچی ۳/ ۷۲۸، زکریا دیوبند ۵/ ۵۰۶-۵۰۷)

**ومن حلف علی معصیة مثل أن لا یصلی أو لا یکلم أباه أو لیقتلن فلانا ینبغی أن یحنث نفسه و یکفر عن یمینه.** (هدایه، باب مایکون یمینا و مالا یکون یمینا، اشرفی ۲/ ۴۸۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کی قسم کھالے تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ مذکورہ ہندو کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کردے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے، کفارہ کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلادے یا ان کو کپڑے پہنادے یا ان کی قیمت لگا کر الگ الگ مسکینوں کو دیدے، اگر کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے کی طاقت نہ ہو، تو تین دن کے لگاتار روزے رکھے۔

**وکفارته تحریر رقبة أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أیام ولاء.** (تنویر مع الدر، کتاب الأیمان ۵/ ۵۰۲-۵۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۲)

# قسم کا کفارہ

**سوال** [۷۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پڑوس میں میا بیوی میں نا اتفاقی چل رہی تھی، بقرعید کا ٹائم تھا، عورت نے قسم کھائی کہ میں عید کے دن نہ پکاؤں گی، اور نہ کھاؤں گی، میں کچھ پکاؤں یا کھاؤں تو اپنے بچوں کا گوشت پکاؤں، لہٰذا سب نے کہہ سن کر مغرب کے بعد کھانا کھلا دیا اس میں بقرعید کا گوشت تھا، دن میں اس نے کچھ نہیں پکایا، دوسرے دن قربانی بھی ہوئی، اور اس نے پکایا بھی کھایا بھی، سب نے کہا اس کا کفارہ چلا جائیگا، اس نے تین دن کی قسم کھائی تھی کہ بقرعید کا گوشت نہیں پکاؤں گی، بقرعید کے دن تو سب نے یہ کہہ کر کھلا دیا کہ اب بقرعید کا دن ختم ہوگیا مغرب کے بعد دوسرا دن شروع ہوجاتا ہے لیکن اس نے پکایا نہیں تھا اور جگہ سے آیا ہوا تھا، تو اب اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

المستفتی: قاری سلامت جان، مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: قسم کے بعد بقرعید کی شام کو گوشت کھانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی ہے اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کا پیسہ الگ الگ دس فقیروں کو دینا ہے، ایک فقیر کو ایک صدقۂ فطر کی قیمت دیدی جائے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ.﴾ [المائدة: ٨٩]

**وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار**. (هداية، الأيمان، باب ما يكون يمينا و ما لايكون يمينا، اشرفی ٢/٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۷)

# ۱۵۰ر مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ

**سوال** [۷۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسم کھائی کہ فلاں حرام کام نہیں کروں گا لیکن اس حرام کام کو غالباً ۱۵۰ر مرتبہ کیا تو اس کا کفارہ کتنا ہوگا؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سب کا ایک کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۸۸)

**كفارات الأيمان، إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندي.** (شامی، کتاب الأيمان، مطلب: تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ٥/ ٤٨٦، كراچی ٣/ ٧١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۰/ ۱۴۱۷ھ

# کفارۂ قسم ادا کرنے کا طریقہ

**سوال** [۷۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے غصہ میں قسم کھائی تھی کہ میں گھر نہیں جاؤں گا، تو ان کے عزیز ان کو پکڑ کر لے آئے گھر کے اندر، لہٰذا قسم ٹوٹ چکی ہے، اب کفارہ ادا کرنا ہے وہ کیسے ادا کریں، کیونکہ اس سے پہلے کفارہ کے متعلق معلوم کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ پانچ آدمی صبح کو اور پانچ شام کو کھلا دیں، لیکن گھر پر کھانے کا کوئی بند وبست نہیں اب کیا کریں، کیا کھانے کی

قیمت لگا کر دام بانٹ دیئے جائیں، یا روزہ رکھ لے، اور کتنے رکھے جائیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے، البتہ گھر میں کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی صورت میں دس مسکینوں کو دو وقت کے کھانے کی قیمت ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، پانچ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی جو بات ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور مالی کفارہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوئے روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز نہیں۔

﴿ **وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ.** [المائدة: ۸۹] ﴾

**ولو غدى مسكينا و أعطاه قيمة العشاء أجزأه و كذا إذا فعله في عشرة مساكين.** (شامي، كتاب الأيمان، مطلب: كفارة اليمين زكريا ۵/۵۰۳، كراچی ۳/۷۲۶، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديوبند ۲/۲۷۸، كوئٹه ۲/۲۹۲، هنديه، زكريا قديم ۲/۶۳، جديد ۲/۶۹)

**وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء.** (در مختار مع الشامي زكريا ۵/۵۰۵، كراچی ۳/۷۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

# دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل

**سوال** [۷۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قسم کا کفارہ دس آدمیوں کو کھانا کھلانا ہے اگر دس آدمیوں کو دو پہر اور دس آدمیوں کو رات میں کھلایا جائے تو اس طرح دونوں وقت کی خوراک ایک مانی جائیگی یا ایک

ہی وقت کی خوراک دس آدمیوں کو کھلائی جائے، کیا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلائی جائے گی یا وقفہ وقفہ سے ایک یا دو مسکین کو کھلائی جائے؟

(۲) خدا کو راضی کرنے کے لیے کوئی چیز بتا دیں جبکہ میں توبہ نفل واستغفار کی کثرت بھی رکھتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قسم کا کفارہ دس مسکینوں میں سے ہر ایک مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار غلہ دینا ہے، یا اگر کھانا کھلایا جائے تو دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جنہیں صبح کو کھلایا ہے شام کو بھی انہیں کو کھلانا لازم ہے اگر شام کو دوسرے کو کھلائیں گے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا، اس لیے آسان شکل یہی ہے کہ الگ الگ دس مسکینوں کو دونوں وقتوں کے کھانے کا پیسہ دیدیا جائے اور خدا کو راضی کرنے کے لیے کثرت کے ساتھ ذکر واستغفار کیا جائے اور ساتھ میں اللہ سے امید رکھی جائے۔

**أو إطعام عشرة مساكين، قال فى الشامية: وفى الإطعام إما التمليك أو الإباحة فيعشيهم ويغديهم (إلى قوله) وإذا غدى مسكينا وعشى غيره عشرة أيام لم يجزه لأنه فرق طعام العشرة على عشرين كما إذا فرق حصة المسكين على مسكينين (وقوله تحقيقا أو تقديراً) حتى لو أعطى مسكينا واحدا فى عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز.** (شامی، زکریا ۵/۵۰۳، کراچی ۳/۲۷۶، ونحوه فى التاتارخانية ۶/۳۰۳)

**ويجوز دفع القيمة ...... ولو غداهم وعشاهم فى يوم واحد أو عشاهم فى يوم آخر أو غداهم فى يومين أو غداهم وأعطاهم قيمة عشائهم الخ.** (تاتارخانية ۶/۳۰۲-۳۰۳، رقم: ۹۴۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۲۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۳ھ

# قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق

**سوال** [۷۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی شخصکے روبرو قسم کھائی اور پھر اپنی قسم توڑ دی تو قسم کے کفارہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اور قسم کے کفارہ کے لیے غرباء زیادہ مستحق ہیں یا مدرسہ کے طلباء؟

المستفتی: محمد قمر سلیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: قسم کھانے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے ہاں البتہ خلاف پہلو میں خیر غالب ہو تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا حلال اور جائز ہے، اس میں گناہ بھی نہیں اور قسم کے کفارہ کا پیسہ غرباء اور مدرسہ کے طلباء میں سے جس کو چاہیں دے سکتے ہیں، البتہ غریب طلبہ کو دینے میں زیادہ فضیلت ہے، اس لیے کہ کفارہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کا تعاون بھی ہو جاتا ہے۔

**عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله ﷺ: إذا حلف أحدکم علی الیمین فرأی غیرها خیرا منها، فلیکفرها ولیأت الذی هو خیر.** (صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا، النسخة الهندیة ۲/ ۴۸، بیت الأفکار رقم: ۱۶۵۱)

**وکره نقلها إلا إلی قرابة أو أحوج أو من دار الحرب إلی دار الإسلام أو إلی طالب علم، وفی المعراج: التصدق علی العالم الفقیر أفضل.** (شامی، زکریا ۳/ ۳۰۴، کراچی ۲/ ۳۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ٢ باب النذور

## کیا محض دل میں ادارہ کر لینے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے؟

**سوال** [٧٤٤٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی میں نے دل ہی دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب اس کو شفاء عطا فرمائیں گے تو کچھ روپیہ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، لہٰذا اس وقت محلّہ کی مسجد میں تعمیری کام جاری ہے، یہ روپیہ اگر مسجد میں دیدوں تو صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اگر ادا نہیں ہوگا تو صحیح مصرف تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد علی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** محض دل میں ارادہ کر لینے سے نذر منعقد نہیں ہوتی، بلکہ زبان سے کہنا بھی ضروری ہے۔

**النذر لا تکفی فی إیجابه النیة بل لابد من التلفظ به.** (الأشباہ والنظائر ص: ٨٩)

لہٰذا مذکورہ صورت میں صدقہ واجب نہیں ہوگا، ہاں دل میں ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی کہا ہے تو واجب ہے، اور کسی نادار فقیر کو دینا ضروری ہے، مسجد میں جائز نہیں ہے۔

**فرکن النذر: هو الصیغة الدالة علیه، وهو قوله: لله عز شانه علی کذا، أو عليّ کذا، وهذا هدي، أو صدقة، أو مالي صدقة أو ما أملک صدقة أو نحو ذٰلک.** (بدائع الصنائع، کتاب النذر، زکریا دیوبند ٤/٢٢٦، دار الکتب العلمیة بیروت ٦/٣٣٣، کراچی ٥/٨١)

**المسألة الأولی فی حقیقة النذر: وهو التزام الفعل بالقول مما**

**یکون طاعة لله عز وجل، من الأعمال قربة.** (أحکام القرآن لابن عربی، دار الکتب العلمیة ۱/۳۵۲، کراچی ۲/۱۸، بحواله محمودیه ڈابھیل ۱۴/۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۴۳)

# کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟

**سوال** [۷۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شوگر کے مریض نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھ کو اس مرض سے شفا عطا فرمادے تو میں حج کروں گا، ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ اب تمہارا شوگر اس مرحلہ میں ہے کہ تم کو اب دوا کی ضرورت نہیں، صرف کھانے پینے میں احتیاط کرنے سے شوگر کنٹرول میں رہے گا، کیا ایسی صورت میں حج کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مذکورہ حج کی ادائیگی خود کرنا ضروری ہے یا کسی دوسرے کے ذریعہ بھی کرانا جائز ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) اپنے مرض سے شفایابی کی شرط پر منت مان لینے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ اسے شفا دیدے تو اس پر اپنی منت کو پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا حج کی منت ماننے والا مریض جب شفایاب ہوگیا اور سفر حج پر قادر بھی ہے تو اب اس پر حج ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ. [الحج: ۲۹]﴾

**وکذا لو قال عليَّ حجة سواء کان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال إن فعلت کذا فلله عليَّ أن أحج حتی يلزمه الوفاء إذا وجد الشرط.** (عالمگیری، کتاب الحج، الباب السابع عشر فی النذر بالحج زکریا قدیم ۱/۲۶۲ جدید ۱/۳۲۷)

(۲) جب منت ماننے کی وجہ سے حج فرض ہوگیا تو اب خود اسے ادا کرنا بھی لازم ہو گیا، ہاں اگر وہ ازخود کرنے پر قادر نہ ہوتو پھر اس حج فرض کو دوسروں کے ذریعہ کروانا بھی جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۵۶۸)

**وإنما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا للنفل.** (كنز الدقائق كتاب الحج، باب الحج عن الغير مكتبه مجتبائى دهلى ۹٤، هنديه زكريا قديم ۱/ ۲۵۷، جديد ۱/ ۳۲۱)

**وقوله لله علي حجة سواء: لأن الحج لا يكون إلا لله تعالىٰ، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال: إن فعلت كذا فلله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط ولا يخرج عنه بالكفارة.** (بدائع الصنائع كتاب الحج، بيان من نذر أن الحج زكريا ۲/ ٤۷۲-٤۷۳، كراچى ۲/ ۲۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۱۸)

# نذر پوری کرنے کا شرعی حکم

**سوال** [۷۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک ہزار روپئے اپنے ساتھی کو بطور امانت رکھنے کے لیے دیئے کچھ دنوں بعد میرا ساتھی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے، تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے، اگر اس نے دیدیا تو بغیر ثواب کی نیت کے غریبوں پر تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ میں ہوگیا، اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی، اب سوال یہ ہے کہ کیا نذر منعقد ہوگئی؟

(۲) میں نے نذر مانی کہ اے اللہ! اگر میرا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا، اب میرا داخلہ ہوگیا ہے، تو اب سوال ہے کہ مجھے روزے رکھنے پڑیں گے؟

**المستفتی:** پی زیڈ، اسلم کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: (۱) مذکورہ صورت میں آپ کا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو جانے اور آپ کے ساتھی کا رقم واپس کردینے کی وجہ سے نذر منعقد ہوگئی، لہٰذا واپس کردہ رقم غریبوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

**من نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أى فرض وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر.** (شامی، زکریا ۵/۵۱۵، کراچی ۳/۷۳۵)

(۲) نیز آپ کا مطلوبہ مدرسہ میں داخلہ ہوجانے کی وجہ سے روزے کی نذر بھی منعقد ہوگئی، اس لیے ایک ماہ کے روزے رکھنا آپ پر لازم ہے۔

**من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى (الحديث) كصوم و صلاة و صدقة لقوله تعالىٰ "وليوفوا نذورهم** (الحج: ۲۹). (شامی، زکریا ۵/۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

# نذر مان کر اس سے رجوع کرنا

**سوال** [۷۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں ایک گائے مدرسہ میں طلبہ کو کھانے کے لیے دوں گا، پھر ایک سال تک وہ کام پورا نہیں ہوا، اتنے میں اس نے وہ حدیث سن لی کہ "**لاتنذروا فإن النذر لا يغنى من القدر شيئا**" (نذر سے مقصود کے حصول اور عدم حصول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے) تو اس نے اپنی منت سے رجوع کرلیا، پھر رجوع کے بعد سے دو سال بعد بفضلہٖ تعالیٰ وہ کام پورا ہوگیا تو کیا اب وہ منت پوری کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ کیا کام پورا ہونے سے پہلے منت سے رجوع کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** منت ماننے سے وہ لازم اورتام ہوجاتی ہے پھر کبھی بھی اس منت سے رجوع کرنے سے رجوع نہیں ہوتا ہے، لہٰذا زید نے جب منت مان لی ہے تو منت لازم ہوگئی ہے، پھر جب دوسال کے بعد مقصد پورا ہوگیا ہے تو نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ. [الحج: ٢٩]﴾

**والنذر فی معنی الطلاق والعتاق لأنه لا يحتمل الفسخ بعد وقوعه.**

(البحر الرائق كتاب الصوم فصل فی النذر كوئٹه ٢/٢٩٦ زكريا ٢/٥١٨، التفسير المظهری زكريا ٦/٢٠٦)

**والنذر ...... ولايحتمل الفسخ بعد وقوعه.** (المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ٢٤/٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۲۳ھ

# نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم

**سوال [۷۴۴۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی کہ اگر میں فلاں گناہ کروں تو میرے ذمہ بیس رکعت نماز، پانچ سو روپیہ اور ایک ہفتہ کے روزے ہیں، مذکورہ مسئلہ میں مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں:

(۱) مذکورہ مسئلہ میں زید نذر بھی پوری کرسکتا ہے اور کفارۂ یمین بھی دے سکتا ہے؟ مذکورہ نذر ایک شمار ہوگی یا تین؟

(۲) اگر ایک شمار ہوگی تو بیس رکعت ادا کرنے کے بعد بھی کفارۂ یمین دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے نذر کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ پانچ سو روپیہ اپنے پاس سے نکالنے

ہیں، مالدار کو بھی دے سکتا ہے؟ رفاہ عام لائبریری میں بھی خرچ کرسکتا ہے؟ یہ نیت لغو ہوگی یا پوری نذر لغو ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** بیس رکعت نماز، اور پانچ سو روپئے اور ایک ہفتہ کے روزے، ان تینوں چیزوں کو نذر کرتے وقت ایک چیز کے ساتھ معلق کردیا ہے، اس طریقے سے ایک شرط کے ساتھ متعدد چیزوں کو معلق کرنے کی صورت میں جب وہ شرط پائی جائے جس پر متعدد چیزوں کو معلق کیا گیا ہے تو وہ تمام چیزیں لازم ہوجاتی ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب زید نے فلاں گناہ کرلیا ہے، تو اس کے اوپر بیس رکعت نماز بھی لازم ہوجائیں گی، پانچ سو روپیہ کا صدقہ کرنا بھی لازم ہوجائیگا، اور ایک ہفتہ کے روزے رکھنا بھی لازم ہوجائیگا، اور چاہے پانچ سو روپیوں کے بارے میں فقیروں کو دینے کی نیت نہ کی ہو، صرف جیب سے نکالنے کی نیت کی ہو تب بھی پانچ سو روپیہ فقیروں کو دینا لازم ہوجائیگا، مال داروں کو دینا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر میں جو پیسہ دینا لازم ہو جاتا ہے وہ متعین نہ ہونے کی صورت میں فقیروں کو دینا لازم ہوتا ہے۔

**روی ابن سماعة عن أبی یوسفؒ، إذا قال رجل امرأة زید طالق ثلاثا و رقیقه أحرار وعلیه المشی إلی بیت الله جل شانه إن دخل هذه الدار، فقال زید: نعم، کان کأنه قد حلف بذٰلک کله.** (بدائع الصنائع، کتاب النذور، شروط النذور، زکریا ۲۳۹/۴، کراچی ۸۹/۵)

اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صرف بیس رکعت نماز پڑھ لینا، پانچ سو روپئے اور ایک ہفتے کے روزے کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

**ویخرج عن العهدة بالوفاء بما سمی أیضا إذا کان شرطا لایرید کونه لأن فیه معنی الیمین وهو المنع وهو بظاهره نذر فیتخیر و یمیل إلی أی الجهتین شاء.** (البحر الرائق کراچی ۲۹۵/۴، زکریا ۴۹۶/۴، هدایه اشرفی ۴۸۳/۲)

**وفی الشامية: قوله: (مصرف الزكاة والعشر) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة كما في القهستاني.** (شامی زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

**وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لاتحل صدقة لغني.** (البحر الرائق کوئٹہ ۲/ ۲٤٥، زکریا ۲/ ٤۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۹ھ

## کام پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی

**سوال** [۷۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حرم شریف میں یوں کہا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں حج کروں گا، زید گھر آگیا، زید کا فلاں کام ابھی نہیں ہوا، کہ زید نے اپنے والد صاحب کو حج پر بھیج دیا اور اپنے دل میں یہ نیت کرلی کہ میں نے جو حرم شریف میں منت مانی تھی وہ پوری کر رہا ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا فلاں کام پورا ہونے سے پہلے منت کی ادائیگی ہو جائیگی اور زید کو خود جانا چاہیے یا والد صاحب کے بھیجنے سے ادائیگی ہوجائے گی اور بعد میں جب فلاں کام ہوجائیگا تو دوبارہ منت کا پورا کرنا تو واجب نہیں ہوگا؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زید نے جو نذر مانی ہے کہ فلاں کام پورا ہونے کے بعد حج کرے گا تو اس کام کے پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی، لہٰذا باپ کو جو حج کو بھیجا ہے، اس کا تعلق نذر سے نہیں ہوسکتا، بلکہ جب کام پورا ہوجائیگا تو اسباب مہیا ہونے کی

صورت میں حج کرنا لازم ہوگا اور خود کے معذور ہونے کی صورت میں حج بدل کرانا لازم ہوگا۔

**أجمع أصحابنا –رحمهم الله–: أن النذر بالعبادات إذا كان معلقا بالشرط و أداها قبل وجود الشرط لايجوز سواء كانت العبادة بدنية أو مالية.** (تاتارخانية الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور كوئٹه ٥/٥٠، زكريا ٦/٢٩٢ رقم: ٩٤٠٦)

**ثم الوفاء بالمنذور به نفسه حقيقة إنما يجب عند الإمكان، فأما عند التعذر فإنما يجب الوفاء به تقديرا بخلفه لأن الخلف يقوم مقام الأصل، كأنه هو كالتراب حال عدم الماء.** (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٤٣، كراچی ٥/٩١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

# نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا

**سوال** [۷۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے دو بکرے پالے تھے اس نیت سے کہ بیوی بیمار ہے اس کا آپریشن ہونا ہے پیٹ میں پتھری ہے، تو آپریشن کے بعد بکروں کو ذبح کرکے خوشی کریں گے، لیکن اب آپریشن نہیں ہوا تو کیا ان بکروں کی قربانی عیدالاضحیٰ میں کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد داؤد بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** جب آپریشن نہیں ہوا ہے تو نذر بھی پوری نہیں ہوئی، لہٰذا ان بکروں کو اب قربانی میں ذبح کرنا جائز اور صحیح ہوجائیگا۔

**عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حلف على ملة غير الإسلام فهو كما قال: وليس على ابن آدم نذر فيما لايملک.** (صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/٨٩٣، رقم: ٥٨١٢، ف:٦٠٤٧)

**لم یوجد النذر فی الملک ولا مضافا إلی سببه فلم یصح.** (درمختار، کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج، زکریا ۵/ ۵۲۶، کراچی ۳/ ۷۴۲، تبیین الحقائق مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۵۵، زکریا ۳/ ۵۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

# نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں

**سوال** [۷۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو دارالعلوم میں دو بکرے دوں گا اب زید کا کام پورا ہوگیا، زید کی امانت ۲۰/ ہزار روپیہ عمر کے پاس ہے، اب جب زید عمر کے پاس اپنی امانت کے پیسے لینے گیا تو عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے دو بکرے مدرسہ میں دیدوں گا، عمر نے بکرے کے بجائے پانچ ہزار روپیہ دوسرے مدرسہ میں دیدئے جبکہ زید کی نیت یہ تھی کہ دو بکرے دارالعلوم میں دوں گا، آپ وضاحت فرمائیں کہ زید کی نذر پوری ہوگئی یا نہیں یا دوبارہ زید کو دو بکرے دارالعلوم میں دینے پڑیں گے۔

المستفتی: محمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: صورت مذکورہ میں زید کی نذر پوری ہوگئی ہے۔

**عن جابر بن عبد الله أن رجلا قام یوم الفتح فقال: یا رسول الله! إنی نذرت لله إن فتح الله علیک مکة أن أصلی فی بیت المقدس رکعتین، قال صل هٰهنا، ثم أعاد علیه، فقال: صل هٰهنا، ثم أعاد علیه فقال: شانک إذا، وفی روایة زاد فقال النبی ﷺ: والذی بعث محمدا بالحق لو صلیت هٰهنا لأجزأ عنک صلاة فی بیت المقدس.** (سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب من

نذر أن یصلی فی بیت المقدس، النسخة الهندیة ۲/۴٦۸، دار السلام رقم: ۳۳۰۵-۳۳۰٦، وهکذا فی مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۸/۴۵٦، رقم: ۱۵۸۹۱)

**وإن کان مقیدا بمکان بأن قال: لله علی أن أصلی رکعتین فی موضع کذا أو أتصدق علی فقراء بلد کذا یجوز أداؤه فی غیر ذٰلک المکان.** (بدائع الصنائع، کتاب النذر، فصل حکم النذر الذی لا تسمیة فیه، زکریا ۴/۲۴۵، کراچی ۵/۹۳)

**وإن کان مقیدا بمکان بأن قال: لله علی أن أصلی رکعتین فی موضع کذا، أو أتصدق علی فقراء بلد کذا یجوز أداؤه فی غیر ذٰلک المکان عند أبی حنیفة وصاحبیه؛ لأن المقصود من النذر هو التقرب إلی الله عز وجل، ولیس لذات المکان دخل فی القربة.** (الفقه الإسلامی و أدلته، کتاب النذور، نذر المباح و نذر المعصیة، هدی انٹرنیشنل ۳/۴۸۴، دار الفکر ۴/۲۵٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۹)

# نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق

**سوال** [۷۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر کتابوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت نا ذرا اور غنی کے لیے کھانا جائز نہیں ہے، لیکن بدائع کی ایک عبارت سے اس کا تجزیہ نظر سے گذرا کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت نا ذرا اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں، کیونکہ امداد الفتاویٰ وغیرہ میں اضحیہ منذورہ کے گوشت کو ناذرا اور غنی کے لیے ناجائز لکھا ہے، اور اس کے اوپر ہندیہ وغیرہ کا جزئیہ بھی نقل فرمایا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر ایک زمانہ تک متأخرین کی بعض جزئیات اور بعض بڑوں کے فتاویٰ کو دیکھ کر ناذر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھتا رہا، لیکن کتب فقہ کی مختلف اور متضاد جزئیات کی مراجعت کے بعد جو کچھ باتیں سامنے آئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں:

اولاً: یہ بات ذہن نشیں کر لینی ضروری ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ نذر ذبح میں صرف ذبح اور تصدق مقصود ہوتا ہے، اس ذبح میں تقرب الی اللہ مقصود نہیں ہوتا ہے، اور اس ذبح کا وقت بھی متعین نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی وقت نذر پوری کرنے کے لیے ذبح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور اس نذر کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے بالاتفاق جائز نہیں ہے، اس کا تصدق سب کے نزدیک واجب ہے، اور نذر اضحیہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس لیے کہ نذر اضحیہ میں اصل مقصد تقرب الی اللہ ہوتا ہے، اس میں محض ذبح کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ ذبح کے ذریعہ سے ایک عبادت کی ادائیگی اور رضائے الٰہی مقصد ہوتی ہے اور ساتھ میں اس کا گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح میں تصدق اصل مقصد نہیں ہوتا ہے اس لیے نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، اگر یہ فرق ملحوظ نہ رہے تو طرح طرح کے اشتباہ وشبہ اور تردد کی وجہ سے حکم لگانے میں فرق آئیگا، اور بعد کے فقہاء کے اقوال اسی وجہ سے مختلف ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض فقہاء نے نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے ناجائز لکھا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین زیلعی نے صراحت کے ساتھ ناجائز لکھا ہے، اور باقی جتنے فقہاء نے اس کے ناجائز ہونے کو لکھا ہے وہ سب ان کے بعد کے فقہاء متأخرین ہیں، کسی نے مجمل لکھا اور کسی نے صراحتاً لکھا، اور یہ اشتباہ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ کے حکم کے درمیان فرق کو واضح کر کے نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ مجمل اور مجموعی حکم لکھا گیا کہ ناذر اور غنی کے لیے منذورہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، پھر اسی اصول کے اندر اضحیہ منذورہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس

تمہید کے بعد اضحیہ منذورہ کے متعلق جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ حسب ذیل ہے کہ جو آدمی صاحب نصاب نہ ہو یا بالکل فقیر ہو اس نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا ہے اس کے خریدنے کے وقت وہ اضحیہ منذورہ کے حکم میں ہو جاتا ہے، اب اس کا گوشت کھانا اس کے لیے اور غنی کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں متأخرین فقہاء میں اسی بنیاد پر اختلاف ہوا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ متأخرین فقہاء میں سے فقیہ ابوالسعود اور قاضی برہان الدین وغیرہ نے فقیر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

**وذكر أبو السعود أن شراءه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها، أقول: التعليل بأنها بمنزلة النذر مصرح به في كلامهم، وقوله: قال القاضي برهان الدين: لا يحل.** (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۷)

اسی کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کے اس جزئیہ کو نقل فرما کر ناجائز لکھا ہے جو نہایہ کے حوالہ سے ہندیہ میں لکھا ہوا ہے۔

**أما في الأضحية المنذورة سواء كانت من الغني أو الفقير فليس لصاحبها أن يأكل ولا أن يؤكل الغني، هكذا في النهاية.** (هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية، زكريا قديم ۵/۳۰۰، جديد ۵/۳۴۶ - ۳۴۷)

اور ساتھ میں ہندیہ کے حوالے سے زیلعی کا جزئیہ بھی نقل فرما دیا ہے اور دوسرے فتویٰ میں حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نذر مانی ہے تو اس کا کھانا خود اس کیلئے تو جائز نہیں ہے، اور اگر مثل نذر کے اس کے اوپر واجب ہو گیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے، اور اس میں مطلق نذر سے متعلق جزئیہ نقل فرمایا ہے، اضحیہ منذورہ سے متعلق جزئیہ نقل نہیں فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳) میں یہ دونوں فتوے موجود ہیں، اس کے برخلاف علامہ شامی علیہ الرحمہ نے صاحب بدائع کی صراحت کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جو جانور خریدا ہے اس کا گوشت خود فقیر کے لیے جائز اور حلال ہے، اور پھر تاتارخانیہ کے حوالہ سے قاضی بدرالدین کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز اور حلال ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

**ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها وقوله: وفي التاتارخانية: سئل القاضي بديع الدين عن الفقير: إذا اشترى شاة لها هل يحل لها الأكل؟ قال: نعم.** (شامی، زکریا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۷، تاتارخانیة ۱۷/۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

شامی اورتا تارخانیہ کی ان عبارات سے فقیر کے خریدے ہوئے اضحیۂ منذورہ کا گوشت خود فقیر اور غنی کے لیے کھانا بلا شبہ جائز ہے، اسی کے پیش نظر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں واضح الفاظ کے ساتھ لکھا ہے کہ فقیر پر اضحیہ خریدنے سے اضحیہ واجب ہوجاتا ہے، اوروہ اضحیہ مثل منذورہ کے ہوجاتا ہے، اورنذر میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز اور درست نہیں، ساتھ میں مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب بڑے جانورکو سات آدمیوں نے مل کرخریدا ہو جن میں ایک فقیر بھی ہوتو فقیر کا حصہ منذورہ کے حکم میں ہونے کے باوجود سب کی قربانی بلاتردد جائز ہو جاتی ہے، اور خود فقیر کا اس میں سے کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/ ۵۶۸)

مفتی صاحب کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے پہلے یہ بات واضح کردی ہے کہ نذر کے گوشت میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست نہیں ہے پھر اس کے بعد قول راجح نقل فرمایا ہے کہ جائز اور درست ہے، لہٰذا اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس نذر میں سے کھانا جائز نہیں اور کس نذر میں سے کھانا جائز ہے؟

اب اس کے بعد اصل مسئلہ واضح کیا جارہا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذر ذبح: جس میں اصل مقصد ذبح ہی ہوتا ہے اور گوشت کا تصدق بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح کے لیے ایام اور وقت کی تعیین نہیں ہوتی۔

(۲) نذر اضحیہ یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے (۱) اس نذر میں تقرب الی اللہ ہی اصل مقصد ہوتا ہے (۲) اس نذر کی ادائیگی ایام اضحیہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور ضمناً گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس نذر میں تصدق مقصد نہیں ہوتا اور جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت کھانا خود ذابح اور غنی دونوں کے لیے جائز ہوتا ہے،

لہٰذا نذر ذبح کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، اور اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی بذل المجہود میں اسی کو واضح فرمایا ہے، اس سے ان کا رجحان بھی یہی ثابت ہوا کہ نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، چاہے ناذر فقیر ہو یا غنی، ہر ایک کا حکم یکساں ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

**إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع و نوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع و نوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار و جزاء الصيد ...... دم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل و عند الشافعي رحمه الله لا يؤكل.** (بدائع، كتاب التضحية، باب يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، زكريا ٤/٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/٨٠، بذل المجهود، قديم ٤/٧٦، جديد ٩/٥٦٦-٥٦٧)

**وإن نذر أضحية في ذمته ثم ذبحها فله أن ياكل منها وقال القاضي من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد بناءً على الهدى المنذور.** (المغني للابن قدامة ٩/٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۰۸)

# مشرک کی نذر کا حکم

**سوال** [۷۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مشرک شخص نے اپنے تمام بیل کے مرجانے کی وجہ سے ایک منت مانی اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں بیل زندہ رہا تو اس کی قربانی کروں گا، اور اللہ کے فضل

سے اس کا بیل زندہ رہا اب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے قربانی کروانا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے، اگر درست ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

**المستفتی:** قسمت علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مشرک نے جو منت مانی ہے کہ میرا فلاں بیل زندہ رہا تو میں اس کی قربانی کروں گا یہ منت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اور منت کی صحت کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، البتہ اس بات کا اس کو اختیار ہے کہ کسی مسلمان کو وہ بیل تحفہ کے طور پر دیدے یا ہدیہ کردے پھر وہ مسلمان اس کو اپنے اختیار سے ذبح کردے تو اس کا گوشت ہر شخص کے لیے کھانا جائز ہے۔

**ومنها الإسلام فلا يصح نذر الكافر.** (بدائع، كتاب النذر زكريا ٤/٢٢٦، كراچی ٥/٨٢)

**ثانيا الإسلام فلا يصح نذر الكافر.** (الفقه الإسلامی و أدلته، هدی انٹرنيشنل ٣/٤٧١، دار الفكر ٤/٢٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۹۲۹۴/۳۸) | ۱۴۲۸/۵/۱۵ھ |

# نذر میں خیرات کی رقم متعین نہیں کی تو کیا کریں؟

**سوال** [۷۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں کچھ غلہ یا کچھ روپیہ خیرات کروں گا تو اگر غلہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، اور اگر روپیہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، کیونکہ اس نے متعین نہیں کیا کہ اتنا غلہ یا اتنا روپیہ خیرات کروں گا۔

**المستفتی:** اسرار الحق محمد پور اعظم گڑھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صورت مسئولہ میں اگر منت ماننے والے کے دل میں کچھ خیال تھا کہ اتنا دوں گا تو اسی قدر دے اور اگر کچھ خیال نہ تھا تو غلہ میں سے کم از کم ایک صدقۂ فطر کی مقدار دے اور روپیوں میں سے بھی ایک صدقۂ فطر کی مقدار ادا کرے اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار پندرہ یا سولہ روپیہ ہیں، اس لیے جب اس نے صدقہ کا نام لیا ہے تو صدقۂ متعارف کی آخری مقدار ایک صدقۂ فطر ہے، اس لیے مقدار متعین نہ کرنے کی صورت میں ایک صدقۂ فطر کی مقدار دینا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور۳/ ۴۸)

**الفطرة نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب أو صاع تمر أو شعير.** (درمختار مع الشامی، زکریا ۳/ ۳۱۸، کراچی ۲/ ۳۵۷، قدوری ص: ۵۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

## متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں یا کسی بھی مدرسہ میں؟

**سوال [۷۴۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فلاں مدرسہ میں ۵۰۰؍ روپیہ دوں گا وہ کام ہوگیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جس متعین مدرسہ میں پانچ سو روپئے دینے کی منت مانی ہے اسی مدرسہ میں پانچ سو روپیہ دینے سے منت پوری ہوگی یا کسی دوسرے مدرسہ میں بھی دینے سے یہ ذمہ ادا ہوجائیگا، یا کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو بھی دینے سے ذمہ سے فارغ ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد ساجد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صورت مسئولہ میں نذر کا پیسہ اسی مدرسہ میں دینا

ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مدرسہ میں دینے سے نذر پوری ہو جائیگی، البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۷۴)

**نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها .** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان الخ زكريا ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤٠)

**نـذر لفقراء مكة جاز الصرف إلى فقراء غيرها.** (مجمع الأنهر، الأيمان، قبيـل بـاب اليمين في الدخول والخروج، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦، مصرى قديم ١/ ٥٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ/ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲ھ

# ایک مسجد میں روپئے دینے کی نذر مان کر دوسری مسجد میں دینا

**سوال** [۷۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں مسجد میں سو روپئے دوں گا اس شخص کا کام ہو گیا اب اس شخص نے مسجد متعین کے بجائے دوسری مسجد میں سو روپئے دیدیئے، اور دوسری مسجد زیادہ حقدار ہے پہلی مسجد کی بنسبت، تو اس طرح منت پوری ہوئی یا نہیں؟

یا اگر مسجد کے بجائے کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو سو روپئے دیدیئے تو منت پوری ہوئی یا نہیں؟ ان دونوں جزئیوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: دوسری مسجد میں روپئے دینے سے منت پوری ہو گئی کیونکہ جس مسجد کی تعیین کی ہے وہ لازم نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے بجائے کسی غریب کو دیدینے سے بھی منت پوری ہو گئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۱۸-۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۷۴)

**قال الشامی تحت قوله (فإنه لا يجوز تعجيله الخ) و كذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان و الدرهم و الفقير.** (شامی، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالايفسد، زکریا ۳/ ٤٢٤، کراچی ۲/ ٤٣٧)

**وإن كان مقيدا بمكان بأن قال لله تعالىٰ على أن أصلى ركعتين فى موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا، يجوز أداؤه فى غير ذلك المكان عند أبى حنيفة و صاحبيه لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل وليس لذات المكان دخل فى القربة.** (الفقه الاسلامی و أدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ۳/ ٤٨٤، دار الفكر ٤/ ٢٥٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳۱)

## مسجد میں سو روپیہ دینے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مرتبہ کسی کام کے ہونے سے پہلے کہا تھا کہ اگر میرا کام ہوجائے تو میں سو روپئے دوں گا، کام ہوگیا اور میں نے پچاس روپئے ایک مسجد میں ایک موقع پر دیئے، کیا میں ۵۰؍ روپئے اور کسی مسجد میں یا اسی مسجد میں دوں تو ٹھیک ہوگا یا مجھے اکٹھے سو روپئے دینے ہوں گے؟

المستفتی: منہاج الدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر آپ نے مسجد میں دینے کے لیے نذر مانی ہے تو کسی بھی مسجد میں دے سکتے ہیں، لہٰذا بقیہ پچاس روپئے چاہے اس مسجد میں دیدیں یا کسی دوسری مسجد میں آپ کو اختیار رہے۔

**والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أوغيرها غير المعلق و**

**لو معينا لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز.** (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: النذر غیر المعلق لا یختص بزمان و مکان و درهم، زکریا دیوبند ٥/٥٢٤، کراچی ٣/٧٤١ وهکذا فی زکریا ٣/٤٢٤، کراچی ٢/٤٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۶۱)

## کاروبار شروع ہونے پر مسجد میں ضرورت کے سامان دینے کی نذر

**سوال** [۷۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے کاروبار شروع کرنے پر ایک مخصوص رقم صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، ساتھ ہی یہ ارادہ بھی کیا کہ اس رقم سے مسجد میں تسبیح، لوٹے، مصلیٰ، جھاڑو وغیرہ بھی رکھ دوں گا، اور بقیہ رقم غرباء مساکین پر خرچ کردوں گا، صحیح مصرف بتادیجیے، کس طرح سے خرچ کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز عبادت مقصودہ میں سے نہیں ہے، اس لیے ان میں سے کوئی چیز شرعاً اس پر لازم نہیں ہے، نیز زبان سے کہے بغیر محض نیت کر لینے سے نذر ثابت نہیں ہوتی، ہاں البتہ غرباء ومساکین پر جو رقم خرچ کرنے کو زبان سے منت مانی ہے وہ رقم فقراء پر کسی بھی طریقے سے خرچ کرسکتا ہے، اور اگر زبان سے نہیں کہا ہے تو وہ بھی واجب نہیں ہوگی، بلکہ اپنی مرضی واختیار سے جو چاہے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۱۲۵)

**ومن شروطه أن يكون عبادة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض و تشييع الجنازة والوضوء والاغتسال و دخول المسجد و مس المصحف والأذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربا إلا أنها غير مقصودة.**

(شامی، مطلب فی أحکام النذر زکریا ٥/٥١٦، کراچی ٣/٧٣٥، بدائع الصنائع زکریا ٤/٢٢٨،

کراچی ۵/ ۸۲، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیه بیروت ۳/ ۱۲۸، الفقه الإسلامی و أدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۳/ ۴۷۳، دار الفکر ۴/ ۲۵۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۵)

# مسجد میں مصلیٰ یا اگربتی دینے کی نذر

**سوال** [۷۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض آدمی منت کا مصلیٰ یا اگربتی یا پیسے وغیرہ مسجد میں دیدیتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اسرار الحق محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگربتی وغیرہ ایسی چیز نہیں کہ اس کی نذر مانی جائے البتہ مسجد میں صفوف ومصلیٰ دینے کی منت ماننے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۲/ ۱۳۴-۱۳۵)

**ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و کان من جنسه فرض وهو عبادة مقصودة کصوم و صلاة وصدقة ووقف.** (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، زکریا دیوبند ۵/ ۵۱۵-۵۱۶، کراچی ۳/ ۷۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۷)

# کام پورا ہونے پر نوافل اور صدقہ وخیرات کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اپنے کاموں کے سلسلے میں اللہ پاک سے یہ منت مانی جائے کہ کام ہو جائے گا تو شکرانہ کے نوافل ادا کروں گا، اور دس آدمیوں کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں، اور اگر ہم یہ چاہیں کہ جو پیسے کھانے کے بنتے ہوں وہ کسی اپنے ضرورت مند عزیز کو دیدیں تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: رحمت الٰہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ایسی نذر ماننی جائز ہے بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو، دس آدمیوں کے کھانے کے پیسے ایک ضرورت مند کو دینے سے نذر پوری نہیں ہوگی اور اگر نقدی دینا ہو تو دس ہی آدمیوں کو ہر ایک کو صدقۂ فطر کی مقدار دینا ہوگا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ۲۹]﴾

**عن عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه.** (صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب النذر فى الطاعة، النسخة الهندية ۲/۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

**إذا نذر شيئا من القربات لزمه الوفاء به.** (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، دار الكتاب ديوبند ۶۹۲، قديم ۳۷۸)

**وإذا جعل الرجل لله على نفسه إطعام مسكين فهو على ما نوىٰ من عدد المساكين وكيل الطعام لأن المنوىٰ من محتملات لفظه (إلى قوله) فعليه طعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاع من حنطة (إلى قوله) إن قال فى نذره إطعام المساكين فليس له أن يصرف الكل إلى مسكين واحد جملة.** (المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۱۵۲، هنديه قديم ۲/۶۶، جديد ۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰/۲۴)

# جو تنخواہ ملے گی اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا

**سوال** [۷۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرس ہے وہ اس نیت سے پڑھاتا ہے کہ جو کچھ مجھے تنخواہ ملے گی اس کو میں اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا، چنانچہ اس نے کچھ اپنی نیت کے مطابق اللہ کے راستے میں خرچ کردیا، اب اس کو کچھ گھریلو ضرورت پیش آگئی، تو کیا اس پیسہ کو اپنی ضرورت میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید عادل حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے صرف دل میں نیت کرلی تھی اور زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا تھا تو پیسہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر زبان سے اس کا تلفظ بھی کرلیا ہے تو اس کو راہِ خدا میں صرف کرنا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں نذر ثابت ہوجاتی ہے ثبوتِ نذر کے لیے تلفظ لازم ہے۔

**فركن النذر: هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه عليَّ كذا، أو عليّ كذا، أوهذا هدى، أو صدقة، أو مالى صدقة أو ما أملك صدقة أونحو ذٰلک.** (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ديوبند ۴/۲۲۶، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۳۳۳، كراچى ۵/۸۱)

**والنذر عمل اللسان والقياس يقتضى أنه لا ينعقد إلا بلفظ الخ.** (كتاب الفقه على مذاهب الاربعة، دار الفكر ۲/۱۴۲)

**إيجاب الفعل المباح على نفسه بالقول تعظيما لله تعالىٰ الخ.** (قواعد الفقه اشرفى ص: ۵۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۷۳)

# بیس ہزار رکعت پڑھنے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک دوست پہلے بہت شریف تھا اور وہ قبل از بلوغ کسی غلط عادت میں نہیں تھا، لیکن اب سے تقریباً دو سال قبل اس نے ایک غلط عادت پکڑ لی اور وہ عادت اس نے اپنی زندگی کا معمول بنالی، وہ عادت یہ ہے کہ وہ مشت زنی کرتا ہے، جب کافی دن کرتے ہوئے اس عادت سے اسے چھٹکارا نہیں ملا تو اس نے قسم کھائی کہ اب یہ کام نہیں کروں گا، لیکن پھر بھی اس کو اس نے تقریباً دو سو مرتبہ کیا، اور پھر اس نے اس سے بھی سخت قسم کھائی کہ اگر میں مشت زنی کروں گا تو بیس ہزار رکعت پڑھوں گا لیکن کچھ دنوں بعد وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کرسکا اور اس کام کو تقریباً سات مرتبہ کیا، اس کو کتنا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا اسے کتنی رکعت نماز پڑھنی ہوگی اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار رکعت حساب سے بیٹھتی ہیں، جسم میں اتنی رکعت پڑھنے کی طاقت بھی نہیں ہے، قسم اس وجہ سے کھائی تھی کہ اس کام سے بچ جاؤں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: پہلی قسم کی وجہ سے ایک کفارہ کافی ہے، چاہے اس کے بعد کئی سو بار یہ حرکت کی ہو، اور دوسری قسم کی وجہ سے بیس ہزار رکعت نماز پڑھنی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲/ ۸۸)

**عن ابن عباس: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ومن نذر نذرا أطاقه فليف به.** (سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذر نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

**عن عائشة رضی اللّٰہ عنها عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من نذر أن يطيع اللّٰہ فليطعه.** (صحيح البخاری، باب النذر فی الطاعة ۲/ ۹۹۱، رقم: ۶٤٤٠، ف: ٦٦٩٦)

**كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن**

**عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندی.** (شامی، الأيمان، مطلب تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ٥/٤٨٦ كراچی ٣/٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۶ھ

## لا الٰہ الا انت الخ ۱۲۴۰۰۰ مرتبہ پڑھنے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے یہ نذر مانی کہ اگر ہمارا کام بن جاوے تو آیت کریمہ کا ختم کرادیں گے یعنی لا الٰہ الا انت سبحانک، ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ، ان کا کام پورا ہوگیا، اور افراد نہیں مل رہے ہیں کہ جن سے یہ منت مذکورہ پوری کرائی جائے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ تکمیل کرلینا ضروری ہے یا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے، یہ نذر درست ہوتی ہے یا نہیں؟ اور پھر آیت کریمہ ختم کرانے سے مذکورہ وعدہ پورا ہوگیا یا نہیں؟

**المستفتی:** مولانا محمد سالم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** شرعاً یہ نذر صحیح نہیں ہے، اس لیے پوری کرنا بھی لازم نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۲۰، ۱۲/ ۱۱۵، ۱۲/ ۱۵۰، ۱۲/ ۱۵۴)

**ولم يلزم الناذر ماليس من جنسه فرض الخ.** (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب: فی أحكام النذر، كراچی ٣/٧٣٦، كوئٹه ٣/٧٣، زكريا ديوبند ٥/٥١٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٤، مصری قديم ١/٥٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۴۳)

# کیا نذر کردہ روزہ کے درمیان ترتیب لازم ہے؟

**سوال** [۷۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی تھی کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو میں ایام بیض قمری ماہ کی ۱۳/۱۴/ ۱۵/ تاریخ کا روزہ رکھوں گا، لیکن زید نے ایک ماہ کا روزہ رکھا اور دوسرے ماہ میں دو روزہ ۱۴/ ۱۵/ رکھا، ۱۳/ تاریخ کا روزہ بھول سے چھوٹ گیا تو اب زید کیا کرے، وہ دونوں ماہ کے روزے دوبارہ رکھے یا ایک ماہ کا تینوں ۱۳/۱۴/۱۵/ رکھے، یا صرف قمری ۱۳/ تاریخ کا روزہ رکھ لے تو نذر پوری ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ صورت میں زید نے جب ایک ماہ کے ایام بیض یعنی ۱۳/۱۴/۱۵/ کو روزہ رکھ لیا تھا تو اس کی نذر پوری ہوگئی، دوسرے ماہ میں ایام بیض کو روزہ رکھنا لازم نہیں ہے۔

**عن الحسن فی رجل جعل علیه صوم شهر، قال: إن سمی شهرا معلوما فلیصمه ولیتابع.** (المصنف لابن أبی شیبة، الأیمان والنذور فی رجل جعل علیه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۶۰۲، رقم: ۱۲۶۳۴)

**فبوجود الفعل مرة یتم الشرط.** (هدایه، کتاب الطلاق، باب الأیمان فی الطلاق، اشرفی ۲/ ۳۸۶)

**نذر صوم شهر معین لزمه متتابعا.** (شامی، مع الدر کراچی ۳/ ۷۴۱، زکریا ۵/ ۵۲۵، مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/ ۵۴۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۴)

# اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجائے تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا

**سوال** [۷۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک ہزار روپیہ اپنے ساتھی کو رکھنے کے لیے دیا، بطور امانت، کچھ دنوں کے بعد میرا ساتھ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ نہیں میں نے خرچ کرلیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے اگر اس نے دیدی تو بغیر ثواب کی نیت سے غریبوں میں تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ ہوگیا اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی اب سوال یہ ہے کہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟

میں نے نذر مانی کہ اے اللہ میرا اگر فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا اب میرا داخلہ ہوگیا تو کیا مجھے روزہ رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ اسلم گیٹ کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں نذر منعقد ہوجائے گی کیونکہ جس شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا ہے وہ شرط پائی گئی، لہٰذا اب نذر بھی منعقد ہوگئی ہے، اور بغیر ثواب کی نیت کی قید لگانا درست نہیں، یہ آپ کا حلال روپیہ ہے، اس لیے دیتے وقت ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔

**ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي (يوفى) وجوبا (إن وجد) الشرط.** (در مختار مع الشامی، زکریا ۵/ ۵۲۱، کراچی ۳/ ۷۳۸، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ۶۹۸)

(۲) دوسرے سوال کے اندر بھی نذر معلق بالشرط ہے، اور شرط کا وجود بھی ہوگیا ہے، نیز

یہ نذر عبادت مقصودہ میں سے بھی ہے، لہٰذا نذر پوری کرنے کے لیے اب روزہ رکھنا واجب ہے۔

**عن الحسن فی رجل جعل علیه صوم شهر، قال: إن سمی شهرا معلوما فلیصمه ولیتابع، وإذا لم یسم شهرا معلوما، أو لم ینوه فلیستقبل الأیام فلیصم ثلاثین یوما، وإن صام علی الهلال و أفطر علی رؤیته، فکانت تسعة و عشرین یوما أجزاه ذٰلک، و إن فرق إذًا استقبل الأیام.** (المصنف لابن أبی شیبة، الأیمان والنذور فی رجل جعل علیه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ٦٠٢/٧، رقم: ١٢٦٣٤)

**ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و کان من جنسه واجب (و وجد الشرط) المعلق به لزم الناذر.** (در مختار مع الشامی زکریا ٥١٦/٥، کراچی ٧٣٥/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ١٩ر محرم الحرام ١٤٢١ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٤٥٧) | ١٤٢١/١/١٩ھ |

# زندگی بھر روزہ رکھنے کی منت کے بعد قدرت نہ ہو تو؟

**سوال** [٧٤٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی نے کسی حادثہ کے موقع پر یہ منت مانی کہ اگر اس حادثہ میں ہمارے آل اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور سب بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھوں گا، اور اس حادثہ میں سب بچ گئے، کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور اس نے روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا، اسی دن کے بعد اب اس کی حالت یہ ہوگئی کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اتنا مال ہے کہ روزے کے بدلے میں مال کسی غریب کو دے تو اب اس منت سے بری ہونے کی کوئی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین عالم بھاگلپوری متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر سب لوگ بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھنا

واجب ہوگیا، اب اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر فقیر کو دیدیا کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہا کرے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۷۷)

**عن ابن عباس رضی اللہ عنه أن رسول الله ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا فی معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به.** (سنن أبی داؤد، الأيمان و النذور، باب من نذرا نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٢ دار السلام رقم: ٣٣٢٢، سنن ابن ماجه، الكفارات، باب ما جاء من نذر نذرا لم يسم، النسخة الهندية ١٥٤، دار السلام رقم: ٢١٢٨، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی ١١/ ٣٢٥، رقم: ١٢١٦٩)

**نذر بصوم الأبد فضعف ...... و إن لم يقدر استغفر الله تعالىٰ.** (فتاویٰ بزازيه كتاب الصوم، الفصل الرابع فی النذر زكريا جديد ١/ ٦٩، وعلى هامش الهندية ٤/ ١٠٣، هندية زكريا قديم ١/ ٢٠٩، جديد ١/ ٢٧٢، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ١٣٦ - ١٣٧، و على هامش الهندية ١/ ٢١٩، الدر مع الرد كراچی ٣/ ٧٤١، زكريا ٥/ ٥٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۳۳)

# ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزہ کی نیت کا طریقہ

**سوال** [۷۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے تھے، یا روپئے وغیرہ تو بلا تعیین خاص نذر روزہ اور روپیہ ادا ہوں گے یا نہیں؟ صرف نذر ادا کرنے کی نیت کی ان میں سے ایک کو متعین نہیں کیا۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے لازم تھے، تو ان کو بغیر تعیین کے اپنے اوپر لازم شدہ مطلقاً نذر کے روزہ کی نیت کر کے رکھ لینا جائز ہے، مثلاً متعدد اوقات میں چھ روزے لازم ہو گئے ہیں، تو ان کو اس طریقہ سے رکھنا جائز ہے کہ فی الجملہ نذر کے چھ روزے لازم ہیں، لیکن صرف نذر کی نیت سے چھ روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، اسی طریقہ سے متعدد بار پانچ، پانچ سو روپئے کی نذر مان لی ہے مثلاً تین مرتبہ پانچ پانچ سو کر کے پندرہ سو کی نذر مان لی ہے تو مطلقاً نذر کی نیت سے پندرہ سو روپئے فقیروں کو دینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔

**ولو أصبح صائما ینوی من الیومین اللذین وجبا علیه أجزأه عن واحد منهما استحسانا و کذٰلک لو افتتح صوما من ظهارین أجزأه عن واحد منهما استحسانا.** (الفتاویٰ التاتارخانیة، الصوم، الفصل الثالث فی النیة، کوئٹه ۲/ ۳۶۰، زکریا ۳/ ۳۷۳ رقم: ۴۶۰۶، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۳/ ۳۴۴، رقم: ۳۰۷۳- ۳۰۷۴)

**وإن وجبت علیه کفارات أیمان متفرقة فأعتق رقابا بعددهن و لم ینو لکل یمین رقبة بعینها أو نویٰ فی کل رقبة عنهن أجزأه استحسانا.** (هندیه، الأیمان، الفصل الثانی فی الکفارة، زکریا قدیم ۲/ ۶۴، جدید ۲/ ۷۰، المبسوط، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/ ۱۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ<br>
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ<br>
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۹)

الجواب صحیح<br>
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ<br>
۱۴۲۹/۲/۱۹ھ

## شوہر کو چلہ کی جماعت میں بھیجنے کی نذر کا شرعی حکم

**سوال** [۷۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے شوہر کو ۴۰/ دن کے

لیے جماعت میں بھیجوں گی، اب ہندہ کا فلاں کام ہو گیا، ہندہ کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ہندہ کا شوہر جماعت میں جانے کے لیے تیار نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کی نذر شرعاً معتبر ہوئی یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو ''الدین یسر'' کے پیش نظر ہندہ اپنے بیٹے یا کسی اجنبی کو ۳۰/۳۰ دن کے روپئے دے کر جماعت میں بھیج سکتی ہے؟ جب کہ ہندہ نے یکبارگی ۴۰/دن جانے کی قید نہیں لگائی تھی، اب ہندہ اپنی نذر سے کیسے بری الذمہ ہو سکتی ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر حسن آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کا شوہر کو چالیس دن کی جماعت میں بھیجنے کی نذر شرعاً معتبر نہیں ہوئی، کیونکہ نذر کی صحت کے لیے جہاں اور بھی شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عبادت مقصودہ کی نذر مانی جائے، لہٰذا اس نذر کو پوری کرنے کے لیے کسی صورت کو اپنانے کی ضرورت نہیں، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

**عن عمران بن حصین رضؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملک العبد .** (صحیح مسلم ۲/ ٤٥)

**النذر إن كان فی المباح أو فی المعصية فلا يلزمه ...... والأصل فی ذٰلک أن كل ما كان له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره وكل مالم يكن له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره فالذی له أصل: الصوم والصلاة والحج والصدقة والاعتكاف، والذی لا أصل له فی الفروض: عيادة المريض، وتشييع الجنازة ودخول المسجد، وفی السراجية: بناء الرباط والسقاية والقنطرة ونحوه.** (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الإيمان، الفصل السادس والعشرون: فی النذور، زكريا ٦/ ٢٨١، رقم: ٩٣٧٦، بدائع الصنائع زكريا ٢٢٧-٢٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۹۶/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۷ھ

# جماعت میں سال لگانے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک سال تبلیغی جماعت میں جانے کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر ماننا درست ہوگیا یا نہیں، اگر اس کی نذر درست ہے تو کیا اس کا درمیان سال میں گھر آنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مذکورہ صورت میں اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت مقصودہ میں سے ہو اور تبلیغ عبادت مقصود نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۱)

**ومنها أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المرضىٰ وتشييع الجنائز والوضوء والاغتسال و دخول المسجد الخ** . (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ٤/ ٢٢٨، كراچی ٥/ ٨٢، المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٨، الدر مع الرد زكريا ٥/ ٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۸/ ۱۴۲۷ھ

# امام ومؤذن کو کھانا دینا بہتر ہے یا اس کی رقم

**سوال** [۷۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مرادآباد شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ حادثہ سے نجات یا بیماری سے شفا پانے کے بعد عموماً بکرا ذبح کر کے یا سالم زندہ بکرا دینے کو اور کبھی پکا کر گھر بلا کر کھانا کھلانے کو ہی تمام دیگر طریقوں پر ترجیح دی جاتی ہے، حالانکہ کبھی کبھی ضرورتمندوں کو دیگر اشیاء کی، گوشت خوری سے بھی شدید ضرورت ہوتی ہے یا مسجد میں کام ہو رہا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں سخت پریشانی ہوتی ہے مگر

جان کے بدلے میں جان کے تصور سے صرف بکرا ذبح کرنے یا زندہ دینے ہی کو ترجیح دی جاتی ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تمام طریقہائے صدقات میں کونسا طریقہ سب سے افضل ہے؟

(۲) ہر جمعرات کو مسجد کے مؤذن اور اماموں کے حجروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے جو ایک ڈھیر کی شکل اختیار کرجاتا ہے، اور وہ روٹیاں سکھا کر فروخت کردیتے ہیں، کیا روٹی کھانے کے بجائے مستحق امام یا مؤذن کو نقد دینا افضل ہے، یا کھانا ہی بھیجنا چاہیے یا اس قدر روپئے مسجد کے لیے بھیج دیں کہ بلب اور دیگر ضروریات حاصل ہو جائیں، دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے، اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

المستفتی: امیر احمد خاں، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر امام مسجد کے لیے کھانا متعین کرلیا گیا ہے تو مذکورہ صورت میں مسجد کے بلب وغیرہ کے لیے پیسہ دینے سے ذمہ داری ادا نہ ہوگی، بلکہ امام ومؤذن کو کھانا یا اس کی قیمت دینے سے ہی ذمہ داری ادا ہوسکتی ہے، اور اگر آپ نے اپنے اوپر امام ومؤذن دونوں کے لیے کسی چیز کھانا وغیرہ کی ذمہ داری نہیں لی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہے کھانا بھیج دیں یا اس کی قیمت ہدیہ کردیں یا اتنا پیسہ مسجد کو ضروریات کے لیے دیدیں اس میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

**المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف ما شاء.** (بیضاوی مکتبہ رشیدیہ ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۱)

## حرام کام پر مانی ہوئی منت کا پورا کرنا

**سوال** [۷۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر کوئی شخص حرام کام کرنے پر منت مانے تو وہ کام پورا ہوجانے سے منت ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ایسی صورت میں کفارۂ یمین ادا کرنا اس پر لازم ہے۔

**عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من نذرا نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا فی معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به.** (سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذر نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ۲/ ٤٧٢، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

**علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبی فعلي نذر فهو كما لو علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر لأنه إذا عری عن النية فهو يمين و إن نوی شيئا بعينه فهو علی ما نوی و لا يحنث نفسه فی المباح .** (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فی النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، و علی هامش الهندية ٤/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۰)

# کام ہونے پر صدقہ کرنے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منت ماننے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر میرے عزیز کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو بکرا کٹوادوں گا، اسی طرح کاروباری معاملات کرتے ہیں کسی شخص نے کوئی کاروبار شروع کیا اور اس نے شروع میں ہی صدقہ کردیا کہ اللہ برکت عطا فرمائیں، کاروبار میں اتار چڑھاؤ تو

آتے ہی رہتے ہیں، وہ کسی کاروباری پریشانی میں گھر گیا، مثلاً اس کی رقم کسی خریدار نے روک لی، تو اس نے صدقہ شروع کردیا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس سے اس کی پریشانی دفع فرمادیں، اور ایک شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ منت مان لے کہ جب میری یہ رقم آجائے گی تو میں صدقہ کروں گا، امید ہے کہ مطلب واضح ہوگیا ہوگا۔

**المستفتی:** جاوید اقبال، واجد نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** یہ شکل درست ہے اور جب شفایاب ہوجائے یا رقم آجائے تو جو صدقہ متعین کرلیا تھا وہ واجب ہوجائے گا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ . [الحج: ٢٩]

**عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه.** (صحيح البخاری، الأيمان و النذور، باب النذر فی الطاعة، النسخة الهندية ٩٩١/٢، رقم: ٦٤٤٠، ف: ٦٦٩٦)

**ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء ...... بما سمی و إن علق النذر بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر.** (هدايه، كتاب الأيمان، باب ما يكون يمينا ومالايكون يمينا اشرفی ٤٨٣/٢، المبسوط للسرخسی دار الكتب العلمية بيروت ١٣٦/٨، الدر مع الرد، كرچی ٧٣٥/٣، زكريا ٥١٥/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣٠/١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۰/۲۳)

# قبروں پر دودھ چڑھانا

**سوال [۷۴۷۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دفن کے دوسرے یا تیسرے دن کے بعد عورتوں کا دودھ کا پیالہ لے جا کر قبر پر رکھنا کیسا ہے؟

**المستفتی:** محمد یعقوب بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قبروں پر دودھ یا غلہ یا شیرینی وغیرہ لے جا کر چڑھانے کا مقصد نذر لغیر اللہ ہوتی ہے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اور اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے، اس سے بچنا ضروری اور لازم ہے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۳۹۰)

**ومما يوخذ من الدراهم و الشمع والزيت وغيره تنقل إلى ضرائح الأولياء تقربا إليهم فحرام بإجماع المسلمين، و أما النذر الذى ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب (إلى قوله) فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق.** (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى النذر، زكريا ٢/٥٢٠-٥٢١، كوئٹه ٢/٢٩٨، وهكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند ٦٩٣، الدر مع الرد كراچى ٢/٤٣٩، زكريا ٣/٤٢٧، هنديه زكريا قديم ١/٢١٦، جديد ١/٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۶۵)

# نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہو؟

**سوال [۷۴۷۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، اس نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

**المستفتی:** بشیر احمد بنگلوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** نذر کے بکرے کی عمر بھی ایک سال ہونا شرط

ہے، کیونکہ نذر کے جانور میں وہی تمام شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۶۵، میرٹھ ۲۶/ ۳۵۳، دارالعلوم ۱۲/ ۱۰۴)

**ولو أوجب على نفسه بدنة ...... ولو أوجب جزورا فعليه الإبل خاصة ولا يجوز فيهما إلا ما يجوز في الأضاحي وهى الثني من الإبل والبقر والجذع من الضأن إذا كان ضخما.** (بدائع الصنائع، كتاب النذر، شروط النذر زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچى ٥/ ٨٥-٨٦)

**ولو قال لله على هدي يجب عليه ما يجزئ في الأضحية من الضأن والمعز والإبل أو البقر.** (تفسير مظهرى، سورة الحج، زكريا ٦/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۰)

# نذر کے جانور کی عمر

**سوال** [۷۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کرنے کی صورت میں جانور کی عمر متعین ہے کہ کتنے دنوں کا ہو؟

المستفتی: محمد مظفر عالم کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت میں نذر کے جانور کو صدقہ کا جانور کہا جاتا ہے اور اس جانور میں قربانی کے شرائط کا ہونا لازم ہے، لہٰذا اگر بڑا جانور رہے تو مکمل دو سال ہوکر تیسرے سال میں داخل ہوگیا ہو، جیسے کٹرا وغیرہ اور اگر چھوٹا جانور رہے تو ایک سال مکمل ہوکر دوسرے سال میں داخل ہوگیا ہو جیسے بکرا وغیرہ۔

**ولا يؤخذ في الصدقة إلا ما يجوز في الأضحية.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب فى السوائم، زكريا ٢/ ١٣٠، كراچى ٢/ ٣٢)

**ولا يجوز فيهما إلا ما يجوز في الأضاحي وهو الثني من الإبل والبقر**

**والجذع من الضأن إذا كان ضخما.** (بدائع الصنائع، كتاب النذر، شروط النذر، زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچی ٥/ ٨٥-٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۳۹)

# بکرے کی نذر مانی تھی لیکن غلطی سے بکری خریدی گئی

**سوال** [۷۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میراں فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے واسطے ایک بکرا صدقہ کروں گا، پھر وہ کام ہوگیا، وہ آدمی بازار سے صدقہ کی نیت سے بکرا خرید کر لایا، لیکن اتفاق سے دیکھا کہ وہ بکرا نہیں بلکہ بکری ہے، تو مذکورہ صورت میں بکرا ہی صدقہ کرنا ہے؟ اگر خریدے ہوئے جانور کو صدقہ کردے تو کیا منت کی ادائیگی سے بری نہیں ہوگا؟ جواب جو بھی ہو صریح جزئیہ کی نشاندہی کر کے احسان فرمائیں؟

**المستفتی:** مولانا عبد الجلیل خادم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بکرے کی جگہ بکری کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے بالقصد بکری لایا ہو یا بے خبری میں بکری آگئی ہو۔ (مستفاد: از کفایت المفتی ملتان ۲/ ۲۰۹)

**ولو قال لله على أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز.** (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فى النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، وعلى هامش الهندية ٤/ ٢٧١، هنديه زكريا قديم ٢/ ٦٦، جديد ٢/ ٧٣، مجمع الأنهر، مصرى قديم ١/ ٥٤٨، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

# اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا

**سوال** [۷۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر زید نے کہا کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں کوئی ایک بکرا نیاز (ذبح) کروں گا تو ایک بکرا ذبح کرنا نذر معین کہلائیگا یا غیر معین؟

**المستفتیه:** عبدالرزاق ابراہیمی شمس العلوم، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید کا یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہوجانے پر ایک بکرا نیاز میں ذبح کروں گا، تو زید کی یہ نذر نذر غیر معین ہے زید پر بکرا ذبح کرنا لازم نہیں ہے، اگر بکرا کے بدلے اس کی قیمت یا قیمت کے برابر کوئی چیز صدقہ کردے تو بھی کافی ہو جائیگا۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۳)

**قال لله عليَّ أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز.** (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤٠، البحر الرائق زكريا ديوبند ٤/ ٤٩٩، كوئٹه ٤/ ٢٩٦، فتح القدير دار الفكر مصرى ٥/ ٩٢، كوئٹه ٤/ ٣٧٥ زكريا ديوبند ٥/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۷۵۹۰/۳۶) | ۱۴۲۳/۴/۱۱ھ |

# مرض سے شفایابی پر بکرے کی نذر مانی لیکن شفایاب نہیں ہوا، تو کیا کرے

**سوال** [۷۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک بکرا خریدا اور یہ نذر مانی کہ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو اس بکرے کو صدقہ کروں گا پھر اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس بکرے کا کیا حکم ہے؟

**المستفتی:** لیاقت حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** جب ٹھیک ہونے کے بعد بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے اور ٹھیک نہیں ہوا اور وفات پا گیا تو شرعاً مذکورہ بکرا صدقہ کرنا واجب نہیں رہا بلکہ ورثاء اس کو میراث میں تقسیم کر سکتے ہیں، ہاں البتہ بطور ایصال ثواب کے اس بکرے کی قیمت کو غرباء کے درمیان تقسیم کر دیں تو ان شاء اللہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

**فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي يوفي وجوبا إن وجد الشرط.** (الدر المختار، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٥٢١، كراچی ٣/٧٣٨، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ٦٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۹۶)

# اولاد کی خوشی میں بکرے اللہ کے نام قربان کرنے کی منت ماننا

**سوال** [۸۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ماں اپنی اولاد کی خوشی میں منت مانے یا اس کی حفاظت جان کی وجہ سے، کہ میں سات بکرے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گی ایسی حالت میں جب کہ وہ اتنی استطاعت نہ رکھتی ہو تو کیا وہ قطسوں میں ادا کر سکتی ہے، بکرے ہی ذبح کرنے ہیں یا بکری اور اس کی قیمت مال کی شکل میں صدقہ کر سکتی ہے؟ اور اس کی عمر یعنی جانور دونتا یا اونہ ہونا چاہیے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** اس ماں نے اپنی اولاد کی خوشی میں یا حفاظت جان کی خوشی میں سات بکرے قربانی کرنے کی منت مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت کے ذریعہ خوشی کا موقعہ عنایت کیا اور جان کی حفاظت فرمائی ہے تو ایسی صورت میں سات بکرے قربانی کرنا

لازم ہے، البتہ ایک ساتھ سات کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قسطوں میں کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا جیسے جیسے استطاعت ہو ویسے ویسے ایک ایک دودو بکرے فقراء میں تقسیم کردے، اسی طریقے سے جتنے دنوں میں گنجائش ہوا تنے دنوں میں سات بکرے مکمل کرسکتی ہے۔

**عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف علی ملة غير الإسلام فهو كما قال، وليس على ابن آدم نذر فيما لايملك.** (صحيح البخاری، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/٨٩٣، رقم: ٥٨١٢، ف: ٦٠٤٧)

**لو التزم بالنذر أكثر مما يملكه لزمه ما يملك هو المختار.** (الهندية كتاب الأيمان، الباب الثانی زكريا قديم ٢/٦٥، جديد ٢/٧١)

**ونذر أن يتصدق بألف من ماله وهو يملك دونها لزمه ما يملك منها.**
(الدر المختار مع الشامی، زكريا ٥/٥٢٥، كراچی ٣/٧٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ١٢رمحرم الحرام ١٤٢٥ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٢٠٠) | ١٤٢٥/١/١٢ھ |

# کیا اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کی قربانی کرسکتے ہیں؟

**سوال** [٦٤٧٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے کوئی بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر رکھ چھوڑا کوئی قربانی یا صدقہ وغیرہ میں ذبح کرنے کی نیت نہیں کی صرف مقصد اتنا تھا کہ اللہ کے نام پر اس کو ذبح کروں گا، تو کیا ایسا جانور قربانی یا صدقۂ واجبہ مثلاً نذر ونیاز وغیرہ کی تکمیل میں ذبح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: یوسف علی بجنوری، خادم مدرسہ فیض القرآن نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب کوئی جانور بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر چھوڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی تو اب یہ جانور مستقل طور پر نذر کا

ہوگیا، ایسا جانور قربانی یا صدقہٴ واجبہ نذر و نیاز کی تکمیل میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا جانور فقراء کا حق بن جاتا ہے، لہٰذا اسے ذبح کرکے فقراء کو کھلانا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ٢/ ٢٠٨، مطول زکریا دیوبند ٩/ ١٥١، رقم المسئلۃ: ٣٧٠٥)

﴿ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ۔ [الحج: ٢٩] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ر محرم الحرام ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٤١٢)

# اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات

**سوال** [٧٤٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا، مرغا اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر ذبح کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اور ایسا شخص مؤمن ہے کہ نہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کا ذبیحہ کھانا اس کو زکوٰۃ دینا اس سے شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شبیر احمد رائے پورہ، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر بکرا مرغا ذبح کرنا انتہائی فعل شنیع ہے، ایسی نذر باطل ہوتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسا شخص بدعتی اور فاسق ہے، ایسے بدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فاسق مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے، اور فاسق مسلمان اگر مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

**وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أو له حاجة ضرورية فيأتي بعض الصلحاء فيجعل ستره على رأسه فيقول يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب (إلى قوله) فهٰذا النذر باطل بالإجماع.**

(البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، کراچی ۲/ ۲۹۸، زکریا ۲/ ۵۲۰)

**ویکره إمامة عبد و أعرابی و فاسق.** (شامی، کراچی ۱/ ۶۱۱، زکریا ۲/ ۲۹۹)

**فإن ذبح کل مسلم و کل کتابی حلال (إلی) برا کان أو فاجرا.** (الفقه فی الفتاویٰ، من یجوز ذبحه ۱/ ۲۲۸)

**ولایجوز صرفها لأهل البدع و تحته فی الشامیة: فالمراد هنا بالبدع المکفرات.** (شامی زکریا ۳/ ۳۰۴، کراچی ۲/ ۳۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۷؍ ۱۴۳۱ھ

## بیماری سے شفایاب ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

**سوال** [۷۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان میں سے کوئی بیمار ہو تو زید نے منت مانی کہ اگر ان کو اس بیماری سے شفایابی ہو جائے تو میں فلاں بزرگ کے مزار میں بکرا ذبح کروں گا، بعدہ ان کو شفایابی ہو گئی، اور وہ شخص اپنی منت کو پورا کرنے کے واسطے متعین شدہ مزار میں جا کر بکرا ذبح کر کے اپنی منت کو پورا کرتا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، اگر جواز کی صورت ہے تو اس گوشت کو کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے، فقراء میں یا صاحب نصاب بھی ان میں داخل ہے؟

المستفتی: محمد صدیق اللہ مدناپوری مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زید نے فلاں بزرگ کے مزار میں ذبح کرنے کی جو منت مانی ہے اس سے مقصود اگر صاحب مزار بزرگ کا تقرب ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی بلکہ اس طرح کی نذر ماننا معصیت اور حرام ہے، اور اگر ذبح سے مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق ہو تو یہ نذر صحیح ہے کسی بھی جگہ بکرا ذبح کر کے غرباء میں گوشت تقسیم کر سکتے ہیں، اس بزرگ کی مزار میں جا کر ذبح کرنا بدعت اور بدعقیدگی ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

**واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقربا إلیهم فهو بالإجماع باطل و حرام.** (در مختار مع رد المحتار کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹، البحر الرائق کوئٹه ۲/۲۹۸، زکریا ۲/۵۲۱، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیو بند ۶۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۷ھ

# دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا

**سوال** [۷۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض کو جنگل جھاڑ میں جا کر آنے کے بعد بخار و بیماری لگ جاتی ہے پھر وہ یا اس کے متعلقین اس کے شفایاب ہونے پر دیوی کے نام سے یا فلاں مزار کے فلاں پیر کے نام سے مرغا اور مینڈھا اور بکرے کی منت مانتے ہیں اور اس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ ہی کا نام لیتے ہیں اور پھر اس کو خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں تو ایسا جانور کھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا ناجائز اور حرام ہے، اور موجب کفر بھی ہوسکتا ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ واستغفار لازم ہے، البتہ اگر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کر دیا جائے تو مالک اور غیر مالک سب کے لیے کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/ ۳۱۸، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۵۹، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۸۹، جدید زکریا ۴۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۹۵)

# صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟

**سوال** [۷۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے بچے کی پیدائش پر ایک سال کے بعد یہ ارادہ کیا تھا کہ ہر سال اس کی پیدائش کی تاریخ پر یا کچھ آگے پیچھے ایک بکرا صدقہ کر دیا کروں گا، لڑکا ماشاء اللہ اکیس سال کا ہوگیا، اس بار وہ کہتا ہے کہ صدقہ بکرے کا نہیں کرنا چاہیے، ویسے ہی پیسے دیدینا چاہیے، جبکہ ہمارا دل اس بات کو نہیں مان رہا ہے کہ جس چیز کا صدقہ ہم نے بول رکھا ہے اس سے ہٹ کر کیا جائے؟

المستفتی: ضیاء الحق اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسئولہ صورت میں آپ کو اختیار ہے، خواہ آپ بعینہٖ بکرے کو صدقہ کریں، یا اس کی قیمت صدقہ کریں، اس کی وجہ سے نذر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بہتر یہ ہے کہ بجائے بکرے کے بکرے کی قیمت صدقہ کر دیں اس لیے کہ اس سے فقیروں کی ضرورت زیادہ پوری ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸)

**بخلاف النذر بالتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة.** (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، زکریا ۳/ ۲۱۱)

**بخلاف النذر بالتصدق بأن نذر أن يتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة.**

(حاشية على حلبي على تبيين الحقائق، کتاب الزکاة فصل فی الغنم، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۷۱، زکریا ۲/ ۵۹، البحر الرائق، کوئٹہ ۲/ ۲۲۱، زکریا ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۳ھ

# نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا

**سوال** [۷۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی ہے اگر میں بیماری سے شفایاب ہوگیا تو بکرا صدقہ کروں گا اب زید شفایاب ہوگیا تو اب سوال یہ ہے کہ بکرے کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت سے بھی نذر پوری کی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: بکرے کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، اس کی قیمت سے بھی نذر کا پورا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۱)

**رجل قال إن نجوت من هذا االغم الذى أنا فيه فعلي أن أتصدق بعشرة دراهم فاشترى بعشرة دراهم خبزا فتصدق بعين الخبز أو ثمن الخبز يجزيه.** (التاتارخانية، الأيمان، الفصل السادى والعشرون فى النذور ٦/٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠، هنديه زكريا قديم ٢/٦٦، جديد ٢/٧٢، قاضيخان زكريا جديد ١/١٦٥، وعلى هامش الهندية ١/٢٦٩)

**نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه.** (شامى زكريا ٥/٥٢٥، كراچى ٣/٧٤١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٢٧٦، مصرى قديم ١/٥٤٨)

**ولو نذر أن يتصدق بخبز كذا فتصدق بقيمة جاز.** (تفسير مظهرى، مكتبه زكريا ٦/٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۱)

# کیا بکرا صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟

**سوال** [۷۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو ایک مخصوص مقدار میں غرباء پر بکرے صدقہ کروں گا، زید کی نذر پوری ہو جاتی ہے، تو کیا بکروں کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ان کی قیمت بھی فقراء پر صدقہ کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: راشد حسین امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب زید کا کام پورا ہو گیا تو اس پر نذر پوری کرنا واجب ہے، اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ جو مخصوص مقدار اس کی نیت میں تھی اس مقدار کے زندہ بکرے صدقہ کردے یا اس مقدار کے برابر قربانی کے شرائط کے مطابق اتنی تعداد کے بکرے خرید کر ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کردے، یا اتنے پیسے کا بازار سے گوشت خرید کر صدقہ کردے، یا اتنے پیسے غریبوں میں تقسیم کردے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۱، احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۳)

**عن خوات بن صالح بن خوات بن جبير عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوىٰ شيئا من الخير، فف لله بما وعدته.** (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/٢٠٥، رقم: ٤١٤٨)

**نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه.** (در مختار، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير زكريا ديوبند ٥/٥٢٥، كراچی ٣/٧٤١، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٩٨، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ١/٢٧١، زكريا ٢/٦٠، هنديه زكريا قديم ٢/٦٦، جديد ٢/٧٢، تاتارخانية كوئٹه ٥/٤٢، زكريا ٦/٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۴۳)

# نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا

**سوال** [۷۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کی نیت سے زید نے جانور ذبح کرکے مدرسہ کے بچوں کو کھلانے کے لیے مدرسہ کے ذمہ دار کے پاس رقم دی (جانور کی قیمت) تو کیا یہ رقم مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کی جاسکتی ہے، یا جانور ہی ذبح کرکے گوشت کھلانا ہوگا، کیونکہ ایسے جانور ذبح کرنے کے لیے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بطور صدقہ جانور ذبح کردیجیے، اس لیے یہ سوال حاضر خدمت ہے؟

المستفتی: ریاض الدین خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جانور ہی ذبح کرکے کھلانا ضروری نہیں بلکہ بازار سے گوشت خرید کر اور کھانے پینے کے دوسرے سامان خرید کر کسی بھی طرح کے کھانے کی شکل میں طلبہ پر خرچ کردیا جائے تو بھی جائز ہے، لیکن مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کرنا درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۲۲)

**النذر لا یختص بزمان و مکان و درهم و فقیر فلو نذر التصدق یوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان، فخالف جاز.** (شامی زکریا ۵/۵۲۴، کراچی ۳/۷۴۰، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۶۹۶)

**وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان و الدرهم و الفقير لأن التعليق إنما أثر في انعقاد السببية.** (شامی زکریا ۵/۵۲۴، کراچی ۳/۷۴۱)

**وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني.** (شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲ھ

# نذر کے جانور کا مصرف

**سوال** [۷۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کی بیٹی کی منگنی ہوئی اور شادی کی بات چیت مکمل ہوگئی اس پر انہوں نے مدرسہ میں دو بکرے بھیجے کہ ان بکروں کو بھیج رہا ہوں قبول فرمالیں، اور دعا کرادیں کہ شادی وغیرہ بھی خیریت سے ہوجائے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان بکروں کو مدرسہ کے جلسہ میں مہمانوں کی ضیافت کے لیے ذبح کرایا جاسکتا ہے، یا طلبہ ہی کے لیے پکوایا جائے جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شکیل احمد ڈھکہ اوجھاری امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جو دو بکرے مدرسہ میں بھیجے وہ اگر بیٹی کی منگنی کی خوشی میں بھیج رہا ہے تو مدرسہ میں سب کے لیے کھانا جائز ہے، لہٰذا مدرس کے کھانے، مہمان کی ضیافت اور طلبہ کے کھانے وغیرہ میں شامل کرنا جائز ہے، اور اگر مذکورہ صاحب نے پہلے سے نذر مان رکھی تھی کہ اگر بیٹی کا رشتہ ہوجائے تو مدرسہ میں دو بکرے دوں گا، تو ایسی صورت میں یہ دونوں بکرے نذر کے ہوں گے، صرف طلبہ ہی کھاسکتے ہیں، ضیافت وغیرہ میں استعمال نہیں ہوسکتے۔

**فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وفي الفتاویٰ العتابية: و كذٰلک يجوز النفل للغني.** (تاتارخانية، كتاب الزكوٰة، الفصل الثامن فيمن توضع فيه الزكاة، كراچى ٢/ ٢٧٥، زكريا ٣/ ٢١٤، رقم: ٤١٥٥)

**مصرف الزكاة والعشر: هو فقير وهو من له أدنى شيئ (در مختار) وفي الشامي: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة.** (شامي كراچى ٢/ ٣٣٩، زكريا ٣/ ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

# صدقۂ نافلہ اور نذر معین وغیر معین کے بکرے کا مصرف

**سوال** [۷۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جولوگ صدقۂ نافلہ اور نذر معین اور غیر معین میں بکرا، دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں اسی طرح جو یونہی نیاز وغیرہ کے نام پر کھانا کھلاتے ہیں کیا ان اصناف سے صدقہ کرنے والا اور منت ماننے والا خود اور اپنے اہل وعیال اور صاحب نصاب خویش واقارب، دوست واحباب کو کھلا سکتا ہے، یا تمام گوشت کا مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے، دلائل کتب فقہ سے نوازیں۔

المستفتی: یوسف علی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جو جانور صدقۂ نافلہ میں ذبح کیا گیا ہو اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اہل وعیال اور صاحب نصاب دوست واحباب وغیرہ کو بھی کھلا سکتا ہے، کیونکہ یہ ان کے لیے ہبہ کے درجے میں ہوگا۔

**وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجري مجرى الهبة.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، زكريا ۲/۱۵۷، كراچی ۲/۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۳۳۲، شامی كراچی، ۶/۳۲۷، زكريا ۹/۴۷۳، البحر الرائق كوئٹه ۲/۲۴۵، زكريا ۲/۴۲۷)

نذر معین وغیر معین اور نیاز نیز صدقات واجبہ میں ذبح ہونے والے جانور کا گوشت نہ ناذر کھا سکتا ہے اور نہ اہل وعیال اور مالدار دوست واحباب کو کھلا سکتا ہے، یہ صرف مساکین فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳)

**أخرج البخاري تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذٰلك.** (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

**إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر منها ولو أكل فعليه قيمة ما أكل أو مثله**

**فی الأجناس** . (تاتارخانیة کراچی ۲/ ۳۱۷، زکریا ۳/ ۲۶۶ رقم: ۴۳۲۵)

**هذا فی الأضحیة الواجبة و السنة سواء إذا لم تکن واجبة بالنذر و إن وجبت به فلایأکل منها شیئا و لا یطعم غنیا سواء کان الناذر غنیا أو فقیرا لأن سبیلها التصدق** . (شامی زکریا ۹/ ۴۷۳، کراچی ۶/ ۳۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۲)

## نذر کا بکرا کون کھا سکتا ہے؟

**سوال** [۷۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نے ایک استفتاء ارسال کیا تھا جس میں بکرا صدقہ کرنے کا ذکر تھا، اس استفتاء کا نمبر ۲/ ۴۶۰۶ ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ سوالنامہ کا جواب صحیح ہے، نذر کا بکرا صرف غرباء کھا سکتے ہیں نہ خود کھا سکتے ہیں، نہ مالدار، میں نے یہ سوال کیا تھا کہ مذکورہ جواب کافی و مکمل ہے یا نہیں؟ اس کی تشنگی باقی ہے، مزید غور فرما کر اس کی سیرابی فرما دیں۔

المستفتی: محمد انوار الحق امروہہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: آپ نے سوالنامہ نمبر ۴۶۰۶ میں سالم بکرا کا بھی سوال کیا ہے، جی ہاں، سالم بکرا بھی دیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ والے ذبح کر کے طلبہ کو کھلا دیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مکان ہی پر ذبح کر کے طلبہ کی دعوت کر دی جائے مگر طعام میں خود شریک نہیں ہو سکتے۔

**أخرج البخاری تعلیقا عن ابن عمر: لایؤکل من جزاء الصید و النذر ویؤکل مما سوی ذٰلک**. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

**عن عطاء قال: ما کان من جزاء صید أو نسک أو نذر للمساکین**

**فإنه لايأكل منه، عن سعيد بن جبير قال: لا يؤكل من النذر، ولا من الكفارة، ولا مما جعل للمساكين، عن الحكم قال: قال علي: لا يؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مماجعل للمساكين.** (المصنف لابن أبى شيبة، الحج، فى هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن جديد ١٤٦/٨ رقم: ١٣٣٦٣ - ١٣٣٦٥ - ١٣٣٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۸۹)

# کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟

**سوال** [۷۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنے کام پورا ہونے پر اللہ سے مانی ہوئی منت کا کھانا تقسیم کرتا ہے تو وہ کھانا کیا صرف غریبوں کو ہی تقسیم کیا جا سکتا ہے یا اس میں کچھ اپنے مالدار رشتہ داروں کو بھی تقسیم کردے تو اس میں شرعی طور سے کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبداللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** نذر کا کھانا صرف غریب لوگ کھا سکتے ہیں اور خود نذر ماننے والے اور مالدر کے لیے کھانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۰۳)

**عن الحكم قال: قال علي: لايؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مما جعل للمساكين.** (المصنف لأبن أبى شيبة، الحج، فى هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن ١٤٦/٨، رقم: ١٣٣٦٦)

**ناذر لمعينة ولو فقيرا ولو ذبحها تصدق بلحمها (إلى قوله) ولا يأكل الناذر منها فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل وتحته فى الشامية: الأنسب**

**أن يقال و لو غنيا** . (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، کراچی ۶/ ۳۲۰، زکریا ۹/ ۶۳-۴۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۶)

# کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟

**سوال** [۷۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمل کے دوران میری بیوی کی طبیعت خراب چل رہی تھی تب میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اس وقت میرے پاس انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرسکا، اس وجہ سے آج کردیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ یہ گوشت صرف غریبوں میں تقسیم ہوگا یا کسی عزیز کے یہاں بھی بھیج سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد تعارف محلہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اگر آپ نے بیوی کے حمل کے زمانے میں نیت کے ساتھ زبان سے بیوی یا اور کسی کے سامنے یا تنہائی میں کہا بھی ہے تو یہ شرعاً نذر ہے اس میں جانور کے اندر قربانی کے جانور کی شرطیں بھی لازم ہیں، اور اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ ہی کوئی دوسرا مالدار۔

**عن خوات بن صالح بن خوات بن جبير عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبی ﷺ فلما برأت قال: صح جسمک يا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوىٰ شيئا من الخير، فف لله بما وعدته.** (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۲۰۵، رقم: ۴۱۴۸)

**أخرج البخاری تعلیقا عن ابن عمر: لایؤکل من جزاء الصید والنذر ویؤکل مما سوی ذٰلک.** (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

**ولایجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی.** (بدائع الصنائع زکریا ۴/۲۳۳، کراچی ۵/۸۵)

**ولو قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة (إلی) إلا إذا زاد و أتصدق بلحمها فیلزمه.** (الدر مع الرد کراچی ۳/۷۳۹، ۷۴۰، زکریا ۵/۵۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۶۸)

## منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا

**سوال** [۷۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جمعہ کے دن لوگ مسجد میں شرینی پہنچاتے ہیں کوئی تو منت کی شیرینی دیتا ہے تو کوئی خوشی میں بھیجتا ہے، پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد وہ شیرینی تمام لوگوں اور بچوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا کہ مسجد میں شیرینی منت وغیرہ کی پہنچانا کیسا ہے؟ اس شیرینی کے کھانے کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

المستفتی: ابوالمعید قاسمی نعمت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد میں منت وغیرہ کی شیرینی لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر شیرینی نذر ومنت کی ہے تو اس کے مستحق فقراء ومساکین ہیں، اغنیاء کو دینا درست نہیں، کیونکہ نذر واجب التصدق ہے جو فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۱۳۴)

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ. [التوبة: ۶۰]﴾

**مصرف الزكاة و هو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذور.**

(شامی زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

لیکن مسجد میں اس کا امتیاز کون کرسکتا ہے، اس لیے مالدار لوگ ہرگز نہ کھائیں اور نہ ہی مسجد میں بھیجنے کی رسم جاری رکھیں، بلکہ نذر و منت کی شیرینی بجائے مسجد کے غریبوں کے گھروں میں پہنچانے کی کوشش کریں۔

**عن عطاء قال: ما كان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين فإنه لا يأكل منه.** (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، في هدى الكفارة و جزاء الصيد مؤسسة علوم القرآن جديد ۸/ ۱٤٦ رقم: ۱۳۳٦۳، ۱۳۳٦٥، ۱۳۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

# غرباء میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا

**سوال** [۷۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرا میں نے قربانی کے لیے لیا تھا جو کہ عید الاضحیٰ پر قربانی کے لائق نہیں ہوا، میں نے دوسرا بکرا لاکر قربانی کردی، اس پہلے بکرے کے لیے میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس کو غریبوں میں تقسیم کردوں گا اب اس کا گوشت اپنے استعمال میں لائیں یا سارا غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔

**المستفتی:** زاہد حسین شیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** پہلے بکرے جس کے بارے میں غریبوں میں تقسیم کرنے کی صرف نیت کی ہے اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خود کھانا اور غریبوں اور مالداروں میں تقسیم کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ صرف دل سے نیت کرنے سے نذر مکمل نہیں ہوتی ہے نذر کے لیے زبان سے تلفظ کرنا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۹، فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۱۹)

**النذر لاتكفى فى إيجابه النية بل لا بد من التلفظ به.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۸۹)

**فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه.** (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٢٦ دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۹)

## ناذر کے اہل خانہ کا نذر شدہ بکرے کا گوشت کھانا

**سوال** [۷۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ماں نے زید کے بچپن ہی میں جب زید کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو یہ منت مانی تھی کہ اگر زید کی طبیعت صحیح ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا قربانی کروں گی، اب زید کی طبیعت صحیح ہوگئی ہے اور زید کی ماں اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک بکرا قربانی کررہی ہے، لہٰذا زید کے گھر والوں کے لیے اور زید کے خاندان والوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اس بکرے کا گوشت کھانا کیسا ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا کیسا ہے؟

المستفتی: افتخار احمد ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** اس بکرے کا گوشت فقراء ومساکین کا حق ہے انہیں کو کھلانا لازم ہے، زید یا اس کے خاندان والوں ورشتہ داروں کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۴۷)

**إذا نذر ذبح شاة لايأكل الناذر.** (الفتاویٰ التاتارخانية كراچی ۲/ ۳۱۷، زكريا ديوبند ۳/ ۲٦٦ رقم: ٤٣٢٥)

**عن عطاء قال: لايؤكل من جزاء الصيد و لا مما يجعل للمساكين من**

**النذر و غير ذٰلک، ولا من الفدية، ويؤكل مما سوىٰ ذٰلک.** (إعلاء السنن، الحج، باب يستحب الأكل من لحوم الهدايا الخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۷ ۵۱، رقم: ۳۰۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۵)

## بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی نا جائز

**سوال** [۷۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیماری سے شفایابی کے لیے بکرا ذبح کرنا کیسا ہے؟ تا کہ جان کا بدلہ جان ہو اس کا گوشت فقیروں کے لیے کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** بیماری سے شفایابی کے لیے جان کا بدلہ جان یا دفع مصائب سمجھ کر جانور ذبح کرنا نا جائز اور حرام ہے، فقیروں کو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ میتۃ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۹، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۷)

**ذبح لقدوم الأمير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله.** (شامی، کتاب الذبائح، زكريا ۹/ ۴۴۹، کراچی ۶/ ۳۰۹)

**والذبح قديكون للأكل فيكون مباحا أو مندوبا أو للأضحية فيكون عبادة أو لقدوم أمير فيكون حراما وتحته فى الحموى فتكون الذبيحة ميتة.** (الأشباه مع الحموى، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها ۱/ ۱۱۰، مکتبه زكريا) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۱۹ كتاب الحدود

## ۱ باب القصاص والدية

### مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟

**سوال** [۷۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسلم نے ایک شخص مسلم کو بلا کسی جرم کے قتل کیا ہے اب اس کی معافی کی کیا صورت ہے؟

(۲) اسی طرح ایک مسلم نے ایک شخص مسلم کو جبکہ وہ اس کو تنگ کرتا تھا قتل کر دیا ہے، اس کی معافی کی کیا صورت ہے تا کہ آخرت کی پکڑ سے بچ جائے۔

المستفتی: محمد اشرف قاسمی مدرس عربی کالج بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** (۱-۲) عمداً قتل کرنے والے اگر اپنے آپ کو اولیاء مقتول کے سپرد کر دیں اور اولیاء مقتول معاف کر دیں تو دنیا میں وہ بری ہو گیا، البتہ آخرت کے لیے خداوند قدوس سے توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ مقتول کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو ممکن ہے کہ آخرت کے مؤاخذہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

**عن أبي سعيد الخدري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كان فيمن قبلكم رجل قتل تسعة و تسعين نفسا الخ.** (صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل و إن كثر توبته، النسخة الهندية ۲/ ۳۵۹، بيت الأفكار رقم: ۲۷۶۶)

**اعلم أن توبة القاتل لاتكون بالاستغفار و الندامة بل يتوقف على إرضاء أولياء المقتول ...... فإن عفوا عنه كفته التوبة وقدمنا أنفا أنه بالعفو عنه يبرأ في الدنيا الخ.** (شامی، کتاب الجنايات، قبيل باب القود فيما دون النفس، كراچی ٦/٥٤٩ زکریا ١٠/١٩٥، الفقه الاسلامی و أدلته، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٦/١٦٨، دار الفكر ٧/٥٥٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ ؍جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۵)

## ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلوا کر پھینکنے والی عورت کا حکم

**سوال** [۷۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی بیوی نے بغیر شوہر کی اجازت کے ساڑھے سات ماہ کے حمل سے زندہ بچہ نکلوا کر زندہ بچہ پھینک دیا ہو اور وہ بچہ مر گیا ہو اور اس فعل میں کچھ اور لوگ شریک ہوں اور شوہر کو ۶/۵ ؍دن بعد اس فعل قبیح کا پتہ چلا ہو تو ایسی صورت میں بیوی اور شریک لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسی بیوی کو نکاح میں رکھنا کیسا ہے؟ جبکہ اس کا شوہر اس کے اس فعل کی وجہ سے بیحد پریشان اور ناراض ہے؟

المستفتی: محمد ناصر دولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق**: ایسی عورت اور اس کام میں شریک ہونے والے قتل کے گناہ کے مرتکب ہیں اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان پر دیت لازم ہوجاتی یہ سب لوگ گناہ عظیم کے مرتکب ہیں۔

**لايخفى أنها تأثم إثم القتل لو استبان خلقه و مات بفعلها.** (شامی، کتاب الديات، قبيل باب ما يحدثه الرجل في الطريق وغيره، زكريا ١٠/٢٥٥، كراچی ٦/٥٩١)

نیز دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا واجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے نادم ہوکر توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

**وكفارتهما أى الخطأ وشبه العمد عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام شهرين ولاءً.** (در مختار کراچی ٦/ ٥٧٤، زکریا دیوبند ١٠/ ٢٣١-٢٣٢)

ایسی عورت شرعاً فاسقہ ہے، شوہر کی مرضی ہے چاہے اس کو رکھے اور چاہے طلاق دے کر الگ کردے، اور اس کو طلاق دے کر الگ کر دینا شوہر پر لازم نہیں ہے۔

**ولايجب على الزوج تطليق الفاجرة.** (در مختار کراچی ٢/ ٤٢٧، زکریا دیوبند ٩/ ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

## زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے

**سوال** [۷۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی ہندہ شادی سے قبل ناجائز تعلقات کی بنا پر دو لڑکوں کی ماں بن چکی تھی، شادی کے ایک ماہ بعد ساری تفصیلات زید کے گھر والوں کو معلوم ہوئیں جس کی شہادت ہندہ نے اپنی زبانی چار گواہوں کی موجودگی میں دی، اس کے بعد زید نے اپنی اس بیوی ہندہ کو چاقو مار کر قتل کر دیا تو کیا ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟ ہوا تو کفارہ کیا ہے؟ البتہ ان دونوں بچوں کو ہندہ دواؤں کے ذریعے اسقاط کرا چکی تھی، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مزمل حسین، شولاپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جی ہاں ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ ہوگا کیونکہ زنا کا ثبوت ہونے کے بعد بھی شوہر یا کسی اور شخص کو قتل یا حد شرعی کا اختیار نہیں ہوتا ہے، حدود

شرعی صرف حاکم مسلم ہی جاری کرسکتا ہے، نیز دار الاسلام ہونا بھی شرط ہے، اور ہندوستان دار الاسلام نہیں ہے، اس لیے یہاں کسی کو حدود شرعی قائم کرنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا شوہر سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگیا، اس کو توبہ واستغفار کرکے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنا لازم ہے، نیز بیوی کے لیے مغفرت کی دعا کرنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۹۸)

**عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: لا تقام الحدود في دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو، عن حكيم بن عمير أن عمر رضي الله كتب إلى عمير بن سعد الأنصاري و إلى عماله أن لايقيموا حدا على أحد من المسلمين في أرض الحرب.** (السنن الكبرىٰ للبيهقي، السير باب من زعم لا تقام الحدود في أرض الحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥ رقم: ١٨٧٣٤-١٨٧٣٥)

**ولا حد بالزنا في دار الحرب.** (الدر المختار، كتاب الحدود، مطلب الزنا شرعا لا يختص بما يوجب الحد بل أعم، كراچي ٤/ ٥ زكريا ديوبند ٦/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۶)

# زانی وزانیہ کی سزا

**سوال** [۷۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا غیر شادی شدہ ایک شادی شدہ عورت کو لے کر چلا گیا جبکہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اب چند ماہ کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے یہاں آگئی ہے تو دیافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت اور اس لڑکے کو جو اس عورت کو لے کر گیا تھا کیا سزا دی جائے، خطرہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کے اوپر قدم نہ بڑھایا گیا تو معاشرہ خراب ہوجائیگا؟

المستفتی: سلیم الدین قاسمی مولویان، سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** غیر شادی شدہ لڑکے کا شادی شدہ عورت کو بھگا

کرلیجانے کی صورت میں ان کے لیے حدود شرعی ہیں، اور حدود شرعی قائم کرنے کے لیے حکومت اسلامی کا ہونا ضروری ہے چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں اس لیے ان دونوں پر حد جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ بستی کے مسلمان پنچایت کریں اور مناسب سزا کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس سے سزا مرتب کرنے والوں پر کسی قسم کا ایکشن نہ ہو، وہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسے معاملہ میں لڑکے سے زیادہ عورت کو سزا دینی چاہیے، اس میں عورت کی حرکت زیادہ ہے، جبکہ اس کا شوہر اور بچے موجود ہیں، سب کو چھوڑ کر کیوں گئی، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت کو سزائے موت ہوتی اور لڑکے کو سو کوڑے لگائے جاتے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۵۱۵)

**أن رجلا من الأعراب جاء إلى النبي ﷺ وهو جالس فقال يا رسول الله اقض بيننا بكتاب الله فقام خصمه فقال صدق اقض لنا يارسول الله بكتاب الله إن ابنى كان عسيفا على هذا فزنىٰ بامرأته فاخبرونى أن على ابنى الرجم فافتديت بمأة من الغنم و وليدة ثم سألت أهل العلم فزعموا أن على ابنى جلد مأة و تغريب عام فقال والذى نفسى بيده لأقضين بينكما بكتاب الله أما الغنم والوليدة فرد عليك و على ابنك جلد مأة و تغريب عام و أما أنت يا أنيس فاغد على امرأة هذا فارجمها فغدا أنيس فرجمنها.**

(بخارى شريف، كتاب المحاربين، باب من أمر غير الإمام بإقامة الحد غائبا عنه، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۱۰، رقم: ۶۵۷۵، ف: ۶۸۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

# لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت

**سوال** [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ زید پر الزام لگاتی ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، ہندہ نے پنچان کو

جمع کیا، پنچان نے ہندہ سے پوچھ تاچھ کی ہندہ نے اقرار کیا مگر زید انکار کرتا ہے، پنچان نے گواہ طلب کیا ہندہ سے تو ایک گواہ عورت کو لایا گیا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے، زید کے انکار پر پنچان نے ایک مولوی صاحب کو بلایا، مولوی نے فرمایا کہ زید زنا کا انکار کرتا ہے اس لیے میں زید کو کلما کی قسم کھلاؤں گا۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ کے اقرار پر زنا کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانے کے متعلق فقہاء نے کچھ تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وکیل بن ماسٹر حسن احمد ضلع سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ہندہ جو زید پر الزام لگا رہی ہے اور زید اس کا انکار کر رہا ہے تو ایسی صورت میں محض کسی عورت کا کسی مرد کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کو داغدار کرنا چاہتی ہے، اس لیے کہ زنا کے ثبوت کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور اس عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں، اس لیے زید کے خلاف کوئی شرعی حکم لاگو نہ ہوگا، اور نہ ہی زید کو کلما کی قسم کھلانے پر مجبور کرنا درست ہوگا۔

﴿لَوْلَا جَآئُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ. [النور: ۱۳]﴾

**عن عمرو بن شعيب قال: قال رسول الله ﷺ قضى الله ورسوله أن لا تقبل شهادة ثلاث، ولا اثنين ولا واحد على الزنا.** (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب قوله ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا، المجلس العلمی ۷/۳۸۷، رقم: ۱۳۵۷۱)

**إن شهد على الزنا أقل من أربعة بأن شهد واحد أو اثنان أو ثلاثة لا تقبل الشهادة.** (عالمگیری، کتاب الحدود، الباب الخامس فی الشهادة على الزنا، زکریا قدیم ۲/۱۵۱، جدید ۲/۱۶۵)

**وإن أقرت بالزنا بفلان فكذبها فلا حد عليها أيضا.** (شامی زكريا ديوبند ٦/ ١١، كراچی ٤/ ٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۰۳)

# غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا

**سوال** [۷۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے، اور یہ چند بھائی ہیں زید گھر سے دور ملازمت کرتا ہے اور زید کا ایک چھوٹا بھائی بھی شادی شدہ ہے، اچانک زید کی اہلیہ پر زید کے چھوٹے بھائی نے جو شادی شدہ ہے رات کی تنہائی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنہ منہ کالا کرنا چاہا، اولاً تو زید کی اہلیہ کو نیند تھی زید کے بھائی کی شرارت کی بنیاد پر فعل سے قبل آنکھ کھل گئی، جب اس نے اس صورت حال کو دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئی اور حتی الامکان وہ بچنے کی کوشش بھی کرتی رہی، بقول زید کی اہلیہ کے، لیکن بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ شور مچا دیتی چونکہ گھر میں والدین بھی نہیں تھے، اور نہ لڑکے کی اپنی اہلیہ تھی، گھر میں لڑکا اور اس کی بھابھی اور اس سے چھوٹے بھائی بہن جن میں ایک دو کی عمر تقریباً دس اور تیرہ سال کے درمیان تھی، لیکن وہ بہت گہری نیند میں سو رہے تھے، شور نہ کرنے کی وجہ بقول زید کی اہلیہ کے کہ شور کرنے کی صورت میں اپنی عزت اور گھر خاندان کی بدنامی اور اختلاف شدید ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے اس صورت حال کے پیش نظر مجبور ہوگئی، دوسری وجہ یہ کہ لڑکے اور لڑکی کے والدین شریف اور اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، گھر اور خاندان کی بے عزتی کے ڈر سے شور کرنے سے مجبور ہوگئی اور زید کے بھائی نے اس مجبوری سے فائدہ اٹھا لیا، اس غلط فعل کے ہونے سے پہلے آپس میں حجت بھی ہوئی، پھر بھی بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا، زید کا بھائی اس فعل سے قبل اپنی بھابھی کو طرح طرح کا لالچ بھی دیتا رہا کہ آئندہ تمہاری ہر ضروریات پوری کرتا رہوں گا، کسی طرح کی کوئی پریشانی بھی نہ ہونے دوں گا، پھر بھی وہ کسی طرح

راضی نہیں ہوئی، اس کے بعد زید کے بھائی نے بزوروز بردستی اپنی بھابھی کے ساتھ منہ کالا کرلیا، لڑکی کا ماضی اور حال کسی بھی زمانے میں محرم اور غیر محرم سے اس قسم کا کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ ہے، بقول لڑکی کے بحوالہ قسم کافی دن گذر جانے کے بعد شوہر کو اہلیہ کے ذریعہ ہی یہ بات معلوم ہوئی تو شوہر اس صورت حال سے بہت پریشان ہے کہ آخر کیا کرے، چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ چھوڑنے کی صورت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوسکتا ہے، اور آپس میں دونوں خاندانوں کا ٹکراؤ ہوسکتا ہے اس لیے وہ حالات سے مجبور ہے، اور فی الحال یہ حرکت بھی پوشیدہ ہے، ظاہر ہونے کی صورت میں امکان ہے کہ آپس میں شدید اختلاف ہوجائے اور فتنہ کا ذریعہ بن جائے، فی الحال شوہر والدین اور بھائی وغیرہ کے ساتھ رہتا ہے، شوہر اس فعل کی وجہ سے بھائی وغیرہ کے ساتھ رہنے میں عار محسوس کررہا ہے، وقتی طور پر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ وہ بذات خود گھر والوں سے الگ ہوجائے، گھر کے افراد میں سے ظاہری طور پر ان دونوں بھائی اور اہلیہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے اور شوہر بھی اس بات کو محدود رکھے ہوئے ہے حتی کہ چھوٹے بھائی کو بھی علم نہیں کہ بڑے بھائی کو اس بات کا علم ہوگیا ہے، شوہر اس صورت حال سے شش و پنج میں مبتلاء ہے کہ کیا کرے، شرعی اعتبار سے اس کے متعلق کیا حکم ہوسکتا ہے، مجرم اس مسئلہ میں فاعل اور مفعول دونوں ہیں یا صرف فاعل ہے، مجرم اور غیر مجرم دونوں کے لیے شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل کی بے اطمینانی دور ہوجائے، نیز بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے اس صورت حال کی وجہ سے شریعت کے اعتبار سے کتنا اور کس طرح کا تعلق رکھ سکتا ہے؟ اور کیا لڑکی کے معاف کرنے سے شرعی عقوبات ختم ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

لڑکی اس غلط فعل کا بدلہ لڑکے کو قتل کرکے یا کروا کر لینا چاہے تو شرعی اعتبار سے درست ہے، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا اس جرم کا بدلہ ہوگا یا بدلے کی کوئی دوسری صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ شہید نگر غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب بھابھی اور دیور کے درمیان اس طرح کا

فعل شنیع اور بدکاری عمل میں آئی ہے، اور دونوں شادی شدہ ہیں تو اگر اسلامی حکومت ہوتی تو سنگسار کا حکم ہوتا ،لیکن ہمارے یہاں اسلامی حکومت نہیں، حدود وقصاص نافذ نہیں ہو سکتے، اس لیے اللہ سے سچی توبہ کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں، اور بھابھی اور دیور کے درمیان دوری کے اسباب پیدا کرنا ضروری ہے، دونوں کا گھر الگ الگ ہونا چاہیے، اور اس فعل بد کی وجہ سے بھابھی کا نکاح جو اپنے شوہر کے ساتھ قائم ہے اس میں کوئی فرق نہیں آئیگا ، ہاں البتہ ان دونوں کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور سچے دل سے توبہ کر لینا چاہیے اور منہ کالا کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کی جو بات کہی گئی ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

**عن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال: لا تقام الحدود فى دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو.** (السنن الكبرىٰ للبيهقى، السير، باب من زعم لا تقام الحدود فى دارالحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥، رقم: ١٨٧٣٤)

**الحد خالص حق الله تعالىٰ فلايستوفيه إلا نائبه وهو الإمام.** (فتح القدير، كتاب الحدود، فصل فى كيفية إقامة الحد، دار الفكر مصرى قديم ٥/ ٢٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٤، كوئٹه ٥/ ٢٢)

**رجل شرب الخمر و زنى ثم تاب ولم يحد فى الدنيا هل يحد له فى الآخرة؟ (وقوله) فإذا تاب توبة نصوحا أرجو أن لايحد فى الآخرة.** (شامى زكريا ٦/ ٤، كراچى ٤/ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۵۰) | ۱۴۲۶/۳/۱۰ھ |

## زنا کا کفارہ کیا ہے؟

**سوال** [۷۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی سالی سے زنا کا مرتکب ہو کر سالوں سے بیمار چل رہا ہے،

اور بہت زیادہ روتا ہے، اگر اس کا کوئی کفارہ ہو تو وہ بھی بتا دیجئے، ہماری دینی بہن کا شوہر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زنا کا کفارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حد اور کوڑا لگانا ہے لیکن اس کے لیے مسلم حاکم شرط ہے، اور ہندوستان میں حدود وقصاص کا جاری کرنا بادشاہ اور حاکم اسلام نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اس لیے مذکورہ شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے، شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۸۰)

**عن حکیم بن عمیر أن عمر رضی الله کتب إلی عمیر بن سعد الأنصاری و إلی عماله أن لایقیموا حدا علی أحد من المسلمین في أرض الحرب، حتی یخرجوا إلی أرض المصالحة.** (السنن الکبریٰ للبیهقی، السیر، باب من زعم لا تقام الحدود فی أرض الحرب دار الفکر ۱۳/ ۴۱۵، رقم: ۱۷۸۳۵)

**لا حد بالزنا في الحرب والبغی الخ.** (الدر المختار مع الشامی، کتاب الحدود، مطلب: الزنا شرعا لا یختص بما یوجب الحد بل أعم کراچی ۴/ ۵، زکریا دیوبند ۶/ ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۵۹)

# بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی

**سوال** [۷۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو شخص غیر کے ساتھ برہنہ ہمبستر ہوتے دیکھ لیا، تو اب یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال رہی؟ جب کہ وہ یہ حرکت دو چار مرتبہ اور بھی اسی شخص کے ساتھ کر چکی ہے، لیکن اب وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتی ہے، اور اپنے کیے پر نادم ہے، شوہر نے معاف کر دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت اپنے شوہر کی نکاح میں رہی؟ کیا شوہر کو

جملہ خدمات کرنے کا حق حاصل ہے؟ کیا عدت اور نکاح ثانی وغیرہ کی ضرورت ہے؟

(نوٹ) اس عورت کے اپنے شوہر سے آٹھ ماہ تا چودہ سال کی عمر کے پانچ بچے بھی ہیں، اور اس وقت بھی وہ قریب تین ماہ کے حمل سے ہے، جب کہ شخص غیر سے تعلق جڑے دو ماہ گذرے ہیں اس دلیل کی بنا پر عورت کا کہنا ہے کہ یہ حمل شوہر ہی سے ہے، براہ کرم جواب با صواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس فعل بد کی بناء پر عورت گناہ عظیم کی مرتکب ہے، سچی توبہ کرنا لازم ہے، اور پیٹ میں جو حمل ہے شرعی طور پر وہ شوہر ہی کا ہے، اور شوہر کا نکاح پہلے کی طرح بدستور باقی ہے، نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، اور جس منحوس مرد نے یہ حرکت کی ہے اس کے اور عورت کے درمیان سخت پابندی لگادی جائے، ہرگز ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھیں، اللہ کے عذاب سے ڈرو، خدا کا خوف کرو، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو پتھر سے مار مار کر جان سے ختم کردیا جاتا۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾. [الإسراء: ٣٢]

**قالت عائشة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر.**

(صحیح البخاری، المغازی، النسخة الهندیة ٢/٦١٦، رقم: ٤١٣٨، ف: ٤٣٠٤) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۶۸)

# کیا شراب کو بڑھاوا دینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟

**سوال [۷۵۰۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شراب یا نشہ آور اشیاء کے استعمال یا کاروبار پر جب کوئی آدمی اس کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہو تو کیا اس کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟ بحوالہ حدیث جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید معین نواز رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** شریعت میں شراب وغیرہ میں موت کی سزا نہیں ہے، اور جہاں دارالاسلام میں قرآن وحدیث کے احکام نافذ ہیں وہاں پر شراب پینے کا شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد ۸۰؍ کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شراب کی تجارت پر حکومت اپنی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی مجاز ہے۔

**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایحل دم امرء مسلم إلا رجل قتل فقتل أو رجل زنی بعد ما أحصن أو رجل ارتد بعد إسلامه.** (مصنف ابن أبی شیبة، الدیات، ما یحل به دم المسلم، مؤسة علوم القرآن ١٤/ ٢٩٧-٢٩٨، رقم: ٢٨٤٨١، سنن النسائی، المحاربة ما یحل به دم المسلم، النسخة الهندیة ٢/ ١٤٧، دار السلام رقم: ٤٠٢٣، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٠٥، رقم: ٢٦٢١٩)

**التعزیر لغة التأدیب مطلقا و شرعاً تأدیب دون الحد ...... والتعزیر مفوض إلی رأی الإمام.** (شامی زکریا ٦/ ١٠٣، کراچی ٤/ ٦٠)

**یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرة ...... بشهادة رجلین ...... أو یثبت بإقراره مرة صاحیا ثمانین سوطا للحر.** (شامی زکریا ٦/ ٧٣، کراچی ٤/ ٣٧)

**أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لم یقتل الشارب.** (بذل المجهود کتاب الحدود، باب إذا تتابع فی شرب الخمر دار البشائر الإسلامیة ١٢/ ٥٧٨، قدیم سهارنپور ٥/ ١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

# چیخ وپکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟

**سوال** [۷۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک سماجی ذمہ دار اور کارکن ہے، جس کے خاندان کے لوگ تین سو سال سے سماجی اور معاشرتی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں، زید مسجد اور محلّہ کے انتظام کا بھی ذمہ دار ہے، (جس کو ہمارے عرف میں مہتوں کہتے ہیں) زید اسی رمضان میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آیا، مسجد میں پہلے سے بکر اور دیگر مصلیان موجود تھے، بکر زید کو دیکھتے ہی چراغ پا ہوگیا اور زید سے الجھنے اور یہ الزام دینے لگا کہ تم نے ماموں اور بھانجے میں لڑائی کرادی ہے، یہ جملہ بار بار دہرا رہا تھا، اور زید کو مسلسل دھکیل رہا تھا، زید نے بکر سے کہا کہ میں روزے سے ہوں روزہ افطار کرنے کے بعد بات کر لینا، بکر ہارٹ کا پرانا مریض تھا اس لیے دیگر مصلیوں نے سمجھایا، لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھا، زید سنت ظہر پڑھنے لگا، بکر اصرار کے ساتھ یہ کہنے لگا کہ فیصلہ ابھی ہوگا، اور نماز ظہر بعد میں ہوگی، بکر زور زور سے کہنے لگا کہ نہیں فیصلہ ابھی ہوگا، نماز ظہر بعد میں، اس جملہ کو کہتے کہتے اس کو دل کا دورہ پڑا اور مسجد کے فرش پر گر گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی، واضح ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جانے لگی، اور تین رکعت ہوچکی تھیں رونا پیٹنا شروع ہوگیا، اہل خانہ بکر کی لاش گھر لے گئے، اور پھر پلٹ کر مسجد میں آکر ماں بہن کی گالی دینے لگے، اور طیش میں آکر یہ کہنے لگے کہ خون کا بدلہ خون سے لیا جائیگا نیز بکر کے انتقال کے تیسرے دن بعد نماز ظہر مسجد میں سب کو روک لیا گیا اور ایک شخص نے مائک سے یہ اعلان کیا کہ زید بکر کی موت کا ذمہ دار ہے، لہٰذا اس کو اب محلّہ کی ذمہ داری اور مہتو سے برطرف کیا جاتا ہے، جبکہ زید کے خاندان سے مہتو کی ذمہ داری تین سو سال سے چلی آرہی ہے، اور لوگوں نے باتفاق رائے زید کو مہتو منتخب کیا تھا اور یہی اہل محلّہ کا جمہوری نظام ہے، معلن نے محلّہ والوں سے کوئی رائے مشورہ نہ لیتے ہوئے اپنے دبدبے کا مظاہرہ کیا اور خود بنفس نفیس زید کو سماجی منصب سے ہٹانے کا اعلان کردیا۔

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ بکر کا یہ کہنا کہ فیصلہ ابھی ہوگا نماز بعد میں ہوگی، کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) زید بکر کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

(۳) کسی شخص کا مسجد میں ہنگامہ اور ماں بہن کی گالی دینا شرعاً درست ہے؟

(۴) زید کو بکر کی موت کا ملزم مانتے ہوئے اور بغیر عوامی رائے مشورہ کے از خود کسی کا یہ اعلان کر دینا کہ زید اب محلّہ کا مہتو نہیں رہے گا، صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر سوال اپنی جگہ واقع کے مطابق صحیح اور درست ہے اور سائل کا بیان سچا ہے تو ایسی صورت میں از خود جذباتی انداز سے چیخ و پکار کے ساتھ دورے کا شکار ہو کر موت واقع ہوئی ہے لہٰذا ایسی صورت میں شخص مذکور کی موت میں زید کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں رہا بلکہ بکر اپنی موت مرا ہے، اور یہ موت موت فجأت کے قبیل سے ہے، لہٰذا زید پر الزام بے جا اور بے موقع ہے، اور بکر کی موت کا سبب بنا کر زید کے بارے میں مسجد کی ذمہ داری سے برطرف کرنے کا اعلان کرنا زید کے اوپر زیادتی ہے، نیز اعلان کرنے والا مسجد کے ذمہ دار اور کمیٹی کی طرف سے اعلان کے لیے مقرر کردہ بھی نہیں ہے اس لیے اس اعلان کا بھی شرعی طور پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔

**موت الفجاءة البغتة ...... موت الفجأة وقوعه بغير سبب من مرض وغيره ...... وعن عائشة وابن مسعود موت الفجأة راحة للمومنين و أسف على الفاجر.** (فتح الباری کتاب الجنائز، باب موت الفجأة تحت رقم الحديث ۱۳۸۸، دار الريان للتراث القاهرة ۳/۲۹۹)

مسجد میں گالی گلوچ کرنا اور بازار کی طرح شور مچانا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف میں ہے۔

**عن عبد الله يعني ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ سيكون في**

**آخر الزمان قوم یکون حدیثهم فی مساجدهم لیس لله فیهم حاجة.** (صحیح ابن حبان ۳۰۸/۶، دار الفکر رقم: ۶۷۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۵۶/۴۱)

## کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟

**سوال** [۷۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہین جماعت اسلامی میں سے ہے جموں وکشمیر کی حکومت کا باغی ہے، مسلمانوں میں اپنے کو مجاہد ظاہر کرتا ہے، ۱۵؍ رمضان المبارک کو محمد شریف جو متقی مسلمان تھا، شاہین محمد شریف کو اس طریقہ پر قتل کرتا ہے کہ اول آگ سے جلایا پھر سر میں گولی مار کر قتل کر دیا، اور نعش کو تقریباً ۲۰۰؍ فٹ نیچے گرا دیا، بعد میں شاہین محمد شریف مقتول کو الزام لگاتا ہے کہ یہ اندرونی طور سے حکومت کا ساتھ دیتا تھا، بریں بنا تو واجب القتل تھا، اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا، بعد تحقیقات یہ تمام الزام غلط اور جھوٹ تھے، کیا محمد شریف واجب القتل تھا اگر نہیں تو کیا محمد شریف شہید ہے، محمد شریف کو روزہ کی حالت میں قتل کیا گیا، کیا محمد شریف پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، کیا مسلمان واجب القتل ہوتا ہے، اگر ہاں تو کب اور کون کریگا؟ کیا غیر اسلامی حکومت میں بھی؟ اور اوپر ذکر کیے ہوئے شاہین جماعت اسلامی کے ایسے فعل پر شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد الغنی، ڈوڈہ کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: کسی مسلمان کو صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہوتا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی بھی شکل میں قتل کرنا جائز نہیں ہے، (۱) اس نے جان بوجھ کر دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو قصاص میں حکومت اسلامی کے نظام کے تحت قتل کیا جا سکتا ہے۔ (۲) شادی شدہ مسلمان نے زنا کیا ہو اس کا شرعی طریقہ سے ثبوت ہو چکا ہو۔

(۳) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو، ان کے بغیر کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

**عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف أن رسول الله ﷺ قال لا یحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث زنی بعد إحصان أو ارتداد بعد إسلام أو قتل نفس بغیر حق فقتل به.** (سنن الترمذی، باب ما جاء لا یحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث، النسخة الهندیة ۳۸/۲، دار السلام رقم: ۲۱۵۸)

**عن عبد الله قال: قام فینا رسول الله ﷺ فقال: والذی لا إله غیره، لا یحل دم رجل مسلم یشهد أن لا إله إلا الله، وأنی رسول الله إلا ثلاثة نفر، التارک الإسلام، المفارق للجماعة أو الجماعة (شک فیه أحمد) والثیب الزانی، والنفس بالنفس.** (صحیح مسلم، کتاب القسامة، باب ما یباح به دم المسلم، النسخة الهندیة ۵۹/۲، بیت الأفکار رقم: ۱۶۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ

## حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونے کا معاہدہ ہو

**سوال [۷۵۰۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی سے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کسی قسم کا ایسا نقصان ہو جس کی وجہ سے دیت دینے کی نوبت آوے یا جان کے بدلے جان دینے کی نوبت آوے تو اس کا ذمہ دار آپ خود ہوں گے، میں نہیں ہوں گا، تو اس صورت میں اس قسم کا حادثہ پیش آجاوے تو گاڑی کا مالک ذمہ دار ہوگا یا زید؟ نیز زید گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور ان تمام صورتوں کی بناء پر ٹریفک چلانا جائز ہوگا کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی کے

ساتھ جوشرط طے کی تھی وہ شرط باطل ہے، اس لیے دیت کا ذمہ دار صاحب گاڑی نہیں ہوگا بلکہ زید کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

**والإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع الخ.** (الجوهرة النيرة كتاب الإجارة كوئٹه ۱/ ۳۲۳، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۳۱۳، قدوری ص: ۱۰۲، هنديه زكريا قديم ٤/ ٤٤٢، جديد ٤/ ٤٧٨)

**إذا اجتمع المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۳۷)

نیز زید گنہگار بھی ہوگا اس لیے اللہ سے توبہ واستغفار کر لینا لازم ہے، ٹریفک چلانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۸۲)

## ایکسیڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے؟ اور دیت کی مقدار؟

**سوال** [۷۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید خوب تیزی کے ساتھ بس چلا رہا تھا، کہ اچانک ایک سائیکل والا سامنے آگیا، زید نے بس روکنے کی کوشش کی لیکن بس نہ رکی، کیونکہ گاڑی جب تیزی میں ہوتی ہے تو فوراً نہیں رکتی ہے، اور سائیکل والے کا ایکسیڈینٹ ہوگیا اور وہ مرگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر دیت لازم ہے یا جان کے بدلہ جان، اور ڈرائیور قاتل میں شمار ہوگا کہ نہیں؟ اور اگر دیت لازم ہوگی تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد زکریا سرائے ترین مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق:** ایسی صورت میں زید پر دیت واجب ہے، جان

کے بدلے جان نہیں ہے۔

اور دیت کی شرعی مقدار نقدی دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور تولہ کے وزن سے دو ہزار چھ سو چپیس تولہ چاندی ہوتی ہے، یا سو اونٹ یا ایک ہزار بکریاں ہیں۔

نیز مرحوم کے ورثاء کو کسی خاص قسم کی رقم پر راضی کر کے بطور صلح کے معاملہ ختم کر لینا بھی جائز ہے۔

**لو أن دابتين لو استقبلتا و اصطدمتا فعطبت إحداهما ولكل واحد منهما سائق فضمان التي عطبت على الآخر.** (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الجنایات، فصل فی القتل الذی یوجب الدیة، جدید زکریا ۳/ ۳۲٤، علی هامش الهندية ۳/ ٤٤٤)

**لأن الدية مجهولة فإنها من الدراهم عشرة آلاف ومن الدنانير ألف دينار ومن الإبل مأة ومن الغنم ألف شاة.** (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلح، قبیل باب الصلح عن العقار و عما یتعلق به، جدید زکریا ۳/ ٥٩، علی هامش الهندية ۳/ ٩٨، وهكذا فی الهداية اشرفی دیوبند ۳/ ٥٦٨)

**والصلح جائز عن دعوى الأموال ...... ويصح عن جناية العمد والخطاء.** (هدایه اشرفی دیوبند ۳/ ۲۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۴/۲۶ھ

# حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا

**سوال [۷۵۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کی کسی حادثہ میں سرکاری یا پرائیویٹ نوکری کے دوران موت واقع ہو جانے پر سرکار کی طرف سے دیا جانے والا معاوضہ یا امداد اس کے بیوی بچوں کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یا کوئی شخص کسی ایکسیڈینٹ یا حادثہ کا شکار ہو کر صرف زخمی ہو جائے تو اس حالت

میں اس کے علاج کے لیے سرکاری پیسہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئولہ صورت میں حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم حادثہ میں مرنے والوں کے لیے یا زخمیوں کے لیے ایک قسم کا تعاون ہے جس کا لینا بلا تردد جائز اور درست ہے، اور مذکورہ رقم مرنے والے کے تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۴۲ تا ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۷۹)

## حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم

**سوال [۷۵۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان فساد میں مرجائے یا اور کسی حادثہ میں مرجائے تو اس کے گھر والوں یا اس کے بیوی بچوں کو معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نبی کے زمانے میں ایسا ہوا ہو تو اس کو بھی ذکر کریں؟

المستفتی: راحت جان قریشی پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** فسادات کے درمیان افراتفری کے دوران جب کسی کو ماردیا جائے اور حکومت ان کو معاوضہ دینا چاہے تو وارثین کے لیے یہ معاوضہ لینا جائز ہے، حدیث شریف میں اس قسم کے واقعات موجود ہیں، غزوۂ احد میں افراتفری کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں سے حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان شہید ہوگئے، اس پر حضور ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے دیت ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن حضرت حذیفہ نے معاف فرمادیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیت کے لیے پیشکش کرنا جواز کی دلیل ہے۔

**وأما حسيل بن جابر (وهو اليمان والد حذيفة بن اليمان) فاختلفت عليه أسياف المسلمين وهم لايعرفونه فقتلوه فقال حذيفة أبی أبی فقالوا: والله ما عرفناه و صدقوا فقال حذيفة يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين، فأراد رسول الله ﷺ أن يديه فتصدق حذيفة بديته على المسلمين فزاده ذلك عند رسول الله ﷺ خيرا.** (أسد الغابة، دار الفكر ۱/۴۹۳، الروف الأنف ۶/۱۱)

**عن محمود بن لبيد قال: اختلفت سيوف المسلمين على اليمان أبی حذيفة يوم أحد و لايعرفونه فقتلوه فأراد رسول الله ﷺ أن يديه، فتصدق حذيفة بديته على المسلمين.** (مسند أحمد بن حنبل ۵/۴۲۹، رقم: ۲۴۰۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۲/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۷ھ

## حکومت سے ملنے والی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟

**سوال** [۷۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ڈرائیور تھا، گاڑی چلاتے ہوئے زید کا ایکسیڈینٹ ہوگیا اور ایکسیڈینٹ میں ہی انتقال ہوگیا، زید نے ماں باپ اور تنہا ایک بیوی کو حیات چھوڑا، زید کے ماں باپ اور بیوی نے زید کے ایکسیڈینٹ کے ذریعہ موت واقع ہونے کی وجہ سے عدالت میں معاوضہ کا دعویٰ کردیا، اور تینوں کو مدعی بنا کر دعویٰ ہوا، ادھر زید کے انتقال کے بعد زید کے والدین کی لاپراہی کی بنیاد پر زید کی بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور وہیں رہتے ہوئے دعوے کی دیکھ ریکھ کی، اور جج نے معاوضہ منظور کر کے تینوں کو برابر کا تین تہائی حصہ دار بنا کر فیصلہ دیدیا، لیکن زید کی بیوی حاملہ تھی، اس لیے کچھ لوگوں کی غیرت دلانے پر زید کے ماں باپ اس کی بیوی کو اپنے گھر لے آئے، اتفاق سے دو روز بعد ہی زید کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی پانچ منٹ کے بعد مرگیا، اور پانچ گھنٹوں کے بعد زید کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا،

حضور والا سے درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ معاوضہ تین تہائی تینوں کے نام برابر ہے، زید کے ماں باپ نے تو اپنے نام کا معاوضہ نکال لیا ہے، اور زید کی بیوی کے نام کا نہیں نکلا ہے، جبکہ زید کی بیوی کے انتقال کو تقریباً بیس روز ہو چکے ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس معاوضہ کے حقدار جو اہلیہ کے نام پر ہے زید کے ماں باپ ہیں یا زید کی بیوی کے ماں باپ حقدار ہیں؟

المستفتی: مہدی حسن امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حکومت نے جو امدادی رقم زید کی بیوی کے نام سے دی ہے وہ زید کی بیوی کے والدین کا حق ہے، زید کے والدین کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۰/۵۲۴، جدید زکریا ۱۰/۲۹۱، فتاویٰ نظامیہ ۱/ ۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۷/۲۴ھ

# مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا

**سوال** [۷۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد شریف ولد ابن حسن ساکن محلہ اصالتپورہ متصل نائیوں والی مسجد کا قتل تقریباً ۱۰ ر سال قبل محلہ اصالتپورہ کے پڑوسی اکرم ولد عبد شیخ ساکن مرادآباد نے نامعلوم وجہ کے ساتھ کر دیا، جس کا مقدمہ چل رہا ہے، قاتلوں نے جج حضرات کو خریدنے کی ناکام کوشش کی مگر اللہ کے فضل سے ناکام رہے، اس مورچے پر ہارنے کے بعد قاتلوں نے میرے ماموں، خالاؤں اور عزیزوں پر اللہ واسطے معافی کی دہائی دے کر مطالبہ کیا کہ مقتول شریف کے اس قتل کے بدلے ہم لوگوں سے صدقہ جاریہ جیسا کوئی کام کرالیں جس کا اجر اس کو آخرت میں ملتا رہے اور قاتلوں کو اللہ واسطے معاف کر دیں یا پھر کوئی معاوضہ کی رقم لے

لیں، اس رائے سے اتفاق کرنے والوں میں میرے سگے ماموں باشرع حکمت اللہ بھی ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے معاملہ کا حل فرمادیں، میرے والد ابن حسن قتل کے وقت حیات تھے اوراب والدہ زندہ ہیں، نیز ذہن کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے، کیا وہ حشر میں ہم پر کوئی دعویٰ تو نہیں کریگا، اس دنیا میں معافی سے حشر میں قاتلوں کوتو معافی نہیں مل جائیگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم وارثان نے قانونی پیچیدگی سے لکھ کر معاف بھی کردیا پھر بھی ہم سب کا دل معاف نہیں کریگا، مقتول جوان تھا، غیر شادی شدہ ،تندرست وخوبصورت تھا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔

المستفتی: رئیس احمد ساکن اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مقتول کے ورثاء کے لیے شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کرکے قصاص کو معاف کردیں، اس لیے کہ قصاص اولیاء اور ورثاء کا ہی حق ہے، اور مال کی مقدار کوئی متعین نہیں ہے، بلکہ اولیاء کی مرضی ہے کہ وہ جتنے مال پر چاہیں صلح کرلیں، اور اس صلح کی وجہ سے مقتول کے اولیاء گنہگار نہیں ہوں گے، اور نہ ہی محشر میں مقتول اولیاء سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے مال لے کر معاف کیوں کیا، اور اس مال میں اولیاء کا پورا حق ہے، وہ چاہے اپنی ذات پر خرچ کریں یا مقتول کے لیے کار خیر میں خرچ کردیں اور اگر بعض ورثاء اپنے حصے اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہیں تو کسی کو ان پر دباؤ ڈالنے کا حق نہیں کہ وہ کار خیر میں خرچ کریں بلکہ جن کی مرضی کارِ خیر کی ہے وہ اس میں خرچ کریں اور جن کی مرضی ذات پر خرچ کرنے کی ہے وہ اس میں خرچ کریں، دوسروں کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿ **فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ.** [البقرة: ۱۷۸]﴾

**إذا اصطلح القاتل وأولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا (وقوله) لأنه حق ثابت للورثة يجري فيه الإسقاط عفوا فكذا تعويضا الخ.** (هدايه، كتاب الجنايات، فصل و إذا اصطلح القاتل اشرفى ۴/ ۵۷۱)

**ويسقط القصاص بصلحهم على مال و إن قل المال لأنه حقهم فيجوز تصرفهم فيه كيف شاؤا.** (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٢٦، مصری قدیم ٢/ ٦٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۰)

# بطور تاوان دی گئی رقم کا حکم

**سوال** [۷۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور بکر دونوں میں جھگڑا ہوا بکر کو کافی چوٹ آئی، جس کی وجہ سے زید نے بکر کے گھر والوں کو تین ہزار روپئے دیئے تاکہ وہ اپنا علاج کرے تو کیا بکر کو وہ روپئے لینے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کیا بکر بخوشی یہ رقم مسجد کو دے سکتا ہے اور مسجد اس رقم کو تصرف میں لا سکتی ہے یا نہیں؟

**المستفتی**: محمد طیب ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: زید نے بکر کے گھر والوں کو بطور تاوان جو تین ہزار روپیہ دیئے ہیں بکر کے لیے وہ روپئے لینے جائز ہیں اور وہ حلال ہیں، اس میں اسے ہر طرح کے تصرف کا حق ہے، اپنے علاج میں خرچ کرسکتا ہے، نیز مسجد میں بھی دے سکتا ہے۔

﴿**فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ**. [البقرة: ١٧٨]﴾

**ويسقط القصاص بصلحهم على مال و إن قل المال لأنه حقهم فيجوز تصرفهم فيه كيف شاؤا.** (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٢٦، مصری قدیم ٢/ ٦٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

# ۲ باب التعزیر

## غلط مسئلہ بتانے پر بطور تاوان دعوت کھانا

**سوال** [۷۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک عالم صاحب نے مسئلہ بتایا کہ قصائی سے بڑے میں دو حصہ خرید کر عقیقہ کر سکتے ہیں، بقیہ قصائی فروخت کرسکتا ہے، اس پر ایک شخص نے ایک بڑے جانور میں سے ۲؍حصہ گوشت لے لیا، اور پانچ حصہ قصائی کو دیدیا، قصائی نے فروخت کردیا، تو عقیقہ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو عقیقہ دوبارہ کرنا پڑیگا یا نہیں، اگر نہ کرے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۲) پھر جب فاضل دار العلوم عالم کو صحیح مسئلہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے رجوع کرلیا اب جب یہ بات نیتا قسم کے لوگوں کو معلوم ہوئی تو عالم صاحب کو شرمندہ کیا اور کہتے ہیں کہ تاوان کے طور پر مرغا کی دعوت کرو ورنہ بغاوت کریں گے، تو کیا عالم صاحب سے تاوان کے طور پر دعوت کھانا جائز ہے؟

(۳) اس جانور کی کھال کی قیمت ۸۶؍روپیہ مدرسہ میں دیدی تھی اور اب وہ یتیم بچوں پر صرف ہو چکے ہیں ان کی اس قیمت کو واپس کرنا پڑیگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل شریف نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: (۱) عقیقہ میں بڑے جانور کے ساتوں حصے قربت کے لیے ہونا لازم ہیں اگر ساتوں حصے قربت کے لیے نہیں ہیں ان میں سے کچھ محض گوشت خوری یا تجارت کے لیے ہوں تو ایسے جانور سے عقیقہ کا حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس سے عقیقہ کی سنیت ادا نہ ہوگی اگر عقیقہ کی سنیت ادا کرنا چاہے تو دوبارہ کرنا پڑیگا نیز عقیقہ کا مطلب اور اس کی

حقیقت دعوت کر کے کھلانا نہیں ہے بلکہ جانور ذبح کرنے سے عقیقہ کی سنیت ادا ہو جاتی ہے اور دوست واحباب کو صرف گوشت دینا کافی ہے، نیز اس سے رسم ورواج کی دعوتوں کا شرعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۵)

**ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القربة و اختلاف الجهات فيها لايضر .** (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه امداديه ملتان ٦/٨، زكريا ٦/٤٨٤)

**ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترک فيها جماعة جاز سواء أرادوا كلهم العقيقة أوأراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم كما فى الأضحية، قلت: مذهبنا فى الأضحية بطلانها بإرادة بعض اللحم فليكن كذٰلک في العقيقة.** (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٣٢، كراچى ١٧/ ١١٩)

اگر دوبارہ نہیں کریگا تو سنت کا عمل باقی رہ جائیگا، البتہ بہت بڑا گناہ نہ ہوگا، ترک سنت کی ملامت ہوگی۔

(۲) جب عالم صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کر کے سابقہ مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، آئندہ مسئلہ بتلانے میں احتیاط کرنا چاہیے اور نیتا لوگوں کا ان سے مرغ کی دعوت کا مطالبہ بے اصل ہے، نیز عوام کا علماء کی توہین کرنا اوران کا مذاق اڑانا سخت گناہ ہے، ان کو ایسی حرکتوں سے توبہ کرنا چاہیے۔

**لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى.** (هنديه، كتاب الحدود، فصل فى التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٣٧/ ٣٥٤)

**من أبغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ...... ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالما أو فقيها من غير سبب .** (هنديه، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ٢٧٠، جديد ٢/ ٢٨٢)

(۳) مدرسہ میں جو رقم دیدی ہے وہ پھر سے واپس نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

# طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا

**سوال** [۷۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں مقامی طلبہ پڑھتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ طلباء کرام اور ان سے بڑھ کر سرپرستگان کرام کی غفلت ولاپرواہی کے باعث آئے دن طلبہ غیر حاضر ہوجاتے ہیں، ہر طرح فہمائش ومناسب تنبیہ کی گئی اور کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر خاص کارگر نہیں ہو پارہی ہے، البتہ صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ جس کے اختیار کرنے کے بعد کافی سدھار کی امید وابستہ ہے، اور وہ یہ کہ ایسے طلبہ کے لیے بلا عذر شرعی غیر حاضری کی صورت میں بطور تنبیہ مدرسہ کی کچھ مالی اعانت کا مطالبہ ان پر رکھ دیا جائے اور اس کی رسید بھی دی جائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: محمد افہام احمد ایٹہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: طلبہ کی غیر حاضری پر مالی تاوان لینا جائز نہیں۔

**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (شامی زکریا ٦/ ١٠٦، کراچی ٤/ ٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤)

البتہ جواز کی شکل اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ رقم لینے کے بعد آخری سال میں اس رقم کو ضرور واپس کردیا جائے۔

**وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به**

**إمساك شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال.** (شامی کتاب الحدود، باب العزیر زکریا دیوبند ۱۰۶/۶، کراچی ۶۱/۴، حاشية الطحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۴۱۰-۴۱۱، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۴۱، زکریا دیوبند ۵/ ۶۸ هندیه قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید ۲/ ۱۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/ ۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۰ھ

# غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا

**سوال** [۷۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی جانب سے ہونے والی تعطیل مثلاً عید الاضحیٰ، امتحان ششماہی وغیرہ کے موقع پر وقت مقررہ پر اگر طالب علم مدرسہ حاضر نہ ہو سکے ایسی صورت میں ناظم مدرسہ یا مہتمم کا عذر معقول وغیر معقول سب کو ٹھکرا کر غیر حاضری پر طلبہ سے مثلاً پچاس روپیہ کا جرمانہ وصول کرنا یا ہفتوں اور مہینوں کا کھانا بند کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہاب الدین بستوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق:** وقت مقرر پر حاضر نہ ہونے والے طلبہ سے ناظم یا مہتمم مدرسہ کا مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۲۴، ۵/ ۱۷۳، ۱۲/ ۳۲۳، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۳۶، کفایت المفتی قدیم ۲/ ۱۶۵، جدید مطول ۹/ ۱۷۵، فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۲۵۲)

**لا يأخذ المال في المذهب.** (درمختار زکریا ۶/ ۱۰۵، کراچی ۴/ ۶۱)

**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (شامی زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی ۴/ ۶۱، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۴۱، زکریا ۵/ ۶۸، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷،

جديد ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٥٤)

البتہ تعزیراً طلبہ کا کھانا بند کردینا جائز ہے، کیونکہ کھانا بند کردینے میں ان سے کچھ جرمانہ نہیں لیا جاتا بلکہ منجانب مدرسہ جو امداد ملتی ہے اس پر روک لگائی جاتی ہے، یہ مالی جرمانہ کا ضابطہ شریعت سے ٹکراتا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔

**التعزير: من أسماء الأضداد يطلق على التفخيم والتعظيم وعلى التأديب.** (منحة الخالق كوئٹه ٥/ ٤٠، زكريا ٥/ ٦٧)

**لأن المقصود منه الزجر.** (البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

# مدارس واسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول

**سوال** [۷۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس واسکول میں دیر حاضری کی بناء پر طلبہ سے مالی جرمانہ لیا جاتا ہے جس کا نام اسکول والوں نے لیٹ فیس رکھا ہے، تو کیا اس طرح لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مدارس یا اسکول میں طلبہ سے دیر حاضری کی بنا پر لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زجر و توبیخ کے لیے ان پر ایک ماہ یا اس سے کم کی کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے وغیرہ کی اجرت مقرر کردی جائے تاکہ طلبہ دیر حاضری سے باز آجائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۳۶)

**عن علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢)

**لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (شامی کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال کراچی ٦١/٤، زکریا ١٠٦/٦)

**ومن جملة ذٰلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال، وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.** (البحر الرائق کوئٹه ٤١/٥، زکریا ٦٨/٥، هندیه کوئٹه ١٦٧/٢، هندیه اتحاد ١٨١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: )

## بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم

**سوال** [۷۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یا کوئی ادارہ یا محلّہ یا کوئی مدرسہ کسی کی غلطی سدھارنے کے لیے یا سزا کے طور پر بطور جرمانہ کسی سے کچھ پیسے وصول کرتا ہے تو کیا یہ پیسے وصول کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فرحان مقبرہ والی گلی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بطور سزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ، محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بطور سزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کرلی جائے اور سال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کردیا جائے تو اس طرح جائز اور درست ہے، تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑ جائے۔

**إن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شيئ من ماله عند مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.**

(شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ۱۰۶/۶، کراچی ۶۱/۴، هندیه زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲، البحر الرائق کوئٹه ۴۱/۵، زکریا ۶۸/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۶۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۲۶ھ

## شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا

**سوال** [۷۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ منکوحہ پانچ سال سے اپنے میکہ والدین کے گھر میں رہ رہی ہے، اپنے شوہر کے پاس نہیں آئی، ہندہ نے غیر شرعی لباس (ساڑی) نہ ملنے اور آزادانہ گھومنے پر پابندی وغیرہ کی وجہ سے شوہر سے نالاں ہوکر اپنے میکہ میں رہ کر شوہر پر دیوانی مقدمہ بھی تقریباً چار سال سے لگا رکھا ہے، یہی نہیں شوہر کو ستانے اور مزید پریشان کرنے کے لیے اس نے اپنے والدین کے کہنے پر اس عرصہ میں دور دراز مقامات پر دو مقدمات اور شرعی عدالتوں میں بھی دائر کیے ہیں جس سے کہ شوہر ہر سہ مقدمات سے کافی پریشان ہے، اور جو ظلماً اخراجات کرائے گئے اس سے زیر بار بھی ہوگیا، شوہر قانون شریعت کے مطابق اپنی منکوحہ کو اپنے پاس

رکھنا چاہتا ہے، مگر ہندہ مذکورہ زبردستی طلاق کی خواہاں ہے، یادرہے کہ تحریر ہذا لکھے جانے تک مقدمہ دیوانی کورٹ میں زیرسماعت ہے، جبکہ شرعی عدالتوں کے مقدمات ثبوت وشہادت کے بعد خارج ہوچکے ہیں، شرعی مقدمات کے سلسلے میں تقریباً آٹھ سو روپئے خرچ ہوئے ہیں، دیوانی کے اخراجات جو کئی ہزار روپئے ہیں، وہ الگ ہیں، ایسی صورت میں شوہر اپنے ان جائز اخراجات کے پانے کا حقدار ہے یانہیں؟ کیونکہ محض جسمانی اور مالی اذیتوں سے دوچار کرنے کے لیے بیک وقت دودوعدالتوں میں مقدمات قائم کیے، دوسری صورت میں اگر ہندہ ان اخراجات کوادانہیں کرتی ہے تو اس کے مہر جو۵۱ ۵/ ہیں اور شادی میں جو جہیز دیا گیا ہے جو۱۹۷۸ء سے اب تک برت کر کافی کو ہندہ نے ختم کر دیا ہے، نیز مندرجہ بالا اخراجات سے کافی کم ہے، نہ ادا کرے، تو شرعاً دینے کا حقدار تو نہیں ہے؟ یعنی آخری صورت میں شوہر کا قول یہ ہے کہ طلاق ہی چاہیے تو ہرسہ مقدمات کے اخراجات ہندہ ادا کرے بصورت دیگر اپنا مذکورہ مہر اور مذکورہ جہیز ختم کرے، یادرہے کہ ہندہ اس کے والدین کافی متمول اہل ثروت ہیں، جبکہ شوہر غریب ہے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ لوگ پریشان کرنے کے لیے ایسا کرتے رہتے ہیں، آپ شرعی اور اخلاقی حیثیت سے جواب عنایت فرمائیں کہ شوہر کا یہ مطالبہ جومبنی بر انصاف ہے کیا صحیح نہیں ہے؟ اور شوہر ایسے مطالبہ کرنے کا مجاز ہے یانہیں؟ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں گے کہ مزید ظلم وستم اور زیر باری سے نجات ہو؟

**المستفتی:** نظام الدین بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اخراجات مقدمہ میں شوہر فاعل مختار ہے، اس لیے بیوی پراس کا تاوان واجب نہیں ہوگا، البتہ دین مہر اور اخراجات مقدمہ کے برابر مال کی شرط پر طلاق دینا اور شوہر کے لیے مال وصول کر لینا جائز ہوسکتا ہے۔

**وإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال.** (هدایه، کتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی ۲/ ۴۰۵، قدوری ص: ۱۸۰، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۴۹۵، جدید ۱/ ۵۴۸)

بیوی جو مقدمات وغیرہ کے ذریعہ شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے، اس کا گناہ بیوی پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۶۹)

# ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل

**سوال** [۷۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ کے پتے میں پتھری تھی کئی مہینوں سے اس کا دہلی میں علاج چل رہا تھا، میں دہلی میں سروس کرتا ہوں رہنے والا رامپور اسٹیٹ کا ہوں، دہلی میں ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا کیونکہ یہاں پر خرچہ بہت زیادہ آرہا تھا، دوسرے گھر کے افراد رامپور میں رہتے ہیں، اس لیے سہولت کے تحت اور کم خرچہ کی وجہ سے میں نے آپریشن رامپور میں کروادیا، لیکن ٹانکے کٹنے کے بعد پیٹ میں بہت تکلیف رہنے لگی غرض کہ میرا اسپتال کے علاوہ بھی اچھا خاصہ خرچ ہوگیا یہ آپریشن میں نے پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں کروایا تھا، چنانچہ جب تکلیف حد سے زیادہ بڑھنے لگی اور ٹانکے بھی اپنے آپ پھٹنے لگے، اور بہت زیادہ پس (پیپ) نکلنے لگی تو میں اپنی اہلیہ کو دہلی لے آیا یہاں بھی اچھا خاصہ خرچ ٹیسٹ وغیرہ میں آیا کئی ہسپتالوں میں دکھایا سب نے یہی بتایا کہ آپریشن کے دوران ایک پٹی جس سے زخم صاف کیا تھا پیٹ ہی میں چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ رہی ہے، چنانچہ دہلی کے ایک ہسپتال میں دوبارہ آپریشن کرانا پڑا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ میرے تمام گھر والے اور ملنے جلنے والے یہ کہتے ہیں کہ اس ڈاکٹر سے جس نے پہلے آپریشن کیا تھا، اور جس کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی، جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا اور مزید پیسہ خرچ ہوا، اس ڈاکٹر سے کمپن سیشن لینا چاہئے، میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس ڈاکٹر سے پیسہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کتنا لینا جائز ہے، کیونکہ خرچہ کا کچھ اندازہ نہیں ہے اور ابھی اہلیہ

ہسپتال میں ہے، آگے نہ معلوم کتنا خرچہ ہو، جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اپنے خرچہ کا دگنا تگنا بھی لیا جاسکتا ہے، وہ اس لیے کہ آگے ڈاکٹر کو تنبیہ ہو سکے اور انسانی جان کی اہمیت کو جان سکے تو اس قدر کمپن سیشن جائز ہے یا نہیں؟ اور کس قدر ڈیمانڈ جائز ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر واقعی یہ بات ثابت ہو جائے کہ پہلے آپریشن میں ڈاکٹر کی لاپرواہی سے پیٹ ہی میں پٹی رہ گئی ہے اس کی وجہ سے دوسرے آپریشن کی نوبت آئی ہے تو ایسی صورت میں دوسرے آپریشن کے تمام اخراجات پہلے ڈاکٹر سے وصول کیے جاسکتے ہیں، اور جتنے اخراجات ہوئے ہیں اتنے ہی لے سکتے ہیں زیادہ لینا مناسب نہیں اور یہ واقعہ از قبیل جنایات ہے، اور جنایات میں اتنا ہی لینا جائز ہے جتنا نقصان ہوا ہے۔

**کما استفید من عبارة الهداية: ولو وضع حجرا فنحاه غيره عن موضعه فعطب به إنسان فالضمان على الذى نحاه.** (هدايه، كتاب الدية، باب ما يحدثه الرجل فى الطريق، اشرفى ٤/٦٠٣، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديوبند ٢/٢١٢، كوئٹه ٢/٢٢٢، تبيين الحقائق مكتبه امداديه ملتان ٦/١٤٥، زكريا ٧/٣٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۱۵/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۳ھ

## پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم

**سوال** [۷۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ کے درمیان ناجائز تعلق قائم ہوا جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا تو گاؤں والوں نے زید کو ہندہ سے شادی کرنے کو کہا لیکن زید نے شادی کرنے سے انکار کردیا، تو مجبوراً گاؤں والوں نے ایک پنچایت کی صورت میں زید سے سزا کے طور پر پچاس ہزار روپئے وصول کیے ہیں، لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان روپئے کا

مصرف کیا ہے؟ کیا ان روپیوں کو مسجد، مدرسہ یا دینی کتب خریدنے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا گاؤں کے رفاہی کاموں غریب بچیوں کی شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں زید سے گاؤں کی پنچایت نے جو پچاس ہزار روپئے بطور سزا و جرمانہ وصول کیے ہیں، شرعاً وصول کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس پیسے کو مسجد، مدرسہ یا گاؤں کی غریب بچیوں کی شادی میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ زید ہی کو واپس کر دینا لازم ہوگا اور زید کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اس گناہ عظیم سے سچی توبہ کرے، نیز زید کے لیے ہندہ کے ساتھ نکاح کر لینا بھی درست ہے۔

**قال في الدر: لابأخذ مال في المذهب، وتحته في الشامية: قال في الفتح: و عن أبي يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما و باقي الأئمة: لايجوز و مثله في المعراج، وظاهره أن ذٰلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه، و مثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان ...... وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (در مختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب التعزير، زكريا ديوبند ٦/١٠٥-١٠٦، كراچی ٤/٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۱۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

## پنچایت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

**سوال** [۷۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا زبیدہ کے ساتھ ازدواجی رشتہ طے ہوگیا اور منگنی بھی ہوگئی، لیکن اس کے بعد زید

نے زبیدہ کے کمزور کردار کی خبر سن کر (معلوم نہیں کہ خبر جھوٹی تھی یا سچی) رشتہ ختم کر دیا، اب اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے برادری کی پنچایت ہوئی، پنچایتی لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو خرچ ہوا ہے وہ اور اس کے علاوہ مزید جرمانے کے طور پر ایک بڑی رقم زید زبیدہ کو ادا کرے، شرعی اعتبار سے وضاحت فرمائیں کہ اس خبر پر زید کا رشتہ ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پنچایتی لوگوں کا زید پر خرچ و جرمانہ عائد کرنا صحیح ہے یا غلط، اور زید کا اس جرمانہ وغیرہ کو ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**المستفتی:** بدر حسین جلال پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں ہے، البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا سخت گناہ ہے، لہٰذا زید کو چاہیے تھا کہ جب اسے لڑکی کے غلط کردار کی خبر دی گئی تو اس کی تحقیق کرتا، اس لیے کہ ایسے موقع پر اکثر و بیشتر غلط خبریں اڑا دی جاتی ہیں، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اڑی ہوئی خبر پر لڑکی کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے البتہ لڑکے سے رشتہ ختم کرنے کی بنیاد پر مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ. [الحجرات: ٦]﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. [الحجرات: ١٢]﴾

**الخلف في الوعد حرام (الأشباه) وعن أبي يوسفؒ يجوز التعزير بأخذ المال وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره: أن ذٰلک رواية ضعيفة عن أبي يوسفؒ قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس.** (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦)

**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (البحر الرائق ٥/٤١،

زکریا ۶۸/۵، شامی زکریا ۱۰۵/۶، کراچی ۶۱/۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة ۱۶۴/۳، هندیة زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۳ھ

# کمیٹی والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا

**سوال** [۷۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک کمیٹی ہے اگر کوئی شخص کسی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے یا کوئی کسی کی زمین غصب کرتا ہے تو کمیٹی حق والے کو حق دلاتی ہے، اور نقصان کی تلافی و دفع ظلم کے لیے جرمانہ عائد کرتی ہے یا حسب ضرورت پٹائی بھی کرتی ہے یہ جرمانہ عائد کرنا یا پٹائی کرنا شرعاً درست وجائز ہے؟ اگر درست نہیں تو اس کی متبادل شکل پیش فرمائیں، جس سے لوگ دوسروں پر ظلم وزیادتی اور دوسروں کے حقوق دبانے سے رک جائیں؟

المستفتی: فصیح الدین مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: کمیٹی والوں کے لیے کسی شخص کو مالی یا جسمانی تعزیر کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.** (البحر الرائق ۴۱/۵، زکریا ۶۸/۵، شامی زکریا ۱۰۵/۶، کراچی ۶۱/۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة ۱۶۴/۳، هندیة زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲، الموسوعة الفقهية ۳۵۴/۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۰ھ

# مالی جرمانہ ودیگر مسائل

**سوال** [۷۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک برادری نے اصلاح کے لیے کچھ قواعد دستور اساسی کے طور پر بنائے ہیں تاکہ خلاف شریعت رسومات بند ہوں، مثلاً: گیت نہ گائے جائیں، سہرانہ باندھا جائے وغیرہ، جو شخص خلاف ورزی کرتا ہے اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، بہت سارو پیہ بھی اس سلسلے میں برادری کے فنڈ میں موجود ہے، اور بہت سے برتن بھی کھانے کھلانے کے لیے اس رقم سے خریدے گئے ہیں جو برادری کی شادیوں میں سب ہی کے کام آتے ہیں، برتنوں کی کل رقم جرمانہ کی نہیں ہے بلکہ کچھ چندے سے خریدے ہیں، اب معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ جرمانہ کے بجائے کیا صورت اختیار کریں جس سے برادری پر اثر پڑسکے، حقہ پانی بند کرنا، یا برادری سے اخراج بھی مؤثر عمل نہیں ہے، خارج ہوتے ہوتے خارج شدہ افراد کی اکثریت ہوجائیگی، اسی طرح ارشاد، تلقین، تزکیۂ باطن جیسے اعمال بھی ان پر ناقابل عمل ہیں، کوئی ایسی صورت تجویز فرمایئے جس سے برادری مشرکانہ، ہندوانہ، جاہلانہ رسومات سے پاک ہوکر اسلامی معاشرے میں داخل ہوجائے؟

(۲) برادری سے اگر چندہ کیا جائے تاکہ ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا جاسکے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

(۳) جرمانہ میں وصول شدہ رقم اور خرید کردہ ظروف کا کیا کیا جائے؟ کیونکہ وہ بھی جرمانہ کی رقم سے خریدے گئے ہیں اور نہ معلوم کتنے اس مسئلہ کے افراد وفات پاچکے ہیں؟

(۴) ہماری برادری میں عرصہ سے یہ دستور ہے کہ موت ہوجانے پر ساری برادری کام بند کردیتی ہے اس سے روزگار پر بھی اثر پڑتا ہے، اور اس سلسلے میں مالی جرمانہ بھی عائد کیا جاتا ہے؟ ازراہِ کرم جوابات سے نوازیں۔

**المستفتی:** محمد رضوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** شرعاً مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، اس کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل مقرر کردیئے جائیں، جس سے تائب ہوجانے کا قوی امکان ہے۔

**لا بأخذ مال فی المذہب وتحتہ فی الشامیۃ: إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.** (شامی کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦)

(۲) جس سے جتنا مال جرمانہ لیا گیا ہے اتنی رقم اس کو واپس کردی جائے، اور اگر وفات پاگئے ہیں تو ان کے ورثاء کو واپس کردی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/۱۹۳، ڈابھیل ۱۴/۴۸۴، ۶/۳۴۳)

(۳) زبردستی یا دباؤ ڈال کر چندہ حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ جو اپنی خوشی اور بطیب خاطر دیدے اس سے لیا جائے۔

**لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنہ.** (قواعد الفقہ اشرفیہ ص: ١١٠)

(۴) کام بند کرنا بے اصل ہے، کام اپنا جاری رکھیں، صرف تجہیز وتدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے کام میں وقفہ کیا جائے جو صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا کام ہے، شریعت نقصان پر مجبور نہیں کرتی ہے، اور جو لوگ ملازم ہیں ان کو نہ روکا جائے، جبکہ دوسرے لوگ موجود ہوں۔

**الصلاۃ علیہ صفتہا فرض کفایۃ بالإجماع فیکفر منکرہا لأنہ أنکر الإجماع فی الشامی ووقتہا وقت حضورہ.** (در المختار، کتاب الصلاۃ، باب فی صلاۃ الجنائز، مطلب: فی صلاۃ الجنازۃ، زکریا دیوبند ٣/١٠٢، کراچی ٢/٢٠٧)

**لاضرر ولا ضرار.** (قواعد الفقہ اشرفیہ ١٠٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۲۰ کتاب الجهاد

## ۱ باب الهجرة

### ہجرت کی شرعی حیثیت

**سوال** [۷۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پریشانیوں اور یہاں کے حالات خراب ہونے کی وجہ (دیناجپور) مغربی بنگال سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں تو شرعاً مجھ کو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحسیب، دیناجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر آپ بآسانی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں اور وہاں آپ کو افاقہ مل سکتا ہے تو مذکورہ حالات میں آپ کے لیے ہجرت کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

ہجرت در اسلام بر دو وجہ واقع شد، اول انتقال از درخوف بدار امان (الی قولہ) وثانی انتقال از دار کفر بدار اسلام (الی قولہ) وہجرت انتقال از دار الکفر علی العموم ہر کراں براں قدرت بود باقی ماند تا روز قیامت الخ۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴/۲۴)

# اسلام میں جہاد مدافعانہ ہے یا جارحانہ بھی؟

**سوال** [۷۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں جہاد مدافعانہ ہی ہے یا جارحانہ بھی ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار میں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کافر قوموں سے بھی قتال کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتے تھے، سرایا وغیرہ کا بھیجا جانا اور کفار پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے؟

المستفتی: بشیر احمد فیلڈ اسسٹینٹ آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طرح جہاد مشروع ہے، تفصیل یوں ہے کہ جہاد وقتال کا مقصد دفع فساد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، نہ کہ ایمان پر مجبور کرنا اور دفع فساد دو طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) دفع فساد مدافعانہ طریقے سے کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو مدافعت کے لیے جہاد کرنا مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ اور سورہ حج آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا ہے، شریعت میں اس طرح کے جہاد کو مدافعانہ جہاد کہا جاتا ہے

(۲) دفع فساد کی دوسری صورت اقدامی اور جارحانہ طریقے سے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی قوت وشوکت سے اسلام کی آزادی وحفاظت کا خطرہ ہو تو ان کی طرف سے جارحانہ حملہ ہونے سے پہلے ہی لشکر اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان سانپ بچھوؤں کے سر کچل دیں، چاہے مقابلے کی شکل میں ہو یا غفلت اور مفاجاتی حملہ کی شکل میں، ہر ممکن ان کے سر پہلے ہی کچل دینے کا حکم ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۳ اور سورہ برأت آیت ۵ میں بیان گیا ہے، شریعت میں اس کو اقدامی وجارحانہ جہاد کہا جاتا ہے، لہٰذا دونوں طرح کے جہاد میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (مستفاد: سیرت المصطفیٰ ۱/۴۹۴، معارف القرآن ۱/۴۵۱)

آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمایئے:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ۱۹۰-۱۹۱] ﴾

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ. [البقرة:۱۹۳] ﴾

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ. [التوبه: ۵] ﴾

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ. [الحج: ۳۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۳)

# مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟

**سوال** [۷۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاد مسلمانوں پر کب فرض ہوتا ہے؟ اس کی کیا شرطیں ہیں؟

المستفتی: بشیر احمد، آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب سربراہ مملکت کو دشمنوں کی حملہ آوری کا علم ہو جائے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال بعضهم: الجهاد قبل النفير تطوع وبعد النفير یصیر فرض عین،

**وعـامة المشائخ رحمهم الله تعالیٰ قالوا: الجهاد فرض على كل حال، غير أنـه قبـل الـنـفيـر فـرض كفاية و بعد النفير فرض عين هو الصحيح، و معنى التـفسيـر أن يـخبـر أهل مدينة أن العدو قد جاء يريد أنفسكم و ذراريكم و أمـوالـكم فإذا أخبروا على هذا الوجه افترض على كل من قدر على الجهاد مـن أهل تلك البلدة أن يخرج للجهاد.** (فتـاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، الباب الاول، زکریا قدیم ٢/١٨٨، جدید ٢/٢٠٥، شامی کراچی ٤/١٢٢، زکریا ٦/١٩٩)

اور جہاد کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ اسلامی لشکر ہو، اور سر براہ مملکت وسر براہ لشکر ہو، اور اس سر براہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، احکام اسلام نافذ کرنے پر قادر ہو، اور اسلامی سرحد کی حفاظت ودشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کشی کرنے پر قادر ہو، ظالم ومظلوم کے درمیان قوت قاہرہ کے ذریعہ سے انصاف کرنے پر قادر ہو، اس کے بغیر مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے میں جہاد کے نام سے ڈالدینا ہرگز جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔

**ويشترط كونه مسلما حرا ذكرا عاقلا بالغا قادراً وتحته في الشامية: قادراً على تنفيذ الأحكام و إنصاف المظلوم من الظالم وسد الثغور و حماية البيضة و حفظ حدود الإسلام و جر العساكر.** (الـدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، بـاب الإمـامة، مـطـلـب شـروط الإمـامة الكبرىٰ، کراچی ١/٥٤٨، زکریا دیوبند ٢/٢٨٠، إعلاء السنن کراچی ١٢/٣، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٦٠٥)

**ويتقدم إلى من يؤمره أن لا يحمل المسلمين على مهلكة ولا يأمرهم بـدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلك فقد أساء ويستغفر الـلـه تعالیٰ.** (إعـلاء الـسـنـن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل أمير برا و فاجراً کراچی ١٢/٦، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/رمضان المبارک ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٤٠١/٢٥)

# کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟

**سوال** [۷۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کے اندر مسلمانوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور جہاد ہندوستان کے ہندؤں سے کرنا ہے تو ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے ہندؤں سے جہاد کیا جاسکتا ہے؟ اسلامی جہاد کی کتنی شرائط ہیں، اور کیا کیا؟ نیز ان شرائط کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ شرائط ہندوستان میں پائی جاتی ہیں؟

المستفتی: شاہجہاں علی امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ہندوستان میں جہاد فرض نہیں ہے اس لیے کہ فرضیت جہاد کی جو شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ شرطیں ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہیں، جہاد کے فرض ہونے کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اعلاءِ کلمۃ اللہ: اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے جہاد ہو۔

(۲) جس قوم سے جہاد کرنا ہے اس کے اور مسلمانوں کے درمیان سرحد اور باڑ رہو ورنہ مخلوط آبادی کی صورت میں لڑائی شروع کردی جائے تو وہ جہاد نہ ہوگا بلکہ خانہ جنگی ہوگی، تم ان کا ایک مارو گے وہ تمہارے دس ماریں گے۔

(۳) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار ایک ہو اس لیے کہ سپہ سالار وقائد متعدد ہوں تو آپس میں لڑیں گے، دشمنوں سے مقابلہ نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے جنگ کے وقت سارے مسلمانوں کا ایک ہی قائد ہونے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ میں موجود ہے۔

(۴) دشمنانِ اسلام کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد ان کی نصف سے کم نہ ہو، ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا شریعت کے احکام سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔

اور ہندوستان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستانی ہندؤں کے ساتھ ہندوستان میں رہتے ہوئے جہاد کا نام دے کرلڑنا جائز نہیں ہے۔

**عن أبی موسیٰ قال جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليریٰ مكانه فمن فی سبيل الله قال: من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا فهو فی سبيل الله.** (بخاری شریف، باب من قاتل لتكون كلمة الله هی العلياء النسخة الهندية ۱/ ۳۹۴، رقم: ۲۷۲۶، ف: ۲۸۱۰، صحيح مسلم، الأمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا فهو فی سبيل الله، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۹، بيت الأفكار رقم: ۱۹۰۴)

**بقی أن النفير إذا كان عاما فهل يجب الجهاد عينا على المسلمين المقيمين بدار الحرب أيضا أم لا؟ والظاهر أن المخاطب بقوله: و إذا استنفرتم فانفروا؛ أهل دار الإسلام لا غيرهم و هذا هو المراد بقول الفقهاء.** (إعلاء السنن، كتاب السير، باب وجوب الجهاد عينا على من استنفرهم الإمام...... دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۱)

**عن البراء قال: بعث النبی ﷺ جيشين و أمر على أحدهما علي بن أبی طالب رضـ و على الآخر خالد بن الوليد وقال: إذا كان القتال فعلي.** (ترمذی شريف، المناقب، النسخة الهندية ۲/ ۲۱۴ دار السلام رقم: ۳۷۲۵، صحيح البخاری، المغازی، باب بعث علی بن أبی طالب...... النسخة الهندية ۲/ ۶۲۳، رقم: ۴۱۷۷ ف: ۴۳۵۰)

**وفی الحديث دلالة على اشتراط الأمير للجهاد و أنه لا يصح بدونه لقوله عليه السلام: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير فإذا لم يكن للمسلمين أمير فلاجهاد.** (إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۴)

﴿**اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ.**[الأنفال: ٦٦]﴾ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶۳)

# کیا ہندوستان میں ہندؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟

**سوال** [۷۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں ہندؤں سے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، اسلامی جہاد کی شرائط کتنی ہیں اور کیا کیا ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ہندوستان میں ہندؤں سے جہاد کرنا جائز نہیں کیونکہ یہاں جہاد کی شرائط مفقود ہیں، جہاد کی چار شرطیں ہیں، ان میں تین واجبی ہیں:

(۱) جس قوم سے جہاد کرنا ہے مسلمانوں اور اس قوم کے درمیان حد فاصل (بارڈر) ہونا لازم ہے۔

(۲) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار اور قائد ایک ہو، وہ یہاں مفقود ہے۔

(۳) صرف اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو۔

(۴) دشمنان اسلام کے لشکر اور آلات وہتھیار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد و آلات جہاد کم سے کم آدھا ہو۔ ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا جہالت ہے۔

**عن سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله فإذا قالوا لا إله إلا الله عصموا منى دماءهم و أموالهم إلا بحقها و حسابهم على الله.** (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربى ٦/١٣٢، رقم: ٥٧٤٦)

**وفى الحديث دلالة على اشتراط الأمير للجهاد و أنه لايصح بدونه ...... وحفظ حدود دار الاسلام و إنصاف المظلوم من الظالم إذا الإخلال بهذه الأمور مخل بالغرض ...... وينبغى أن يبتدئ بترتيب قوم فى أطراف البلاد يكفون من بإزائهم من المشركين.** (اعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه، كراچى ١٢/٤-٥-٦، بيروتى ١٢/٤ - ٦)

**أما شرط إباحته فشيئان: أحدهما امتناع العدو عن قبول ما دعى إليه**

**من الدين الحق، وعدم الأمان والعهد بيننا و بينهم، والثانى: أن يرجو الشوكة والقوة لأهل الاسلام باجتهاده أو باجتهاد من يعتقد فى اجتهاده ورأيه و إن كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين فى القتال فإنه لا يحل له القتال لما فيه من إلقاء نفسه فى التهلكة.** (هنديه، كتاب السير، الباب الأول، زكريا قديم ۲/۱۸۸، جديد ۲/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

# کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟

**سوال** [۷۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام کے بارے میں زبردستی کو قرآن میں منع کیا گیا ہے، ''**لا اکراہ فی الدین**'' لیکن حدیث میں ہے، ''**أمرت أن اقاتل الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله**''، شاید اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ظہور اسلام کے بعد کفار ایمان نہ لائیں تو ان سے جہاد کیا جائیگا، اور ظہور کے بعد ایمان نہ لانے پر ان سے لڑنا تا کہ ایمان کے دائرہ میں داخل ہو جائیں، اکراہ نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

**المستفتی:** محمد توفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حدیث نبوی ''**أمرت أن اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله**'' (مسلم شريف، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله، السنخة الهندية ۱/۳۸، بيت الأفكار رقم: ۲۱)

اس حدیث شریف کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کو حتی یقولوا لا الہ الا اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اعلاء کلمۃ اللہ بعض حالات میں قتال وجہاد کے ذریعہ اور کبھی جزیہ کے ذریعہ اور کبھی معاہدے

کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور حدیث بالا کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور دفع فساد بذریعہ قتال و جہاد کو بیان کیا گیا ہے، نہ کہ کفار کو ایمان پر مجبور کرنے کو فرمایا گیا ہے، شراح حدیث لکھتے ہیں:

**أن يكون المراد بما ذكر عن الشهادة و غيرها التعبير عن إعلاء كلمة الله و إذعان المخالفين فيحصل فى بعض بالقتل و فى بعض بالجزية و فى بعض بالمعاهدة.** (فتح الملهم اشرفيه ديوبند ۱/۱۹۱)

﴿ **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ.** [البقرة:۱۹۳] ﴾

خلاصہ عبارت یوں ہوگا کہ "**أمرت أن اقاتل الناس حتى يكون الدين كله لله و لا تكون فتنة و كلمة الله هى العليا**" اب یہ ثابت ہوا کہ قتال کا حکم کفار کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ اسلام کو ان کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لیے تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث بالا میں دفع فساد کے لیے قتال کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ جلب ایمان کے لیے، اور "لا اکراہ فی الدین" کے اندر جبر و اکراہ سے اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، دفع فتنہ وفساد کی ممانعت ہرگز نہیں کی گئی ہے، نیز عرب کے لوگ اپنے آبائی دین کے عار کے سامنے جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے ہر طرح تیار ہو جاتے تھے، لیکن باپ دادا کے دین پر داغ لگنے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے جن لوگوں نے تحت السیف اسلام قبول کیا ہے انہوں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وقعت اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس لیے ان کو سچا پکا مسلمان تسلیم کیا گیا، اور سچائی کے ساتھ دنیا سے گذر بھی گئے، جیسا کہ محققین نے اس کی صراحت کردی ہے۔

**فإن قيل مشركو العرب الذين أمر النبى ﷺ بقتالهم و أن لا يقبل منهم إلا الاسلام أو السيف قد كانوا مكرهين على الدين، ومعلوم أن من دخل فى الدين مكرها فليس بمسلم فما وجه إكراههم عليه، قلنا، لم يكن العرب ليدخلوا فى دين غير دين آبائكم مكرهين هم قوم لا يعطون الدينية مخافة الموت و يرجحون بذل النفوس دون العار فمن دخل منهم الاسلام دخل فيه**

**طوعا برغبته ومن لم يرض بالدخول فيه أثر القتل فقتل الخ.** (أحكام القرآن للتهانوى ١/٤٥٦)

سوال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کافر قیدی کو قتل کے لیے پیش کیا جائے اور اسی وقت وہ اسلام قبول کرلے تو اس کا اسلام بالاتفاق صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کے خوف سے بالجبر والاکراہ ایمان قبول کرایا گیا ہے، جو لا اکراہ فی الدین کی منافی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس مفسد کے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتل کا حکم صادر کیا گیا ہے، ورنہ کتنے ذمی اسلامی حکومت کے زیر سایہ مطیع ہوکر رہتے ہیں، اگر جبراً اسلام میں داخل کرنا مقصود ہوتا تو ان ذمیوں پر اکراہ بہت آسان تھا، اور دفع فتنہ کی غرض سے قتل کے وقت جب بخوشی ایمان قبول کرلیا تو اب فتنہ کا اندیشہ باقی نہ رہا، اور مسلمانوں کے تمام حقوق اس کو حاصل ہوجائیں گے۔

**وفيه صيانة من أتى بكلمة التوحيد نفسه ولو كان عند السيف وفيه أن الأحكام تجرى على الظاهر.** (أحكام القرآن ١/٤٠)

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات یا تو کفار کے حملہ کو دفع کرنے کے لیے یا ان سے خطرہ کی بنیاد پر اقدامی تھے، نہ کہ کفار کو جبر واکراہ سے ایمان میں داخل کرنے کے لیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۱۰)

# کفارِ ہند ذمی ہیں یا حربی؟

**سوال** [۷۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کفار ہند کو کیا کہنا چاہیے ذمی، مستامن یا حربی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے حق

میں ہندو وارباب وطن شرعی طور پر معاہد کے حکم میں ہیں اور معاہد کی جان و مال عزت وآبرو کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے،اسی طرح ان کے اوپر بھی مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان و مال کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷/ ۸۵۸۷)

# کیا ہندوؤں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟

**سوال** [۷۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ سال ضلع بھاگلپور میں غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کیا بہت سے مسلمانوں کی جانیں گئیں، مال بھی لوٹا گیا، دریں اثناء مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کے گاؤں پر حملہ کیا، اور غیر مسلموں کو مارا پیٹا اور ان کے مال کو بھی لوٹ لائے جس میں غلہ نقد روپیہ، سونا چاندی، اور جانور وغیرہ ہیں، کیا اس لوٹے ہوئے مال کا کھانا بطور مال غنیمت کے مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ جواب بالتفصیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ہندوستان جمہوری حکومت ہے اس کے باشندے مسلم وغیر مسلم سب ایک حاکم ہی کے زیر تحت رہ کر شہری زندگی گذارتے ہیں ایسی حکومت میں اگر کسی غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو تو ظلم کا تعلق صرف اسی قصبہ یا محلّہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، دوسرے غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کا مال لوٹنا مظلوم یا غیر مظلوم مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز ودرست نہیں ہے، اس لیے مذکورہ لوٹے ہوئے مال اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہوگا اس لیے کہ وہ مال غصب ہے، لہٰذا اگر مالکان تک رسائی ممکن نہ ہو تو غریب ونادار فقراء میں تقسیم کردینا لازم ہوگا۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، تحت رقم الحديث ۵۹، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

## کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال** [۷۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی لڑائی میں غیروں کا مال ہاتھ آیا تو کیا وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا اسی طرح ان کی عورتیں ہاتھ آئیں تو کیا ان کو باندیاں بنایا جا سکتا ہے، اور بغیر نکاح کے ان سے صحبت کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حکومتی سطح پر جنگ ولڑائی ہوجائے اور مسلم حکومت کو حربی غیر مسلمین کے مال اور عورتیں ہاتھ آجائیں تو وہ غنیمت میں شامل ہوں گی، اسی طرح غیر مسلم حکومت غالب آجائے تو وہ بھی مسلموں کی اشیاء کی مالک ہوجائے گی، تقسیم غنائم کے بعد جس کے حصہ میں باندی آئیگی وہ بغیر نکاح کے صحبت کرسکتا ہے۔

إن غلبنا على الشرك حل لنا ما نأخذه من ذلك أي من أموالهم و

**أولادهم (إلى قوله) فإن غلبوا على أموالنا، اعلم أن الكفار إن غلبوا على أموال المسلمين واحرزوها بدارهم ملكوها عندنا.** (الجوهرة النيرة، كتاب السير، كوئٹہ ۲/ ۳٦٥، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۳٤۷، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ۹٥، زكريا ٥/ ١٦٠، فتح القدير، دار الفكر مصرى ٦/ ۳، زكريا ٦/ ۳، كوئٹه ٥/ ۲٥٤)

**وتثبت الأحكام أى من حل الوطئ و البيع والعتاق والإرث.** (شامى، كتاب الجهاد، باب المغنم و قسمته، مطلب: فى قسمة الغنيمة، زكريا ٦/ ۲۳۰، كراچى ٤/ ١٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۲۱ کتاب اللقطة

## ۱ باب اللقطة

### لقطہ کا حکم

**سوال** [۷۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لقطہ کا حکم عام کتب فقہ وفتاویٰ میں صدقہ کر دینا لکھا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نیک کام میں صرف کرنے کو لقطہ کا حکم لکھتے ہیں، تو لقطہ کو صدقۂ واجبہ میں شمار کریں گے یا صدقۂ نافلہ میں؟ اگر صدقۂ واجبہ میں شامل کریں گے تو حضرت تھانویؒ کی مذکورہ عبارت کی توجیہ کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: حضرت تھانویؒ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے مناسب یہ تھا کہ کس کتاب کے کس صفحہ پر یہ عبارت ہے ذکر کر دیتے، بہر حال لقطہ کے بارے میں حکم یہی ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا سرمایہ دار ہے تو اس کی تشہیر اور انتظار مکمل ہو جانے کے بعد صدقہ کرنا لازم اور واجب ہے، نیک کام اور رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی بات ہمارے سامنے نہیں آئی، البتہ اگر لقطہ اٹھانے والا فقیر ہے تو تشہیر اور انتظار مکمل ہونے کے بعد اس کو اختیار دیا گیا ہے، چاہے تو اپنی ذات پر خرچ کرے یا کسی فقیر اور ضرورت مند کو دیدے، لیکن یہ صراحت کہیں نہیں ملی کہ لقطہ اٹھانے والا فقیر بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کر کے رفاہِ عام اور کارِ خیر میں صرف کرے۔

**عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شیئا فلیعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فلیرد ها إلیه و إن لم یأت صاحبها فلیتصدق بها.** (سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، نصب الرایة ٣/٧٠٥، المعجم الأوسط، دار الفکر ١/٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدرایة مع الهدایة اشرفی ٢/٦١٤)

**وإن کان الملتقط غنیا لم یجز له أن ینتفع بها ...... و إن کان الملتقط فقیرا فلا بأس بأن ینتفع بها.** (هدایه، کتاب اللقطة اشرفی ٢/٦١٧، البحر الرائق کوئٹه ٥/١٥٧، زکریا ٥/٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۳/۳۹) | ۱۴۳۱/۶/۲۲ھ |

## ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے

**سوال** [۷۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید خود مسکین وفقیر ہے اور وہ کسی جگہ پر ایک گھڑی پاتا ہے بعد اعلان کے منتظر رہا، مگر ایسی جگہ ہے جہاں علاوہ مقامی کے باہری بھی بہت آتے ہیں اور مقامی و باہری حضرات سے معلومات بھی کی گئی ہے، لیکن پتہ نہیں چل سکا ہے تو کیا زید اس کو استعمال کرسکتا ہے، جبکہ زید مسکین ہے؟

(۲) اسی طرح کوئی صاحب نصاب کوئی چیز پائے بعینہٖ اسی مسئلہ بالا کی طرح ہو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری سجاد حسین، اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر پانے والا شخص فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس

کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

**عن الحسن قال: إذا كان إليها محتاجا فليأكلها.** (المصنف لابن أبی شيبة، ما رخص فيه من اللقطة، مؤسسة علوم القرآن جديد ١١/٢٢٤ رقم: ٢٢٠٧٠)

**وإن كان الملتقط فقيرا فلابأس بأن ينتفع بها.** هداية، كتاب اللقطة اشرفی ٢/٦١٨، قدوری، ١٤٨، هنديه زكريا قديم ٢/٢٩١، جديد ٢/٣٠٠)

**(٢) اگر پانے والا شخص مالدار ہے تو اس کیلیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے بلکہ** حسب استطاعت تشہیر کے بعد کسی محتاج کو صدقہ کرسکتا ہے۔

**وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها.** (هدايه، كتاب اللقطة أشرفی ٢/٦١٧، قدوری ١٤٨، هنديه زكريا قديم ٢/٢٩١، جديد ٢/٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
| --- | --- |
| احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ | ١٧ ارشوال المکرّم ١٤١٤ھ |
| ١٧/١٠/١٤١٤ھ | (الف فتویٰ نمبر: ٣١/٣٦٦٦) |

# نامعلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم

**سوال [٧٥٣٦]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کے پالے ہوئے کبوتر مثلاً عبداللہ کے پالتو کبوتر عبدالرحمٰن کے کبوتروں میں جاتے ہیں اور پھر عبدالرحمٰن ہی کے گھر رہنے لگتے ہیں اور بچے دیتے ہیں اور عبداللہ کے گھر نہیں لوٹتے اور نہ عبداللہ کے گھر کا پتہ چلتا ہے، تو کیا یہ دوسرے یعنی عبداللہ کے پالے ہوئے کبوتر یا اس کے بچے عبدالرحمٰن کھا سکتا ہے؟

**المستفتی: محمد اشفاق بھاگلپور**

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** عبدالرحمٰن کے لیے عبداللہ کے کبوتر کو اپنے یہاں روک لینا اور اس کو کھانا جائز نہیں، بلکہ عبداللہ کو وہی کبوتر واپس کردینا واجب ہے،

کھائے گا تو حرام کھائے گا۔

**عن أبی حرة الرقاشی، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه.** (شعب الإیمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۶)

## نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم

**سوال** [۷۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی مرغی عبداللہ کے گھر آگئی اور باوجود کوشش وجستجو کے مرغی والے کا پتہ نہ چلا تو کیا اس مرغی کو یا اس کے انڈے کو عبداللہ کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اگر تلاش وجستجو کے باوجود مرغی کا مالک نہ ملے تو دو گواہوں کے سامنے اس کو صدقہ کردینا لازم ہے خود اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

**عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ: سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شیئا فلیعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فلیردها إلیه و إن لم یأت صاحبها فلیتصدق بها فإذا جاء فلیخیره بین الأجر، وبین الذی له.**

(سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۰۸، رقم: ۴۳۴۳، المعجم الأوسط دار الفکر ۱/ ۶۰۰، رقم: ۲۲۰۸، الدرایة مع الهدایة اشرفی ۲/ ۶۱۴)

**فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها.** (هداية كتاب اللقطة اشرفی ۲/ ۶۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۶)

# اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم

**سوال** [۷۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے زمانے میں لقطہ کا کیا مسئلہ ہوگا ایک صاحب کو اسٹیشن کی سیڑھی پر سے سونے کی چین ملی اور انہوں نے اٹھالی، اب یہ صاحب کیا کریں، کیا صدقہ کردیں یا کچھ اور کریں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن قاسمی، بدست عزیزی کرامت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جن صاحب کو چین ملی ہے ان پر لازم ہے کہ چین کو حفاظت سے رکھے رہیں، اور چین کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، ممکن ہو تو اسٹیشن پر اعلان کرادیں اور اخبار میں بھی شائع کرادیں، اور جب ظن غالب ہو جائے کہ مالک نے اپنی چین کو تلاش کرنا چھوڑ دیا ہوگا اور مالک کے ملنے کی توقع نہ رہے تو چند لوگوں کو گواہ بنا کر اصل مالک کی طرف سے کسی غریب کو صدقہ کردے۔

**عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها فإذا جاء فليخيره بين الأجر، و بين الذى له.**

(سنن الدار قطني، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۰۸، رقم: ۴۳۴۳، المعجم الأوسط، دار الفكر ۱/ ۶۰۰ رقم: ۲۲۰۸، الدراية مع الهداية اشرفی ۲/ ۶۱۴)

**ويعرف الملتقط اللقطة فى الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن**

**صاحبها لا يطلبها بعد ذلک** (إلى قوله) **ثم بعد تعريف المدة المذكورة، الملتقط مخيَّر بين أن يحفظها حسبة و بين أن يتصدق بها.** (هندية، كتاب اللقطة، زكريا قديم ۲/ ۲۸۹، جديد ۲/ ۲۹۹، وهكذا فى القدورى ص: ۱٤۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۲۹ھ

# لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا

**سوال** [۷۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں یا خارج مسجد کچھ رقم ہاتھ لگتی ہے، لوگ اعلان کر دیتے ہیں لیکن جب اس رقم کا مالک نہیں ملتا تو وہ رقم لوگ مسجد کے گولک میں ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ گمشدہ رقم کا مالک اگر نہ ملے تو وہ رقم مسجد میں دی جاسکتی ہے یا کسی غریب کو صدقہ کر دینا چاہیے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب اعلان کے باوجود رقم کا مالک نہ ملے اور اس کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو اس رقم کو اصل مالک کی طرف سے مساکین وفقراء پر تقسیم کردیا جائے، اس رقم کو مسجد میں دینا درست نہیں ہے، لیکن اگر وہ کسی وقت آ گیا تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ صدقہ پر راضی ہو جائے اور چاہے تو اپنے پیسے وصول کر لے۔

**عن عمر بن الخطاب قال فى اللقطة: يعرفها سنة، فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها، فإن جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها، خيره، فإن اختار الأجر، كان له، و إن اختار المال، كان له ماله.** (مصنف عبد الرزاق، كتاب اللقطة، المجلس العلمى ۱۰/ ۱۳۹، رقم: ۱۸٦۳۰)

**فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها** (إلى قوله) **فإن جاء صاحبها يعنى بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضىٰ الصدقة وله ثوابها و إن شاء ضمن الملتقط.**

(هدایه، کتاب اللقطة، اشرفی ۲/ ٦١٥، قلوری ص: ١٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۸/ ۱۴۲۸ھ

## گمشدہ روپئے اٹھا کر مسجد میں دینا

**سوال** [۷۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گمشدہ پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: طریق الاسلام کھڑی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پایا ہوا پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز نہیں ہے، بلکہ اصل مالک کو دینا لازم ہے، اگر اصل مالک نہ مل سکے اور امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا پیسہ فقیر غریب کو صدقہ کر دیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۴۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۶۰)

**عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليرد ها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها.** (سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/ ٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفی ٢/ ٦١٤)

**فينتفع الرافع بها لو فقيرا و إلا تصدق بها على فقير.** (در مختار علی الشامی، کتاب اللقطة، زکریا دیوبند ٦/ ٤٣٧، ٤٣٨، کراچی ٤/ ٢٧٩، هدایه اشرفی ٢/ ٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۷)

# لقطہ کے جانور پرخرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟

**سوال** [۷۵۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملتقط جانور کے لقطہ کوواپس کرتے وقت مالک سے اپنا خرچ وغیرہ لے گا، کما فی الدر المختار۔

لیکن اگرایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی مالک نہ مل سکا تو غنی شخص اس جانورکو صدقہ کرے گا، مگر سوال یہ ہے کہ ایک سال چارہ وغیرہ کا خرچ وہ کہاں سے وصول کریگا، کیا اس جانورکوفروخت کرکے اس کی قیمت میں سے اپنا خرچ لے سکتا ہے، یانہیں؟ صریح جزئیہ اگرمل جائے تو نقل فرمادیں۔

اوراگراس دوران اس جانور سے کوئی بچہ پیدا ہوتو کیااس کا بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، یاملتقط کی ملکیت میں آجائے گا، جبکہ اسی کے یہاں رہنے سے اس جانورکے بچہ پیدا ہوا ہے، اوراس نے اس جانورکی ہرطرح سے دیکھ بھال کی ہے، شامی میں تو اس طرح کے جزئیات نہ مل سکے، دیگر کتب میں مل جائیں تو نقل فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق غفرلہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ایک سال تک اعلان کاحکم جانوروں میں مطلق نہیں ہے، بلکہ جن کے لیے منافع ہوں مثلاً دودھ دینے والے ہوں یا بار برداری وغیرہ کےکام کے ہوں تواس طرح کے جانورکی کمائی سے اس پرخرچ کیا جائے گااوراگرایسا جانور ہوکہ اس کے لیے منافع نہ ہوں تو حاکم یا جماعت مسلمین کی اجازت سے مالک کے آنے کی امید پر۳/دن تک اس پرخرچ کریگا، اس کے بعد مذکورہ ذمہ دارکی اجازت سے فروخت کرکے ثمن امانت میں رکھے گا، اور ملتقط اپنا خرچ کردہ پیسہ وصول کریگا، اور ایک سال تک اعلان کے بعد ثمن صدقہ کریگا۔

إن كان للبهيمة منفعة آجرها و أنفق عليها من أجرتها لأن فيه إبقاء العين على ملكه من غير إلزام الدين عليه، و إن لم يكن لها منفعة و خاف أن

**تستغرق النفقة قيمتها باعها و أمر بحفظ ثمنها إبقاء له معنى عند تعذر إبقائه صورة.** (هدايه، كتاب اللقطة، اشرفى ٢/٦١٦)

**قالوا إنما يأمر بالإنفاق يومين أو ثلاثة على قدر ما يرىٰ رجاء أن يظهر مالكها فإذا لم يظهر يأمر ببيعها لأن دارة النفقة مستأصلة فلا نظر فى الإنفاق مد ة مديدة و أفاد أيضا إذا بيعت أخذ الملتقط ما انفق بإذن القاضى.** (البحر الرائق، كتاب اللقطة، كراچى ٥/١٥٦، زكريا ٥/٢٦١-٢٦٢)

**وإذا لم يظهر يؤمر ببيعها و إذا باعها أعطى الملتقط ما أنفق فى اليومين أو الثلاثة.** (عالمگيرى، كتاب اللقطة، زكريا جديد ديوبند ٢/٣٠٠، قديم ٢/٢٩١)

نیز جانور سے اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بھی مالک ہی کی ملکیت میں شمار ہوگا، مال کے ساتھ بیع یا صدقہ کے تابع ہوگا۔

**لأن ولد الحيوان يتبع أمه (وقوله) ولم يعلم مالكه.** (شامى، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطبا فى نهر أو وجد جوزا او كمّثرى، زكريا ديوبند ٦/٤٤٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٢١٤، كراچى ٤/٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴/۲۴)

## نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کردی

**سوال** [۷۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نابالغ مسجد میں پائی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ کرلے یا ضائع کردے تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہوگا، کیا لڑکے پر اس کا تصدق واجب ہے یا اس کے والدین پر یا کسی پر نہیں؟

المستفتی: مسہار علی جمادار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** نابالغ بچوں کا حکم بھی باب لقطہ اور افعال کی صحت

میں مکلّف بالغوں سا ہے، لہٰذا اگر پائی ہوئی رقم بچے ضائع کردیں یا خرچ کردیں تو مالک کو اس کا ضمان ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو والدین یا وصی پر اس کا تصدق لازم ہوگا، اور ہلاکت کی صورت میں والدین یا وصی کے مال میں سے ضمان ادا کرنا لازم ہوگا۔

**وفی الوهبانية: الصبی کبالغ فیضمن إن لم یشهد ثم لأبیه أو وصیه التصدق و ضمانها فی مالهما لا مال الصغیر.** (الدر المختار، کتاب اللقطة، کوئٹه ۳/ ۳۵۱، کراچی ٤/ ۲۸۰، زکریا ٦/ ٤۳۹)

**وفی القنیة: وجد الصبی لقطة ولم یشهد یضمن کالبالغ (بحر) و فی الشامیة: قلت المراد ما یشمل إشهاد ولیه أو وصیه.** (البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ۱٥۱، زکریا ٥/ ۲٥٤، شامی کوئٹه ۳/ ۳٥۱، کراچی ٤/ ۲۸۰، زکریا ٦/ ٤۳۹)

**وفی البحر أیضا فأما الملتقط فلم أری من بین شرائطه و لا یشترط بلوغه بدلیل ما فی المجتبی التعریف إلی ولی الصبی والوارث فدل علی صحة التقاطه الخ.** (البحر الرائق کوئٹه ٥/ ۱٥۰، زکریا ٥/ ۲٥۲)

**وإن أتلفا (أی الصبی والمجنون شیئا لزمهما ضمانه لأن الأفعال تصح منهما ولأن الإتلاف موجب للضمان ولایتوقف علی القصد.** (الجوهرة النیرة، کتاب الحجر، امدادیه ملتان ۱/ ۲۹۳، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۲۸٥، هدایه اشرفی دیوبند ۳/ ۳٥۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٥/ ۱۹۲، زکریا ٦/ ۲٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۳/ ۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۲۲ کتاب الإمارة والسیاسة

## امت کی قیادت وامامت میں اسلام کا نقطۂ نظر

**سوال** [۷۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) امت کی قیادت یا امامت کے سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

(۲) چونکہ پوری امت مسلمہ کا کوئی قائد وامام نہیں ہے تو کیا امت کے کسی جزء کے قائد کا انتخاب کیا جاسکتا ہے؟

(۳) اگر امت کے کسی جزء کا قائد منتخب کیا جاسکتا ہے تو اس کا فیصلہ جغرافیائی حدود یا کسی جماعت یا کسی تنظیم وتحریک کی ممبرشپ کی بنیاد پر کیا جائیگا؟

(۴) وہ مسلمان جو دیارِ کفر یا غیر مسلم معاشرے میں مقیم ہیں کیا ان کے لیے خصوصی احکام ہیں؟

(۵) قائد میں کن خصوصیات وصلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۶) قائد کے انتخاب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۷) وہ لازمی شرائط وقیود کیا ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی کوئی مسلمان قیادت کے انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے؟

(۸) کیا وہ مسلمان جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہیں وہ ووٹنگ کے حق سے محروم رہیں گے؟

براہ کرم آپ ان دیگر علماء وعلمی شخصیات کی نشاندہی فرمائیں، جو اس معاملہ میں ہماری رہنمائی فرماسکتے ہیں، اس سلسلے میں ایک گذارش ہے کہ موضوع پر دلائل قرآن وسنت کے حوالہ

کے ساتھ دیئے جائیں، آپ کے گرانقدر مشوروں اور رہنمائی کے ہم انتہائی ممنون ہوں گے۔

المستفتی: مخلص مناظر احسن اسسٹینٹ ڈائریکٹ اسلامک فاؤنڈیشن لنڈن روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** (۱) اسلامی شریعت کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ ہر مسلم قوم کا کوئی قائد ہو اور سب اس پر متفق ہوں۔

**عن تميم الداري رضي الله عنه قال: تطاول الناس في البناء في زمن عمر رضي الله عنه فقال عمر: يا معشر العريب! الأرض الأرض، إنه لا إسلام إلا بجماعة، ولا جماعة إلا بإمارة، ولا إمارة إلا بطاعة.** (مسند الدارمي، العلم، باب في ذهاب العلم، دار المغني ۱/ ۳۱۵، رقم: ۲۵۷، جامع بيان العلم وفضله، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۶۲، رقم: ۳۲۶)

(۲) کیا جاسکتا ہے۔

**ذكر المحققون ...... أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهذه الصفات جاز نصب من لم يتصف ببعضها للضرورة الخ.** (نبراس ص: ۳۲۲)

(۳) اگر اسلامی حکومت ہے تو حکومت کے قانون کے مطابق حدود کی تعیین ہوگی اور غیر مسلم حکومت ہے، تو اس کے لیے حد متعین نہیں ہے بلکہ جتنے دور تک لوگ بآسانی آپس میں متفق ہوسکتے ہیں، ان کی تراضی سے قائد کا انتخاب کیا جائے۔

**طرق ثبوت الإمامة أربعة (إلى قوله) الثالث بيعة أهل الحل والعقد بإجماع أهل السنة.** (نبراس ص: ۳۲۲)

(۴) ان پر لازم ہے کہ آپس کے تراضی سے کسی بااہل، بااثر شخصیت کو اپنے امور شرعیہ کا ذمہ دار بنائیں۔

**وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.** (شامي، كتاب القضاء، قبيل مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد، تغلب

علیها الکفار کوئٹه ٤/٣٤٢، کراچی ٥/٣٦٩، زکریا دیو بند٨/٤٣، النهر الفائق دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٤٠٦)

**(۵) اگر قوم کسی اہل شخص پر متفق ہو جائے تو فبہا ورنہ بوقت اختلاف کثرت رائے کا اعتبار ہے۔**

**إن المقرر عند المشائخ أنه متی اختلف فی المسئلة فالعبرة مما قاله الأکثر الخ.** (عقود رسم المفتی قدیم ص: ٣٤)

**(۶-۷) عدالت، شجاعت، مسائل شرعیہ میں معلومات، اجتہاد اور حسن تدبیر۔**

**شروط الإمامة العدل ...... ومنها الشجاعة والاجتهاد فی المسائل والتدبیر المصیب.** (نبراس شرح شرح عقائد نسفی ص: ٣٤٢)

**نیز جو مسلمان شرائط مذکورہ کا حامل ہو اور اپنے اوپر مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں پورا اعتماد رکھتا ہو وہ ووٹنگ کا حقدار ہے، آپ کے ملک کے اہل علماء اور علمی شخصیات سے احقر واقف نہیں ہے، اس لیے نشاندہی سے معذور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۴۹)

# قرآن وحدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا

**سوال** [۷۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند روز ہوئے اخبار میں مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کے اسلامی قوانین میں ترمیم کے متعلق مضمون تھا، کیا واقعی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی ہوتی ہے، اب تک یہ بات کہی و سنی جاتی تھی، کہ اسلامی قوانین کا مأخذ قرآن وحدیث ہے، اس میں ترمیم ممکن نہیں ہے، اس سلسلے میں مفتیان کرام وجماعت مسلک دیوبند کا کیا موقف ہے؟

المستفتی: کرامت علی، بدست عزیزی ذبیح الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اسلامی قوانین کا مدار قرآن وحدیث پر ہے، اس سے ہٹ کر الگ سے قانون بنانا قطعاً جائز نہیں، لیکن مسلم پرسنل لاء کی طرف سے کس طرح اور کس مسئلہ میں ترمیم کا اعلان ہوا ہے احقر کے علم میں نہیں، اس کی پوری صورت سامنے ہوتو کچھ کہا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

# برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا

**سوال** [۷۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو اپنے کو برادری کا صدر کہلواتا ہے اس نے برادری کا دستور شائع کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شادی کرنے کی وجہ سے پہلے مجبوری یا ضرورت سے صدر صاحب کو آگاہ کریگا، اور منظوری لیگا، صرف عیش پرستی وعیاشی کیلئے دوسری شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

کیا اس شخص کے پابندی لگانے کا مطلب شریعت میں مداخلت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف قریشی میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: شریعت اسلامی میں ایک سے چار تک شادی کی اجازت ہے، بس صرف شرط یہ ہے کہ سب بیویوں کے حقوق کو برابری کے ساتھ ادا کیا جائے اور شرعی طور پر یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ کبھی ایک بیوی سے جنسی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے تو دوسری شادی کر لینا جائز اور درست ہے، اس میں کسی کو پابندی لگانے کا حق نہیں، اللہ تعالیٰ

نے تعددِ ازواج کا اختیار دیا ہے، فرمایا:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء: ۳]﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵/ رمضان ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۵)

# ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟

**سوال** [۷۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ہندوستان جیسے ممالک میں زکوٰۃ وصدقات وچرم قربانی وغیرہ جمع کرنے کے لیے بیت المال قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر بیت المال قائم کیا جائے تو ایسی صورت میں اسلامی مدارس پر یک گونہ ضرب آتی ہے کہ مدارس میں اس دور میں عموماً زکوٰۃ وصدقات کی رقم دی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں قیام بیت المال سے دینی مدارس کے بند ہونے کا خطرہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں بیت المال میں ان چیزوں کو جمع کرنا بہتر ہے یا اسلامی مدارس میں دینا بہتر ہے؟

(۳) زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مدرسین مدرسہ کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی جواز کی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمائیں؟

(۴) مسجد کی آمدنی کو مدارس پر خرچ کرنا اور اس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ وقف صرف مسجد کے لیے ہے اور مسجد کو بھی وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی ہے؟

المستفتی: رفیع اللہ قاسمی پہانی ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) بیت المال کی چار قسمیں ہیں اور چاروں کے لیے الگ الگ شرائط ولوازمات ہیں: (۱) بیت المال الخمس جس میں مال غنیمت کا خمس جمع ہوا

کرتا ہے (۲) بیت المال الخراج یعنی وہ بیت المال جس میں خراج جزیہ اور غیر مسلموں سے حاصل شدہ ٹیکس وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۳) بیت المال الضوائع یعنی وہ بیت المال جس میں لقطے اور لاوارث کا ترکہ اور لاوارث مقتول کی دیت وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۴) بیت المال الصدقات جس میں زکوٰۃ پیداوار کا عشر اور صدقات واجبہ جمع کیے جاتے ہیں اور سوالنامہ میں چوتھی قسم کے بیت المال سے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کی شرطوں میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دیانتداری اور امانتداری کے ساتھ مستحقین تک پہنچادیا جائے اور ان کو مالک بنادیا جائے اور ہندوستان جیسے ممالک میں اصل مستحق مدارس کے طلبہ ہیں، نیز ایک نظام کے تحت میں پورے ملک میں بیت المال کا چلنا ضروری ہے، تو کیا بیت المال قائم کرنے والے تمام مدارس کے اخراجات کے کفیل بن سکتے ہیں اس ملک میں میرے خیال میں اس شرط کا پورا ہونا بہت مشکل اور محال ہے بلکہ بیت المال کے نام سے جمع کر کے خیانت کا شکار ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، اس لیے جائز نہیں ہوگا، اور ایک نظام حکومت کے تحت ہونا اس لیے ضروری اور لازم ہے کہ خیانت کرنے والوں پر داروگیر کرنے والا نظام حکومت ہی ہوسکتا ہے اس لیے بغیر اس کے ممکن نہیں۔

(۲) اس پرفتن دور میں ایک طاقت وقوت کے ماتحت کے بغیر بیت المال کا وجود ممکن نہیں ہے اور یہ طاقت نظام حکومت ہی کو ہوسکتا ہے اس لیے اس کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۳، جدید مطول ۶/ ۲۹۸)

بیــوت الـــمـــال أربـعة ☆ لكل مصارف بينها العالمونا
فـأولهـا الـغـنـائم والكنوز ☆ ركـاز بـعـدهـا المتصدقونا
وثـالثهـا خراج مع عشور ☆ وجـالية يـليهـا العـاملونا
ورابعهـا الضوائع مثل مالا ☆ يـكـون لـه أنـا س وارثـونـا
فمصرف الأولين أتى بنص ☆ وثـالثهـا حـواه مـقـاتلونـا
و رابـعـهـا فـمـصرفه جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمونا

(الـدر مـع الرد، كتاب الزكاة، باب العشر، زكريا ديوبند ٤/ ٢٨١-٢٨٣، كراچی ٢/ ٣٣٧-٣٣٨)

(۳) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو بغیر عوض کے فقیر کی ملکیت میں دینا واجب ہے۔

**يشترط أن يكن الصرف تمليكا لا إباحة.** (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، كراچی ٢/ ٣٤٤)

البتہ بڑے مدارس جن میں فقہ حدیث تفسیر اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور ان میں بیرونی مستحق طلبہ ہوں اور ان کے قیام وطعام کا نظم بھی ہو تو ایسے مدارس میں اگر امداد کی رقم سے تنخواہیں پوری نہ ہوسکیں تو ضمنی طور پر حیلۂ تملیک کا طریقہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

**وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة.** (هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

(۴) جائز نہیں ہے۔

**إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۰/۲۳ھ

# ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

**سوال** [۷۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

المستفتی: ریاض الدین آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ہندوستان نہ دار الاسلام ہے اور نہ ہی دار الحرب بلکہ دونوں کے مابین دار الجمہوریہ اور دار الامن ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۹)

**وقوله لاتصير دار الإسلام دار حرب أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا أو ارتد أهل مصر و غلبوا و أجروا أحكام الكفر أو نقض أهل الذمة العهد و تغلبوا على دارهم ففى كل من هذه الصور لا تصير دار حرب.** (شامی، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب: فيما تصير به دار الإسلام دار حرب و بالعكس، زكريا ديوبند ٦/ ٢٨٨، كراچی ٤/ ١٧٤)

**لو أجريت أحكام المسلمين و أحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب.** (شامی، كراچی ٤/ ١٧٥، زكريا ديوبند ٦/ ٢٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/ ٢٩٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۰)

# وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں

**سوال** [۷۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ قومی ترانہ جس میں بھارت بھاگیہ ودھاتا (بھارت ہے مقدر بنانے والا) اور وندے ہماچل یمنا گنگا جیسے الفاظ شامل ہیں، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے یا نہیں؟

(۲) کیا وندے ماترم اور وندے ہماچل میں عقیدے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

(۳) قومی ترانہ کی مروجہ ادائیگی کا طریقہ بالکل سیدھا اور ساکت کھڑا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) قومی جھنڈے کو سلامی دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اگر یہ چیزیں ناجائز اور عقیدے کے خلاف ہیں تو مسلمانوں کو ایسی تقریبات میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مروجہ قومی ترانہ اپنے وطن ہندوستان کی

سربلندی، فتح، اور اس کی تعریف پر مشتمل ہے، ''بھارت بھاگیہ ودھاتا'' اس میں اگر خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بھارت کی قسمت بنانے والے، یہ معنی درست ہو سکتے ہیں اور اگر خطاب بھارت سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے بھارت ہی قسمت بنانے والا ہے، جو شرکیہ معنی ہے، لہٰذا یہ معنی مراد نہ لیے جائیں، ''وندے ہماچل یمنا گنگا'' اس میں لفظ ''وندے'' نہیں ہے جیسا کہ آپ کو شبہ ہو رہا ہے بلکہ اصل لفظ ''وندھ'' ہے جو وندھیاچل کا مخفف ہے، اور وندھیاچل ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (تاریخ ہند ۱۱/۸) لہٰذا یہ جملہ اسلامی عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) دونوں ترانوں میں عقیدہ کے اعتبار سے کافی فرق ہے، وندھ، ہماچل میں ہندوستان کی تعریف وغیرہ کی گئی ہے اور ''وندے ماترم'' کے مضامین شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہیں، اس ترانے میں ملک کی سرزمین کو درگا دیوی تصور کر کے اس کی تعریف میں سر جھکانے کا اعلان ہے، اور اس ترانے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر اسلامی عقیدے کے خلاف ہے، مثلاً: تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے تو ہی بازؤوں کی قوت ہے، دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے، ایک ایک مندر میں تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی، اس پورے ترانہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس ترانے کا منظر خالص مذہبی اور شرکیہ ہے جو اسلامی عقائد سے قطعاً میل نہیں کھاتا، لہٰذا اس ترانہ کو پڑھنے سے سخت اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۴۰۶، جدید مطول ۱۳/ ۲۱۵، پیغام محمود دیوبند ص: ۴۰ ۵، شمارہ ۲-۱)

(۳) قومی ترانہ کے وقت ادب سے سیدھا کھڑا رہنا اس کا احکام شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک علاقہ اور ارباب وطن کے رسم ورواج سے اس کا تعلق ہے، ہاں البتہ ترانہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ایسی حمد وثنا ہو جس کے آداب بجالانے کے لیے جذبہ ابھرتا ہو تب اس کی گنجائش ہے، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی حمد وثنا نہیں ہے تو اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) جھنڈے کو سلامی دینے کی کوئی حقیقت شریعت میں ثابت نہیں ہے، البتہ کسی

اہم کام کی کامیابی پر جھنڈا لہرانا اور گاڑنا جائز ہے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آقاء نامدار علیہ السلام کے حکم سے مسجد رایہ جس جگہ پر ہے وہیں پر اسلام کی کامیابی کا جھنڈا گاڑا گیا تھا۔

(۵) مذکورہ اعمال کے بارے میں اوپر احکام شرعیہ لکھے جاچکے ہیں، ان میں سے جو جائز پہلو ہو اس میں شرکت کی گنجائش ہے، اور جو ناجائز پہلو ہے اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

# حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا

**سوال** [۷۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا کیسا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت وفوقیت کا معیار تقویٰ اور پرہیز گاری ہے، قبائل اور ذات کی تقسیم محض پہچان کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. (حجرات: ۱۳)“

حدیث شریف میں آیا ہے ”کلکم من بنی آدم و الآدم من تراب.

حجۃ الوداع میں رسول اکرم علیہ السلام نے فخر ومباہات کی تمام دیواریں ڈھادیں تھیں، آپ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، لہٰذا ان آیات واحادیث کی روشنی میں پسماندہ اور غیر پسماندہ کی تقسیم کیسی؟

اور ”تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. (نساء: پ ۵) میں واضح ارشاد ہے کہ عہدے ان کی صلاحیت کے مطابق ملنے چاہئیں، اس کے باوجود ریزرویشن کرنا کیسا ہے، موجودہ ہندوستانی نظام میں کیا یہ تقسیم غیر انسانی وغیر اسلامی نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی

میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں اور امت کو گمراہی سے بچائیں اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں نے تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لیے اسی تقسیم کو تسلیم کرلیا ہے۔

المستفتی: منصوراحمد صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اسلام میں برتری اور ترقی کا مدار تقویٰ اور صلاحیت پر ہے، ذات و برادری پر نہیں ہے، اور قرآن وحدیث میں برادری اور قبائل کی تقسیم صرف پہچان کے لیے ہے، ذات اور عزت وشرف کی پسماندگی اور برتری صلاحیت اور تقویٰ کے اعتبار سے ہوتی ہے، کہ کسی میں تقویٰ اور صلاحیت ہے تو وہ سب پر فائق اور برتر ہوگا، چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو، اور اگر کسی میں تقویٰ اور صلاحیت نہیں ہے تو وہ پسماندہ ہے چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو اس لیے حکومت ہند کی تقسیم اسلامی شریعت کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

﴿ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. [الحجرات:۱۳] ﴾

فتح مکہ کے موقعہ پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

**عن ابن عمیر أن رسول اللہ خطب الناس یوم فتح مکة فقال: یأیھا الناس إن اللہ قد أذھب عنکم عَبِیَّة الجاھلیة و تعاظمھا بآبائھا فالناس رجلان: رجل بر تقی کریم علی اللہ، و فاجر شقی ھین علی اللہ، والناس بنو آدم، وخلق اللہ آدم من تراب، قال اللہ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ.** (سنن الترمذی، التفسیر، باب و من سورة الحجرات، النسخة الھندیة ۲/ ٦٢، دارالسلام رقم: ۳۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

## سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دو پاسپورٹ بنوانا

**سوال** [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سفارت کرتے ہیں، مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، انہوں نے دو پاسپورٹ بنوا رکھے ہیں تاکہ ہر سال باہر کے ملک کے سفر میں آسانی ہوجائے اور مدرسہ کو آمدنی ہوتی رہے، ان کو ایسا کرنا اور مدرسہ کے ذمہ داران کا ایسا جاننے کے بعد بھی ان سے چندہ کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: حامد علی مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: دو پاسپورٹ کا بنوانا سرکاری قانون کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں خود مبتلا نہ کرو: ’’وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. (بقرۃ: ۱۹۵)

ہاں البتہ ان پاسپورٹوں سے دوسرے ممالک میں جاکر جو چندہ حاصل کیا جائیگا وہ سب جائز اور حلال مال ہیں، ان کو مدرسہ میں داخل کرنا اور مدرسہ کا اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۰ھ

## بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا

**سوال** [۷۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات علماء کرام سے یہ بات آئے دن سننے کو ملتی رہتی ہے کہ وطن سے محبت جزء ایمان ہے، نیز ملک کے آئین کی خلاف ورزی خیانت ہے، ان باتوں پر قیاس کرتے ہوئے ایک بات ذہن میں آتی رہتی ہے کہ ایک طرف احادیث وقرآن میں اپنے دشمنوں کی

حفاظت کے طور پر احتیاطی اور انتظامی نظریہ سے آلات حرب (اسلحہ) رکھنے کی اجازت بلکہ تاکیدی حکم معلوم ہوتا ہے، تو دوسری طرف ملک کا قانون بلامنظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کو جرم قرار دیتا ہے، اور پکڑے جانے پر تعزیرات ہند کی مقررہ دفعات کے تحت ملزم قرار دے کر قید و بند کی سزائیں دی جاتی ہیں، قطع نظر ملکی قوانین کے بلامنظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کی شریعت میں کہاں تک اجازت ہے، کہیں یہ چیزیں بلا لائسنس کے اپنے گھر میں رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے آئین ملک میں خیانت تو نہیں؟

المستفتی: ابوحارث عثمانی علی گنج ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنا جرم ہے، اور لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے، لہٰذا اس قانون پر عمل کرنے میں شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، شریعت میں جو اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے وہ مطلق ہے، اور ہندوستانی قانون میں بھی رکھنے کی اجازت ہے، مگر لائسنس کے ساتھ، تو لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی قید لگانا شریعت کی اجازت کی مخالفت نہیں ہے، اور حکومت نے جو لائسنس کی قید لگائی ہے وہ ملکی مصلحت اور ملکی امن کے پیش نظر لگائی ہے تاکہ چور ڈکیت، بدمعاش بلا لائسنس کے ہتھیار کے ذریعہ سے ملک کے اندر نقض امن کا سبب نہ بنیں، اس لیے اگر کسی کو اسلحہ یا ہتھیار رکھنا ہے تو سرکاری قانون کی اجازت کے ساتھ رکھنا چاہیے، اس کی مخالفت کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

**عن أنس بن مالک رضی اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: اسمعوا و أطیعوا وإن استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسه زبیبة.** (صحیح البخاری، الأحکام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تکن معصیة، النسخة الهندیة ۱۰۵۷/۲، رقم: ۶۸۵۹، ف: ۷۱۴۲، مشکوٰة ۳۱۹/۲)

**عن ابن عباس یرویه قال قال رسول اللہ ﷺ: من رأی من أمیرہ شیئا یکرهه فلیصبر فإنه لیس أحد یفارق الجماعة شبرا فیموت، إلا مات**

**ميتة جاهلية.** (صحيح البخاری، الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تكن معصية، النسخة الهندية ۲/۱۰۵۷، رقم: ٦٨٦٠، ف: ٧١٤٢، سنن الدارمی، دار المغنی ۳/۱٦۳۷، رقم: ٢٥٦١، مشكوٰة ۲/۳۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۸۷۸)

# عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات

**سوال** [۷۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عالم دین ہیں اور ایک مدرسہ میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں جس کی تنخواہ پاتے ہیں، کبھی کبھی مسجد میں نماز بھی پڑھاتے ہیں جبکہ مستقل امام مقرر نہ ہو، اہل بستی کے اصرار پر گاؤں سبھا کی سیٹ سے پردھانی میں الیکشن لڑنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں جبکہ رشوت کا لین دین عام طور پر پردھان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور بغیر رشوت کے کوئی اسکیم نہیں چل پاتی، پولیس کے پاس جب کوئی جھگڑا پہنچتا ہے تو اس میں بھی جائز ناجائز ہمدردی کر کے کچھ روپیہ پیسہ رشوت کے طور پر دے کر پردھان ہی چھڑا کر لاتا ہے، جب فریقین میں جھگڑا ہوتا ہے تو بھی ایک دوسرے کے حق دلانے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) کیا ان کے پیچھے جماعت کی نماز پڑھنا درست ہے؟

(۳) ان کی کمائی ہوئی روٹی روزی حلال ہوگی؟

(۴) رشوت دینا دلانا اس میں سے کچھ پیسہ لے کر خرچ کرنا درست ہوگا؟

(۵) اوقاتِ مدرسہ میں پردھانی سے متعلق معاملات دخیل ہوں اور وہ لوگوں سے ملاقات، بات چیت کریں پھر پوری تنخواہ لیں تو درست ہوگا؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن قاسمی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) الیکشن اور گاؤں سبھا کی امیدواری کے لیے جن عالم صاحب کو مقرر کیا گیا ہے وہ خود اپنا جائزہ لے لیں اور اچھی طرح غور کرلیں کہ کیا وہ رشوت خوری کی گرم بازاری سے خود کو بچاسکتے ہیں؟ ظاہری حالات ومشاہدات سے یہ بات عیاں ہے کہ ان برائیوں سے خود کو بچانا مشکل ہے، لہٰذا خود کو اس سے محفوظ رکھنا بہتر ہے۔(مستفاد: جواہرالفقہ قدیم ۲/ ۲۹۱، جدید زکریا ۵/ ۵۳۲)

لیکن ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو کسی بھی حال میں رشوت نہیں لیتے، لہٰذا ان پر فسق وفجور کا الزام نہیں۔

(۲) اور نہ ہی ان کی امامت میں کوئی کراہت آسکتی ہے۔

(۳) رشوت کی روٹی روزی حرام ہے، لیکن کوئی رشوت نہیں لیتا اور اتفاق سے مجبوری میں دینا پڑتا ہے تو اس کی روزی روٹی بلاتر ددحلال ہے۔

(۴) نیز مجبوری کی حالت میں رشوت دینے والے پر بھی فسق وفجور کا الزام نہیں بلکہ لینے والے پر وبال ہے۔

**وفی الشامیة: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی الدافع.** (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا دیوبند ۹/ ۶۰۷، کراچی ۶/ ۴۲۳-۴۲٤)

(۵) اگر وہ مدرسے کا ناظم ومہتمم ہے اور مدرسہ کے ساتھ پردھانی کی بھی ذمہ داری سنبھالنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہترین شکل یہ ہے کہ مدرسہ میں کام کرنے والوں اور کمیٹی والوں کے مشورہ سے اوقات تقسیم کرکے مثلاً صبح کے چار گھنٹے ہیں اس میں سے دو گھنٹے مدرسہ کے لیے اور دو گھنٹہ پردھانی کے لیے، اسی طرح شام میں دو گھنٹہ ہے ایک گھنٹہ مستقل طور پر مدرسہ کے لیے اور ایک گھنٹہ عوام کی شکوہ وشکایت کے لیے مخصوص ومتعین کرلے اور نظام الاقات مشورہ سے متعین کرلے تو پوری تنخواہ لینا جائز اور درست ہے۔

**وفی القنیة: یدرس بعض النهار فی مدرسة و بعض النهار فی مدرسة أخریٰ ولایعلم شرط الواقف یستحق غلة المدرس فی المدرسین.** (البحر الرائق، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۳۵۸/۵، کوئٹہ ۲۱۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹۳/۳۶، المدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر مصرى قديم ۷۵۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت ۵۸۹/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۳ھ

# مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟

**سوال** [۵۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس دور میں مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں ہے تو بظاہر مسلمان عضو معطل بن کر رہ جائیں گے، اور اگر ضروری ہے تو اس کے لیے سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری اور سرکاری کالج و یونیورسٹیز کا ماحول لادینی کا ہے، جس کا اثر ناگزیر ہے، جیسے مشاہد ہے، سرکاری اداروں میں عمل تو بڑی بات ہے عقائد کا صحیح رکھنا دشوار ہے، اور اگر اس دہریت کے اثر سے بچ کر نکل جائے تو شاذ ہے، اور شاذ معدوم کی طرح ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے کونسی راہ ہے، کیا ان یونیورسٹیز اور کالج میں اپنے بچوں کو بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اس دور کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کے لیے ایسے مسلمانوں کو ہر زمانہ میں سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے، جو امور سیاسیہ میں ماہر اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان

کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہوں۔ (مستفاد: حجۃ اللہ البالغہ قدیم ۱/ ۱۴۸)

یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کہ سیاست میں حصہ لینے کے لیے ایسی سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے جو دہریت کا شکار ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مفتی محمود ملتانیؒ، مولانا عبدالحق حقانیؒ وغیرہم کیا دنیائے اسلام کی تاریخ میں سیاسی رہنما نہیں تھے؟ کیا ان حضرات نے دہریت آمیز تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے دین کو بگاڑا ہے، کیا ہندوستان کی تاریخ میں کوئی دہریت آمیز تعلیم یافتہ امور سیاسیہ میں ان حضرات سے آگے بڑھ کر رونما ہوسکا؟ کیا ان حضرات نے حقوق شہریت کی حفاظت کرنے کے لیے امور سیاسیہ کا کوئی گوشہ باقی چھوڑا؟ لہٰذا اب بھی امور سیاسیہ میں مناسبت اور مہارت حاصل کرنے کے لیے دہریت آمیز تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اپنے بچوں کو ایسی یونیورسٹیوں میں بھیجنا جائز ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۴)

# کیا عورتیں کمیٹی کا رکن بن سکتی ہیں؟

**سوال** [۷۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے مختلف مقامات کے مسلمانوں نے تعلیم وثقافت کی ترویج و صلاح معاشرہ وباہمی تعاون کے فروغ کی خاطر اپنے جائے قیام پر کمیٹیاں اور جماعتیں بنائی ہوئی ہیں، ان جماعتوں میں افراد مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس کے ممبر شمار ہوتے ہیں، ووٹ کے ذریعہ ان ممبروں میں سے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ درج ذیل امر میں شریعت مطہرہ کی رائے سے آگاہ فرمائیں کہ عورتیں ان جماعتوں اور کمیٹیوں کی ممبر ورکن انتظامیہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** عورت کے لیے شرعی پردہ کے ساتھ بغیر غیر محرموں سے اختلاط کے ممبری ورکن انتظامیہ کا حق اور ذمہ داری کا ادا کرنا متعذر ہے اس لیے ممنوع ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی . [الأحزاب: ۳۳]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۲)

# عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا

**سوال** [۷۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل گورنمنٹ نے یہ قانون بنا دیا کہ بعض شہر یا قصبہ میں یا قصبہ کے بعض حلقہ میں مستورات ہی چیرمینی یا ممبر کا الیکشن لڑسکتی ہیں، ظاہر بات ہے کہ اگر مسلمان عورت کھڑی ہوگی تو جلسہ میں تقریر بھی کرے گی، بے پردہ لوگوں کے سامنے بھی آئے گی، لوگوں سے بات کریگی، ووٹ مانگنے کے لیے مردوں کے پاس جاکر درخواست کریگی، چیرمین ہوکر میٹنگ میں جایا کریگی، غیر محرم لوگ اس کے پاس آکر اپنی ضروریات اور حاجات سنایا کریں گے، بے محابا اور بے پردگی کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوگی اس کے علاوہ بہت قبائح ہیں، تو کیا مسلم عورت کو الیکشن میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے، جبکہ عورت کے علاوہ مرد کی سیٹ ہی نہیں ہیں، اگر جائز ہے تو فبہا اگر نا جائز ہے تو عورت کو ووٹ دینا پھر کیسا ہے؟

المستفتی: حسیب الرحمٰن چاند پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** عورتوں پر شرعی پردہ ہر حال میں لازم ہے اور جو عورتیں الیکشن میں کھڑے ہونے کا عزم رکھتی ہیں وہ مسئلہ معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کا فکر

نہیں رکھتیں اس لیے سیاسی مسئلہ کو سیاسی مصلحت سے حاصل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

## عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

**سوال** [۷۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ دستاویز کی روسے جو بھی مرد، عورت عام ممبر بن جائے مجلس انتظامیہ وذمہ داران کی طرف سے ووٹ دینے کا اسے حق مل جاتا ہے، عورت ووٹ دینے یا لینے کی حقدار بن سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) عورت غیر محرم کو ووٹ دے کر نمائندہ بنا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وصی الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ علت کی بناء پر ووٹ ڈالنے کا شرعاً ان کو حق نہیں اور شرعی پردے کے ساتھ دینے کا حق ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۱، جدید مطول ۳/ ۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۲)

## ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

**سوال** [۷۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ائمۂ مساجد کو ماہانہ

ڈھائی ہزار روپئے وظیفہ دیا جائے گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ائمہ حضرات کے لیے مذکورہ وظیفہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ وقف کی رقم سے یہ وظیفہ ائمہ حضرات کو دیا جارہا ہے، اگر بات یہی ہے تو مذکورہ رقم کو لینے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اگر حکومت اپنے فنڈ سے ائمہ حضرات کو بطور وظیفہ ماہانہ رقم دے تو لینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ائمہ حضرات میں سے جن کو ماہانہ ڈھائی ہزار روپئے مل رہے ہیں ان میں سے بعض نے حکومت سے یہ اپیل کی ہے کہ ان کے ماہانہ وظیفہ کو بڑھا کے ساڑھے تین ہزار کیا جاوے، سوال یہ ہے کہ حکومت سے اس طرح کی اپیل کرنا یا مانگ رکھنا ازروئے شرع کیسا رہے گا؟

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ائمہ حضرات کو حکومت کی جانب سے ملنے والا وظیفہ شرعاً جائز اور درست ہے، اس وظیفہ کو مشتبہ سمجھنا خود کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، کیونکہ حکومت کو حاصل ہونے والی آمدنی کا اکثر حصہ حلال اور جائز مال ہوتا ہے، جو بطور ٹیکس مختلف ذرائع سے وصول کیا جاتا ہے اسی طرح ائمہ حضرات کا ضرورت کی بنا پر حکومت سے اس وظیفہ میں اضافہ کا مطالبہ بھی درست ہے، البتہ ہندوستان میں ہمارے اکابر نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت سے وظیفہ پانے والے حضرات حکومت کی خوشامدی کرنے لگیں گے اس لیے ائمہ حضرات کا اس وظیفہ کو لینے سے احتیاط برتنی چاہئے، بلکہ اس سے گریز لازم ہے۔

**ویفتی الیوم بالجواز علی الإمامة وتعلیم القرآن والفقه.** (مجمع الأنھر، کتاب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۳۳، مصری قدیم ۲/ ۳۸۴)

**والجزیة والخراج و مال التغلبی و ھدیة أھل الحرب یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطر والجسور و کفایة القضاة والعلماء.**

(البحر الرائق کتاب السیر، فصل فی الجزیة، کوئٹه ۵/ ۱۱۷، زکریا ۵/ ۱۹۸)

**وفی الشامی: وكذا النفقة على المساجد كما فی زكاة الخانية فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و نحوهما.** (شامی مطلب: فی مصارف بیت المال زکریا ۳۴۹/۶، کراچی ۲۱۷/۴)

**وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها.** (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات زكريا قديم ۳۴۳/۵، جديد ۳۹۷/۵)

**ويجوز للإمام والمفتی قبول الهدية و إجابة الدعوة الخاصة، ثم قال إلا أن يراد بالإمام إمام الجامع أی و أما الإمام بمعنى الوالی فلا تحل الهدية ...... والأولى فی حقهم إن كانت الهدية لأجل ما يحصل منهم من الإفتاء والوعظ والتعليم عدم القبول ليكون علمهم خالصاً لله تعالىٰ، و إن أهدى إليهم تحببا و توددا لعلمهم وصلاحهم فالأولىٰ القبول.** (شامی كتاب القضايا، مطلب فی حكم الهدية للمفتی زكريا قديم ديوبند ۴۹/۸-۵۰، كراچی ۳۷۲/۵-۳۷۳)

**درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع المفسدة غالبا.** (الأشباه قديم ص: ۱۴۷، زكريا ۲۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

# سیاسی عالم کا غیر مسلم کو رادھا کرشن کی تصویر دینا

**سوال** [۷۵۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب بڑے دیندار، صاحب علم اور سند یافتہ عالم ہیں، اور سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، اس بنا پر سماج میں ان کا کافی اثر ورسوخ ہے، انہوں نے خاص موقع پر کسی غیر مسلم سیاسی آدمی کو رادھا کرشن کی تصویر پیش کی یہ بات محتاج بیان نہیں کہ رادھا کرشن کی غیر مسلم پوجا کرتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے تئیں وہ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے:

(۱) شرعاً شخص مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۲) یہ تعاون علی الاثم میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) اس مقصد سے کہ وہ سیاسی آدمی ہمارے قومی ادارے کا کام آسان کردے گا اس طرح کی تصویر پیش کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے؟

(۴) ایسے شخص کو مدرسہ کا ذمہ دار یا ٹرسٹی بنانا کیسا ہے؟

(۵) کیا ایسے شخص کو تجدید ایمان کرنا چاہیے؟

المستفتی: رشید احمد بھوٹیرا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کا سوالنامہ میں ذکر کردہ عمل سخت گناہ کی بات ہے، کسی مقصد کے حصول کے پیش نظر ہندو سیاسی لیڈر کو رادھا کرشن وغیرہ کی تصویر پیش کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والے شخص پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

**لو أن رجلا عبد الله خمسين سنة ثم جاء يوم النيروز فأهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذٰلك اليوم فقد كفر بالله وأحبط عمله.** (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳٤۷/۷، رقم: ۱۰٦٥٦)

**لو اتخذ مجوسيا دعوة لحلق شعر رأس صبيه و دعا الناس إلى ذٰلك فحضر بعض المسلمين دعوته وأهدى إليه شيئا حيث لايكفر، وفى الخانية: والأولىٰ أن لايفعل ولايوافقهم على مثل ذٰلك.** (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳٤۷/۷ رقم: ۱۰٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۱ھ

# کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں

**سوال** [۷۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا اس شخص کو جو ہندوستانی آئین کی جو کہ غیر اسلامی ہے یا اس کے نظام باطل کی حامی کسی جماعت کی حمایت وہمنوائی کرے درحقیقت نظام باطل کا ہمنوا وحمایتی نہیں سمجھا جائیگا؟

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** آئین ہند میں جو قانون ودستور بنے ہوئے ہیں وہ جمہوری اور سیکولر ہیں، اگر حکومت ان قوانین پر مکمل طریقہ پر خود بھی عمل کرے اور تمام رعایا کو عمل کا پابند بنائے تو کسی مسلمان کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے میں کوئی پریشانی اور رکاوٹ لاحق نہیں ہوسکتی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت ان قوانین پر عمل کرتی ہے اور نہ ہی رعایا کو اس کا پابند بناتی ہے، حکومت کے عمل کا ان قوانین سے دور تک بھی تعلق نہیں رہتا ہے، اس لیے آپ نے جو سوال میں لکھا ہے شاید عمل کو دیکھ کر لکھا ہے، ورنہ فی نفسہٖ قانون ایسا خطرناک نہیں ہے، جو اسلامی زندگی کے خلاف ہو، ہاں البتہ آپ کے سوال کا مطلب شاید یہ ہو کہ آئین ہند کے خلاف مسلم دشمنی میں جو عمل ظہور میں آرہا ہے وہ اسلام کے بھی خلاف ہے، تو گویا کہ وہ اسلام کے بھی خلاف کرتے ہیں، اور آئین ہند کے مخالفین کی بھی حمایت کرتے ہیں، درحقیقت ایسے لوگوں کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ باطل کی حمایت کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

## چیرمین پر سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے

**سوال [۷۵۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ محمد حسین بیجاپور کرناٹک کے ایک گاؤں کا چیرمین ہوں، حکومت کے حوالہ سے ایک مسئلہ وضاحت طلب ہے، ہم کو سڑک درست کروانا یا کہیں سڑک بنوانا پڑتا ہے، لہٰذا ہم حکومت کو ایک معتد بہ مقدار مثلاً ایک لاکھ کا خرچ بتلاتے ہیں اور پچاس ہزار میں ہم مکمل کام

کرا لیتے ہیں، بقیہ رقم آپس میں تقسیم ہو جاتی ہے، مسئلہ ذیل میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ بقیہ پچاس ہزار رقم میں سے بیس ہزار درمیان کے کچھ افسروں کو دینا پڑتا ہے اور یہ دینا لابدی ہوتا ہے اس کے بغیر ایک لاکھ رقم حاصل ہی نہیں ہوسکتی، بقیہ تیس ہزار ہم غیر مسلموں میں تقسیم کرتے ہیں، وہ جو ہمیں الیکشن میں اپنے اپنے محلوں میں جتانے میں معاون ہوتے ہیں اور ان پر خرچ کرنا اس اعتبار سے لابدی وضروری ہوتا ہے حالانکہ ہم اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں کرتے چنانچہ سیاسی پالیسیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح رقم تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت کی طرف سے جو رقم آتی ہے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے، اور پچاس ہزار کے خرچ میں ایک لاکھ کی مانگ کرنا پھر اس کے بعد بچی ہوئی رقم کو ووٹروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حکومت کی طرف سے آئی ہوئی رقم صرف سڑک کی تعمیر کے لیے آئی ہے، ووٹروں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں آئی ہے، لہٰذا یہ جھوٹ اور غلط بیانی کے ذریعہ سے امانت میں خیانت ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

**عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا إیمان لمن لا أمانۃ لہ و لا دین لمن لا عہد لہ.** (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳، مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم ۱۳/۴۳۹، رقم: ۷۱۹۶، المعجم الأوسط، دار الفکر ۲/۸۵، رقم: ۲۶۰۶، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۳۵، رقم: ۱۲۴۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

## چیرمین کا کسی ضرورتمند کو نگر پالیکا کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا

**سوال** [۷۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر یا قصبہ میں جو زمین نگر پالیکا کے قبضہ میں ہوتی ہے اگر چیرمین صاحب کسی ضرورتمند کو بغیر کسی معاوضہ کے مشورہ کرکے دیدیں تو لینے والے غریب آدمی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاکر قصبہ ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ضرورتمند کے لیے شرعاً لینا جائز ہے، بشرطیکہ چیرمین صاحب کو حکومت کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہو کیونکہ چیرمین صاحب نگر پالیکا کی اشیاء میں تصرف کرنے میں حکومت کے وکیل ہیں۔

**أنت وكيلي في كل شيئ جائز أمرك ملك الحفظ والبيع والشراء ويملك الهبة الصدقة، حتى إذا أنفق على نفسه من ذٰلك المال جاز؛ حتى يعلم خلافه من قصد المؤكل.** (شامي، كتاب الوكالة، زكريا ديوبند ۸/۲٤۱، كراچی ۵/۵۱۰، البحر الرائق زكريا ۷/۲۳۹، كوئٹه ۷/۱٤۱، بزازيه زكريا جديد ۲/۲٤۱ وعلى هامش الهندية ۵/٤۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤۵/۲۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۵۵/۲۵)

## سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا

**سوال** [۷۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف ایک کارخانہ کا مالک ہے جس میں جیپ کار، فی ریٹ، امبیسٹر و دیگر گاڑیوں کی مرمت ہوتی ہے، اکثر و بیشتر سرکاری گاڑیاں مرمت کے لیے آتی ہیں، اس سلسلے میں ایک زحمت میرے سامنے یہ ہے کہ مثلاً میں نے ایک گاڑی کی مرمت کی جس کی اجرت وسامان کی لاگت تین ہزار روپیہ ہوئی، لیکن سرکاری کام میں یہ کرنا ہوتا ہے کہ ڈرائیور مجھ سے دس فیصد مانگتا ہے، اور بل پاس کرنے والا اس پر پندرہ فیصد مانگتا ہے، اب میری

مجبوری یہ ہے کہ جو بل تین ہزار کا ہونا چاہیے تھا وہ بل مجھے تین ہزار سات سو پچاس روپیہ کا بنانا پڑتا ہے، آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ جو زائد رقم مجھے بل میں لکھنی ہوتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ جیسا بھی ہو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمحیط مظاہری چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: سرکاری گاڑیوں کی مرمت کرنے میں آپ کا جو سامان لگتا ہے اور پھر واؤچر وغیرہ کے منظور کرانے میں آپ کو جو رقم دینا پڑتی ہے وہ تمام رقم لکھ کر سرکار کے سامنے بل بنا کر پیش کرنا اور تمام خرچہ لکھ کر وصول کرنا جائز ہے، جیسا کہ ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے۔

**ومن اشتریٰ شیئا و أغلی فی ثمنه فباعه مرابحة علی ذٰلک جاز (إلی قوله) والأصل أن عرف التجار معتبر فی بیع المرابحة فما جری العرف بإلحاقه برأس المال یلحق به ومالا فلا.** (عالمگیری، کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة والوضیفة، زکریا قدیم ۳/ ۱۶۱، جدید ۳/ ۱۵۸)

**ویضم أجرة السمسار فی ظاهر الروایة.** (عالمگیری زکریا قدیم ۳/ ۱۶۲، جدید ۳/ ۱۵۸) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۱۶ھ

## چک بندی کی شرعی حیثیت

**سوال** [۷۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ کی روشنی میں چند سوالوں کے جواب درکار ہیں تقریباً ۲۸؍ سال ہوگئے ہمارے یہاں چک بندی ہوئی تھی، اور چک بندی محکمہ کا افسر چک ناپ گیا تھا،

اور ہرایک شخص اپنے اپنے چکوں پراس وقت سے قابض ہے،اب کاشتکار اپنے چکوں کو ناپتے ہیں تو کسی کا چک کم ہے اور کسی کا زیادہ ہے اور کسی کا بالکل صحیح ہے، چک بندی آفیسر سے ناپنے میں کمی زیادتی ہوگئی ہوگی۔

(۱) اب کم والا اپنے پڑوسی سے کہتا ہے کہ میری زمین کم ہے میری زمین پوری کرو وہ کہتا ہے کہ میری زمین تو پوری ہے میں کیوں دوں، میرے پڑوسی سے مجھے دلوادو میں تجھے دیدوں گا،اب دونوں مل کر تیسرے کے پاس جاتے ہیں وہ تیسرا شخص زمین دینے کیلئے بالکل تیار نہیں تو اب یہ دوسرا شخص جس کی زمین پوری ہے وہ عنداللہ مجرم تو نہیں ہے؟

(۲) نیز چک بندی آفیسر جب چک ناپتا ناپتا جنگل کی آخری حد بندی پر پہنچتا تھا تو وہ اس کو ناپتا نہیں تھا بلکہ نشان لگا کر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یہاں سے تمہارا چک ہے، اس کو ناپتا نہیں تھا، اب کسی کا چک زیادہ ہے اور کسی کا کم ہے، اور کسی کا بالکل صحیح ہے، انہیں میں ایک ہے جس کے تین سمت چک روڈ ہے اور ایک سمت میں گاؤں ہے، نشان لگا کر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ یہ تمہارا چک ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اس کو ناپا گیا تو موقع پر یہ چک زیادہ ہے،تو اس میں زیادتی کی وجہ سے صاحب چک عنداللہ مجرم تو نہیں ہے یا ہے؟

**المستفتی:** لیاقت حسین بشن پوراغوانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس کا حصہ بالکل صحیح ہے اس پر عنداللہ کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا اور جس کے حصہ میں زیادہ آیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ زائد حصہ کم والے کے حوالے کردے کیونکہ زائد حصہ کم والے کا حق ہے،اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا اس میں آفیسر سے غلطی ہوگئی ہے اور آفیسر کی غلطی کی وجہ سے اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگا جس کے پاس زیادہ چلا گیا ہے اور حلال ہونے کے لیے سبب شرعی شرط ہے اور سبب شرعی یہی ہے کہ صاحب حق سے خرید لے یا وہ بخوشی ہبہ کردے اس کے بغیر حلال نہیں ہے۔

**عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الايمان، باب في قبض اليد عن الأموال

الحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۲/ ۱۴۱۴ھ

# عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات

**سوال** [۷۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا، اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعض کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی، جو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہوگئی یا ان کی ملازمت چلی گئی، دنیا کے ۲۸/ ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نتیجتاً عراق کو اقوام متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہو اسے ماننا پڑا، من جملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا چاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو اس کا جو بھی نقصان ہوا اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائیگا اور شرط کے مطابق امریکہ واقوام متحدہ عراق کے تیل کے کنوؤں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھیں گے اقوام متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجبار کیا جائیگا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی جب مکمل انجبار ہو جائیگا، تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائیں گے، اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کیے اس میں جس کا جو بھی نقصان ہوا، اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے (۱) A فارم

(۲) C فارم (۳) D فارم: A فارم میں جولوگ وہاں مقیم تھے ان کو اپنے نام وغیرہ کی تفصیل درج کرنی تھی اس فارم والوں کے لیے امریکہ و اقوام متحدہ نے ایک رقم ہی طے کردی ہے کہ جولوگ وہاں مقیم تھے ان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D.C فارم: اس فارم میں جولوگ مقیم تھے ان کے مالی نقصانات کی بنا پر یا ذہنی کوفت یا ملازمت کے چلے جانے کی بنا پر ایک مدت تک بیکار رہنے کا جو بھی کلیم/مقدمہ کرنا ہوا سے اس فارم میں درج کیا جاتا، اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی، وہیں پر اپنے نقصان سے کئی گنا زائد اکثر لوگوں نے لکھا اس کے بعد جب فارم امریکہ اور اقوام متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جتنا جس نے نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر ہندوستان کا حکومت ہند کو سپرد کردیا، جو جستہ جستہ ہر ایک کو بینک کے قوانین کے مطابق مل جائیگا اس موقع پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

(۱) ایک مسلم ملک اگر کسی دوسرے ملک پر حملہ کر کے اس پر غلبہ پا کر قبضہ کرلے تو کیا قابض ملک اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

(۲) قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی / غیر ملکی باشندگان کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بنا پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو اب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے حالانکہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے، یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کردیں تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں بلکہ مقامی ذمہ دار یا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہو جائیگی تو اس کا حل کیا ہوگا؟

(۴) کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟

(۵) اگر لے سکتے ہیں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا مصرف کیا ہوگا اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

(۶) بعض حضرات نے اس موقعہ پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کر کے اس کا تاوان لکھوایا ہے، تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

(۷) جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زر تبادلہ کی شرح ۷۵/ روپیہ تھی لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵/ یا ۱۰/ روپیہ تک ہوگیا بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زر تبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا اسے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا یا نہیں؟

(۸) بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی، جو بھی ہو بعد میں دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو نہ وہ ملازمت رہی یا وہ ملازمت رہی مگر شرح تنخواہ وہ نہ رہی بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی معاوضہ مالی لے سکتے ہیں؟

(۹) بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جا سکے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے، اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۰) وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپیہ ویزا کے خرچ کر کے گئے تھے ان میں سے بعض حضرات کو تو ابھی پہنچے ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ اٹھا بھی نہیں پایا تھا تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائیگا؟

(۱۱) بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے اور بہت کچھ کمایا بھی کیا وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

(۱۲) بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟

(۱۳) اگر ازروئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسہ ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے قرضہ کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۴) معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوام متحدہ نے حکومت ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے، تو اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ حکومت ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سود قرار دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا۔

(۱۵) اقوام متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے، یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومت ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا، امید ہے کہ ان سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد انور فلاحی، محمد خالد رشید، دار العلوم لونا واڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب عراق سے الگ کویت ایک مستقل مسلم حکومت ہے تو عراق کا کویت پر قبضہ کر کے اس کو اپنے ملک کا حصہ قرار دینا ناجائز اور غاصبانہ قبضہ ہے، اس پر غصب کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

(۲) مقبوضہ ملک کویت واپس ہو جانے کے بعد اگر کویت حکومت اور اس کے ملکی و غیر ملکی باشندوں کے مالی نقصانات کا عراق سے انجبار کرنے پر قدرت ہو چکی ہے، تو واجبی نقصانات کا انجبار جائز اور درست ہوگا۔

**وإن نقص في يده ضمن النقصان لأنه دخل جميع أجزائه في ضمانه بالغصب فما تعذر رد عينه يجب رد قيمته.** (هدايه، كتاب الغصب اشرفى ۳/ ۳۷۴)

(۳) واجبی نقصان سے زیادہ لکھوا کر زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور جن لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے، ان کا نقصان لکھوا کر کچھ حاصل کرنا بھی ناجائز اور جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ. [الحج: ۳۰]﴾

اب اگر ناحق رقم یا زائد رقم حاصل ہوگئی ہے اور اس کو واپس کرنے میں حکومت عراق تک واپسی ممکن نہیں ہے تو اس رقم کو فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/۳۵۹، رقم: ۵۹)

(۴) جی ہاں مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں۔

(۵) زائد رقم کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

(۶) ذہنی کوفت کا مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے لے لیا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا لازم ہوگا، البتہ ذہنی کوفت جس نے کسی مسلمان کو پہنچائی وہ گنہگار ہوگا مگر اس کا مالی معاوضہ نہیں۔

(۷) کرنسیوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لیے اس نقصان کا کوئی انجبار نہیں ہے، نیز آپ نے خود اپنے فعل اور اختیار سے تبادلہ کیا ہے اس لیے اس نقصان کا بدلہ نہیں ہے۔

(۸) جن کی تنخواہیں کم ہوگئی ہیں ان کو تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کرنا جائز ہے مگر اس کمی کا ذمہ دار عراق نہیں ہے، بلکہ کویت حکومت ہے، کیونکہ آپ کویت کے ملازم ہیں عراق کے نہیں، اور جن کی ملازمت ختم ہوگئی ہے ان کو ملازمت بحال کرنے کا مطالبہ جائز ہے، البتہ عراق کے قبضہ اور جنگ کے زمانہ میں جو نقصان ہوا ہے وہ عراق سے وصول کرنا جائز ہوگا، اور ملازمت کا مالی معاوضہ کسی طرح ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ کی ملازمت کب تک رہے گی اور آپ کب تک زندہ رہیں گے اس کا علم کسی کو نہیں ہے۔

(۹) اگر وہ لوگ دوبارہ جا کر ملازمت میں لگ جاتے ہیں تو درمیان کے نقصان کا انجبار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) جو لوگ ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک خرچ شدہ رقم وصول نہیں ہو پائی تھی کہ عراق کا قبضہ ہو کر پورا نقصان ہو گیا ہے تو جتنا نقصان ہوا

اتنے کا انجبار جائز ہوگا۔

(۱۱) جن لوگوں نے وہاں جا کر سالوں سے کمایا ان کے لیے ویزا خرچ لینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ویزا اور سفر سے پورا فائدہ حاصل کرلیا ہے۔

(۱۲) مساجد و مدارس میں واجبی رقم میں سے دے سکتے ہیں، زائد رقم میں سے دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس رقم میں سے دینا جائز ہوگا جو جھوٹے دعویٰ سے حاصل کیا گیا ہے۔

(۱۳) جو لوگ خود مستحقین زکوٰۃ ہیں ان کے لیے زائد رقم کا خود استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ خود مصرف ہیں۔

(۱۴) جو سود حکومت ہند یا اقوام متحدہ کی طرف سے مل رہا ہے ان میں سے حکومت ہند سے حاصل ہونے والا سود فقراء میں تقسیم کردیں اور اقوام متحدہ سے ملنے والا سود خود استعمال کرسکتے ہیں کیونکہ اقوام متحدہ درحقیقت امریکہ کے زیر تحت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۵ھ

# کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا

**سوال** [۷۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت حکومت کی طرف سے ایک فنڈ غریب محتاج بیوہ بوڑھے اور معذور لوگوں کو گاؤں کے ذمہ داروں یعنی پردھان، سرپنچ اور قصبات میں چیرمین ودیگر ممبران نگر پالیکا کی سفارش پر ایک سو روپیہ ماہانہ منظوری پر ملتا ہے، اگر کوئی آدمی ایسا ہو جس کے پاس جائیداد بھی ہو اور اس کے لڑکے اچھی کمائی کرتے ہوں بظاہر ان کو کوئی بھی محتاجگی نہیں بلکہ خود کفیل ہیں ایسے لوگوں کے لیے حکومت کے فنڈ کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فرید نگر ٹھاکردوارہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر مذکورہ فنڈ صرف غریب محتاجوں کے لیے قائم کیا گیا ہے تو سوالنامہ میں جن ذمہ داروں کی تصدیق کی بات ہے ان کے سامنے خود اپنے آپ کو کفیل ہونے کی بات ظاہر کر دینا ہوگا اگر ظاہر کرنے کے باوجود ملتا ہے تو اس کا لینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہوگا اگر کذب بیانی سے کام لیا گیا تو لینا جائز نہیں ہوگا۔

**عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه.** (شعب الإیمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی.** (قواعد الفقه اشرفیه دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

## ۶۰/ سال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم

**سوال** [۷۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے ۶۰/ سال کے اوپر کی عمر والوں کو کچھ روپئے اور غلہ ملتا ہے اسے لینا کیسا ہے، حکومت ہند کی طرف سے بوڑھوں بیواؤں کے لیے خصوصی امداد ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

**المستفتی**: حاجی چھوٹے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: عمر کے ایک خاص عرصہ میں پہنچ کر سرکار کی جانب سے جو رقم غلہ وغیرہ امداد کی شکل میں ملتی ہے وہ سرکار کی جانب سے تبرع اور عطیہ ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا بلا شک وشبہ جائز اور درست ہے۔

**عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: من وهب هبة، فهو أحق بها، مالم يثب منها.** (المستدرك، البیوع، دار البشائر الإسلامیة ۳/ ۸۷۵، رقم: ۲۳۲۳، سنن الدار قطنی، البیوع، دار الكتب العلمیة بیروت ۳/ ۳۸، رقم: ۲۹۵۰)

**حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له.** (تاتارخانية، كتاب الهبة، زكریا ۱۴/ ۴۱۳، رقم: ۲۱۵۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

## حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت

**سوال** [۷۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت عوام کو بطور امداد کے کاروبار کرنے کے لیے روپئے دیتی ہے جس میں کا نصف روپیہ حکومت کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور نصف معاف ہوتا ہے مثلاً چار ہزار روپئے حکومت سے لیے اس سے کاروبار کیا پھر حکومت کو دو ہزار روپیہ واپس کر دیا باقی سب تاجر کا ہو گیا ہے تو کیا اس طرح حکومت سے روپئے لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

(۲) حکومت سے چار ہزار لے کر اسی کے قانون کے مطابق دو ہزار حکومت کو واپس کر دے، اور بقیہ دو ہزار سے عوام الناس کے لیے یا اپنے لیے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں؟

**المستفتی:** زین العابدین سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر حکومت نصف معاف کر دیتی ہے تو اس کا حکم شرعاً تبرع کے ہے، شرعی طور سے خود مالک ہو جاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، اپنے بچوں پر، تعمیر مکان، تعمیر بیت الخلاء اپنے لیے یا غیر کے لیے ہر امر جائز ہے، اس کے صرف کرنے میں من جانب شرع کوئی پابندی نہیں ہے۔

**ويكون متبرعاً على المدعى عليه كما لو تبرع بقضاء الدين.** (هدايه، كتاب الصلح، باب التبرع بالصلح والتوكيل، اشرفى ۳/ ۲۵۰)

**العفو إنما يسقط ما كان مستحقا للعافى خاصة.** (قواعد الفقه اشرفى ص: ۹۳، رقم: ۱۹۱)

**وهبة الدين ممن عليه إبراء.** (هدايهط كتاب الهبة، باب ما يصح رجوع و مالا يصح، اشرفى ۳/ ۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۱۸)

# فسادزدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا

**سوال** [۷۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فساد کے دوران مرنے والوں کے وارثوں کو جو حکومت امداد دیتی ہے کیا وہ جائز ہے اور مالی نقصان کے بارے میں بھی کیا حکومت سے ملنے والی امداد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین محلّہ پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب حکومت اپنی طرف سے فسادزدہ علاقہ کے لوگوں کے ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے اور شہید ہونے والوں کے ورثاء کو مخصوص مقدار میں مال تو وارثوں اور حقداروں کو لینا جائز ہے، اگرچہ ورثاء اور حقدار صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں۔

**ما كان على وجه التبرع يستوى فيه الغنى والفقير.** (قواعد الفقه اشرفى ص: ۱۱٦، رقم: ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۷)

# دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا

**سوال** [۷۵۶۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ کی جانب سے دوکانداروں کے لیے یہ اسکیم نکلی ہے کہ جو دوکانیں رجسٹرڈ ہیں ان کے مالک فارم بھر کر بھیج دیں اگر کوئی دوکاندار مرتا ہے کسی حادثہ میں تو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ دیا جائیگا تو کیا روپیہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: دوکاندار شیر کوٹ بازار بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** دوکانداروں کے لیے یہ ایک نیا قانون نکلا ہے کہ جس دوکان کا رجسٹریشن ہو جائے اور دوکاندار کسی حادثہ میں یا یوں ہی مرجائے تو حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ بطور تعاون دیا جاتا ہے یہ حکومت کا تعاون دوکانداروں کے لیے بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۶، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۵)

**أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه.** (عالمگيری، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

# مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا

**سوال** [۷۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آٹھ سو روپیہ حکومت لیتی ہے اور لوگوں کو بیت الخلاء بنانے کے لیے تقریباً

ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان دیتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ حکومت ان غریبوں کو جو غیر صاحب نصاب ہوتے ہیں بیس ہزار روپیہ مکان بنانے کے لیے دیتی ہے تو اس غیر صاحب نصاب کا ان روپیوں کو لینا جائز ہے یا نہیں اور جو صاحب نصاب ہو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حکومت آٹھ سو روپیہ لے کر بیت الخلاء بنانے کے لیے ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان اسی طرح غریبوں کو مکان بنانے کے لیے چوبیس ہزار روپئے دیتی ہے یہ حکومت کی جانب سے امداد ہے اور حکومت کی امداد غریب و مالدار سب کے لیے یکساں طور پر حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۷، جدید زکریا دیوبند ۱۰/ ۲۲۵)

**أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه ناخذ مالم نعرف شيئا حراما و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه ...... أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة السلطان.** (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشرفي الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

# سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا

**سوال [۷۵۷۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک لڑکا ہے اس کی تنخواہ بارہ سو روپیہ ماہانہ ہے اس کے دو بچے ہیں کل ملا کر ہم چار لوگ ہیں، میں آپ سے یہ مشورہ لینا چاہتی ہوں کہ میری ماں بہنیں ہماری حالت دیکھتے ہوئے سمجھاتی ہیں کہ سرکار کے پاس سے جو مہینہ آتا ہے اس کا فارم تم بھی بھر دو تو کیا یہ

پیسہ میں لے سکتی ہوں، کیا میں یہ فارم بھر سکتی ہوں، اس بات کو سمجھ کر اللہ کے واسطے مشورہ دیں کہ کیا میں اس کام کو کر سکتی ہوں؟

دوسری بات یہ ہے کہ دو سال پہلے رمضان میں میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارا خرچ کیسے چلے گا؟ تو ایک انجان عورت آئی اور ایک ہزار روپیہ دینے لگی، میں نے منع کر دیا، پر وہ زبردستی دے گئی اور بھی دو تین ماں بہنیں پیسے دیتی ہیں، تو کیا ہم لے لیں کیا یہ پیسہ لینا گناہ تو نہیں؟

**المستفتی:** نور جہاں بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر آپ کی ضرورت بیٹے کی تنخواہ بارہ سو روپیہ سے پوری نہیں ہوتی ہے تو سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا شرعاً جائز ہے اسی طرح جو بہنیں تعاون کرتی رہتی ہیں اس کے لینے میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔

**عن قبیصة بن مخارق الهلالي قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله ﷺ أسأله فيها، فقال: أقم، حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لک بها، قال: ثم قال: يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسئلة حتى يصيبها، ثم يمسک، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سدادا من عيش و رجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سداداً من عيش، فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا.** (مسلم شریف، باب من تحل له المسألة، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۴، بيت الأفكار رقم: ۱۰۴۴، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۱۰۴۴، رقم: ۱۷۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۲۶ھ

# نومسلمہ کا اپنا ہندوانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا

**سوال** [۷۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نومسلمہ عورت جو پہلے ذات کی چمارن تھی، اس نے مذہب اسلام قبول کیا اور ایک چودھری مسلمان شخص سے نکاح کرلیا، ابھی حال ہی میں پنچایتی انتخاب میں اس نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی ہے، لیکن وہ سیٹ پچھڑی ذات کے لوگوں کے لیے مختص تھی، مذکورہ عورت نے اپنے سابقہ مذہب ونام کو بتلا کر کہ میں چمارن ہوں، میرا نام فلانہ ہے، الیکشن لڑا۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی عورت جس نے اپنے آپ کو چمارن یعنی کافر ہندو کہا ہو اور بھری عدالت یا کچہری میں کہنا پڑیگا، تو کیا مسلمان رہی یا اسلام سے پھر کر مرتد ہوگئی؟ نیز اس عورت کو اپنے سابقہ نام ''میوادیوی'' چمارن کے نام سے ہی دستخط کرنا پڑیگا کیا اس کو ہر مرتبہ تجدید ایمان کرنا پڑیگا، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۳۸۴ کے فتویٰ ۸۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت دائرہ ایمان سے خارج ہے، اور امداد الفتاویٰ ۴/۵۹۳-۵۹۴ میں حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہے، بلکہ احتیاطاً تجدید ایمان ونکاح کرنالازم ہے؟

المستفتی: محمد آزاد بیگ بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسئولہ صورت میں عورت کی جانب سے نہ تو کفر کا اقرار ہے اور نہ مذہب اسلام کا انکار ہے اس بناء پر محض چمارن اور ہندوانی نام بتانے سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا زوجین اپنے نکاح پر علی حالہ باقی ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید مطول ۱/۶۰۹، قدیم ۱/۳۷، عزیز الفتاویٰ قدیم ۱/۷۱)

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد قال بعض أصحابنا لايكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر. (البحر

الرائق، کتاب السير، باب أحکام المرتدين، کوئٹه ٥/ ١٢٥، زکریا ٥/ ٢١٠، شامی کراچی ٤/ ٢٢٤، زکریا ٦/ ٣٥٨، هندیه زکریا قدیم ٢/ ٢٧٦، جدید ٢/ ٢٨٧)

**لايفتى بكفر مسلم إذا كان في كفره خلاف.** (در مختار زکریا ٦/ ٣٦٧، کراچی ٤/ ٢٤٠)

**ويؤمر بالاستغفار والتوبة.** (در مختار علی الشامی زکریا ٦/ ٣٩٠، کراچی ٤/ ٢٣٠، ٤/ ٢٤٧)

البتہ عورت کا یہ عمل اور اس طرح فریب دیکر ووٹ حاصل کرنا اسلامی رو سے درست نہیں ہے یہ اس کی جانب سے دھوکہ اور فریب کاری ہے اور دھوکہ وفریب کاری کی وجہ سے انسان فاسق تو ہو جاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا، لہٰذا یہ عورت اس عمل کی وجہ سے فاسق تو ہے کافر نہیں، اس بنا پر اس کیلیے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

**والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان على أن مرتكب الكبيرة فاسق.** (شرح عقائد نعيميه ديو بند ص: ١٠٩)

اور سوالنامہ میں جو امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں پر یہ صورت نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ دار العلوم تو صراحتاً کفر کا اقرار اور اسلام کا انکار ہے، اس بناء پر اس سے استدلال کر کے اس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٣۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ☆

# ۲۳ كتاب القضاء

## ۱ باب ما يتعلق بنفس القضاء

## غیراسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور

### نظام قضاء کی اہمیت

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کے لیے نظام قضاء قائم کرنا اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لیے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا. [آل عمران: ۱۰۳]﴾

اور تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اور ان کے مشورہ کے مطابق اپنے معاملات طے کریں۔

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [النحل: ۴۳]﴾

اور ایک جگہ فرمایا کہ ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلیے خدا اور رسول اور مسلم سربراہوں کی اطاعت ضروری اور لازم ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء الٰہی اور منشاء رسول کے مطابق حل کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں

کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا:

﴿قال الله تعالیٰ: **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ**. [النساء: ۵۹]﴾

اور امارت وخلافت اور ولایت اور قضاء اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی، شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی مدنی اور شہری زندگی گذارنے میں امیر و قاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر مرجاتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور خالی ہاتھ دربارِ الٰہی میں ان کی پیشی ہوگی۔

**عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة -إلى- سمعت رسول الله ﷺ يقول: من خلع يداً من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية.** (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة المسلمين عند ظهور الفتن، النسخة الهندية ۲/۱۲۸، بيت الأفكار رقم: ۱۸۵۰)

نظام قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ نصوص قرآنیہ اور حدیث نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ نظام قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو عہدۂ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا ہے:

**عن أبى هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من ولى القضاء أو جعل قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين.** (سنن الترمذى، أبواب الأحكام، باب ما

جاء عن رسول الله ﷺ فی القاضی، النسخة الهندية ۱/۲٤۷، دار السلام رقم: ۱۳۲۵، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱٤٦/۱۵، رقم: ۸٤۷۲، حجة الله البالغة ۲/۱٦٦، بنایه قدیم ۳/۳۷۱، جدید اشرفیه دیو بند ۱۱/۹)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲٦۷۸

# غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظامِ قضاء

**سوال** [۷۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے، وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی اور عائلی مسائل کے حل کے لیے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں، اور اگر حکومت کی طرف سے اقتدار حاصل نہیں ہے، تو اقتدار حاصل ہونے تک کے لیے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کا عہدۂ قضاء کے لیے انتخاب جائز اور درست ہوگا وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ قدیم ۳/ ۳۰۷، جدید ا/ ۳۵۳، امداد المفتیین، کراچی ۲/ ۸۹۴)

نیز کسی مسلم والی کی تلاش وجستجو جاری رکھنا ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن واجب ہے، تاکہ نظم ونسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشاء شریعت کے مطابق جاری ہو سکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے، جیسا کہ آگے شامی اور بحر کی عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے:

**ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال و إمام للجمعة وتحته فى الشامية: وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد و يصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.** (الدر المختار مع الشامی، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفة دعى إلى القضاء ثلاث مرات، فأبى، كراچی ٥/٣٦٨-٣٦٩، زكريا ٨/٤٣-٤٤، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

اوراب چونکہ ہندوستان میں شرعی امارت اورولایت کا قیام عمل میں آچکا ہےاوراسی کے ذیل میں امیراوروالی شرعی کا تعین بھی ہو چکا ہےاس لیےامیرشرعی کی جانب سے قاضی شرعی کا تقرربھی درست ہوسکتا ہے،اورکتب فقہ کی بےشمار عبارتوں سےاس کی تائید ملتی ہے، اورمسئلہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے شامی و فتح القدیراور بحر کے حوالے سے چند فقہی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ تا تارخانیہاورجامع الفصولین کےحوالہ سےرقمطراز ہیں:

**وأما بلاد عليها ولاة الكفار (إلى قوله) أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.**

(شامی كراچی ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣)

(۲) علامہ ابن نجیمؒ مصری البحرالرائق میں نقل فرماتے ہیں:

**وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضى بتراضى المسلمين و يجب عليهم طلب وال مسلم الخ.**

(البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

(۳) علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں نقل فرماتے ہیں:

**إذا لم يكن سلطان و لا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة فى بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذى**

**يقضي بينهم.** (فتح القدير، دار الفكر بيروت۷/ ۲٦٤، کوئٹہ ٦/ ۳٦٥، زکریا ۷/ ۲٤٦،

فتاویٰ عبد الحی ۲/ ۳۰۷، کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۷، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۷)

اب مذکورہ عبارات پر غور کیا جائے تو حسب ذیل پانچ امور منکشف ہوسکتے ہیں:

(۱) شامی اور بحر کی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ جب مسلم والی کی طرف سے قاضی کا تقرر نہ ہوسکتا ہو۔

(۲) مسلمانوں پر انتخاب والی اور امیر کی تگ ودو اور سعی کرنا لازم اور واجب ہے تاکہ اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو سکے۔

(۳) فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے کہ غیر اسلامی ممالک کے تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی فرد پر متفق ہوکر اس کو اپنا والی اور امیر بنالیں۔

(۴) وہی والی قاضی کا تقرر کیا کرے گا۔

(۵) اگر کسی وجہ سے قاضی کا تقرر نہ ہو تو والی خود فریضۂ قضاء انجام دیا کرے، اور ان عبارات سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم امیر وقاضی کے حق میں صحت امارت وصحت قضاء کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت میں اس مدعی کی تائیدی صراحت بھی موجود ہے کہ حاکم کے بحیثیت حاکم ہونے کے لیے قوت نافذہ شرط نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر زائد ہے۔

## واجب الطاعۃ کا مصداق

تین ذمہ دار بالکل الگ الگ ہیں: (۱) جس کو قوت عسکری حاصل ہوتی ہے اس کے ہر جائز حکم کی تعمیل ہر فرد پر واجب ہوتی ہے، اور عدم تعمیل میں باغی وعاصی ہوگا اسی کو واجب الطاعۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور یہ سلطان کی صفت ہوتی ہے۔

(۲) جس کو قوت عسکری حاصل نہ ہو بلکہ صرف قوت ارادی حاصل ہو اس کے ہر حکم کی تعمیل عام لوگوں پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف اس معاملہ کے فریقوں پر واجب ہوتی ہے جو اس

کے پاس پیش کیا جائے، فیصلہ سے قبل وبعد ہر حال میں واجب ہے، اور یہی قاضی کی صفت ہے۔

(۳) حکم جس کی قوت کا مدار فریقین پر ہے، لیکن فیصلہ کے بعد پھر اس کی تعمیل بھی فریقین پر واجب ہو جاتی ہے۔

(۴) اور اس مقالہ میں جہاں جہاں واجب الطاعۃ کا لفظ آیا ہے اس سے قسم اول ہی مراد ہے۔

**الحاكم من حيث هو حاكم ليس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكمافقد يفوض إليه التنفيذ وقد لايندرج في ولايته.**

(الحيلة الناجزة جديد امارت شرعيه هند ص: ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

## ایک اہم شبہ

بعض احباب کو فتح القدیر کی عبارت:

**وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم.** (فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦)

اور اس جیسی عبارتوں سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جن غیر مسلم حکومت میں مسلمان امیر و والی مقرر کرنا واجب اور لازم ہے یا تراضی سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے ان سے وہ ممالک مراد ہیں جہاں کے مسلمانوں نے والی کافر کو مال دے کر اختیار و اقتدار حاصل کر لیا ہے اگرچہ بیرونی سطح پر کفار کا غلبہ ہے، لیکن اندرونی سطح پر اقتدار اور قوتِ قاہرہ مسلمانوں کو حاصل ہے، لہٰذا جن ممالک میں مسلمانوں کو نہ بیرونی سطح پر قوت حاصل ہے اور نہ ہی اندرونی سطح پر تو ایسے ممالک میں تراضئ مسلمین سے والی یا قاضی کا تقرر درست نہ ہونا چاہیے، اور ہندوستان ان ممالک میں سے ہے کہ جن کے اکثر بلاد ایسے ہیں کہ جہاں کے مسلمانوں کو اندرونی سطح پر بھی با اختیار اقتدار حاصل نہیں ہے اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں نظام امارت اور نظام قضاء کی بات بے فائدہ معلوم ہوتی ہے۔

# شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام

اگر تمام بلاد اور امصار کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس طرح کے شبہات کی نوبت نہ آئیگی اور تجزیہ کرنے میں بلاد کی سات قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ بلادِ اسلام ہیں جہاں خود خلیفۃ المسلمین موجود ہو اور اپنی ولایت عامہ کے ذریعہ سے قضاۃ کا تقرر کرتا ہو اور خلیفۃ المسلمین کا مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور اس کا ظالم اور جابر ہونا بھی ناقابل تصور ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ بلاد اسلام ہیں جہاں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے والی وسلطان کا تقرر کیا جاتا ہے اور یہ والی اگرچہ ظالم ہو لیکن مسلمان ہونا شرط ہے پھر یہی والی قضاۃ کا تقرر کیا کرے گا، اور بلاد کی ان دونوں قسموں کی طرف علامہ تمرتاشیؒ نے تنویر الابصار میں:

**ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر.** (تنویر الابصار مع الدر کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ایسے ممالک میں تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب درست نہ ہوگا اور عالمگیری وغیرہ کا جزئیہ:

**لایصیر قاضیا.** (هندیه کتاب أدب القاضی الباب الخامس فی التقلید والعزل زکریا قدیم ۳/۳۱۵، جدید ۳/۲۸۳)

ایسے ممالک کا مصداق ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ بلاد ہیں جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اور بعد میں کفار کا تسلط ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں نے مال دے کر یا صلح کے ذریعہ سے اندرونی سطح پر اقتدار حاصل کر لیا ہے اور سلطان کافر نے مسلم والی مقرر کر دیا ہے اور پھر مسلم والی اپنی طرف سے قضاۃ کا تقرر کیا کرتا ہے، ایسے بلاد میں اندرونی سطح پر کفار کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے، اس لیے ایسے بلاد درحقیقت دارالاسلام ہیں، انہیں ممالک کی طرف علامہ شامیؒ نے تاتارخانیہ کی عبارت:

**وبلاد الإسلام التی فی أیدی الکفرة لا شک أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم یظهروا فیها حکم الکفر والقضاة مسلمون.** (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/۳٦۸، زکریا ۸/٤۳)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے اور اشکال میں درج کردہ فتح القدیر کی عبارت ’’یجعلونہ والیا فیولی قاضیا‘‘ جس کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کے اخیر میں اشکال پیش فرمایا ہے اس کا مصداق بھی اسی تیسری قسم کے بلاد ہیں۔

(۴) چوتھی قسم کے وہ بلاد ہیں کہ جن پر باقاعدہ کفار کا تسلط ہو چکا ہے، اور اندرونی اور بیرونی ہر طرح کا اقتدار کفار کو حاصل ہے، اور کفار نے کسی مسلمان کو مسلم پرسنل لاء کے لیے والی تو نہیں بنایا ہے لیکن اپنی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر کر دیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے شرعی قاضی ہونے کے لیے تراضیٔ مسلمین شرط ہے اور اس چوتھی قسم کے بلاد کی طرف علامہ شامی نے درمختار کی عبارت ’’ولو کان کافرا‘‘ کے ذیل میں تاتارخانیۃ کی عبارت:

**الإسلام لیس بشرط فیه أی فی السلطان الذی یقلد.** (شامی، کراچی ۵/۳٦۸، زکریا ۸/٤۳)

اور چند سطور کے بعد:

**ولکن إذا ولی الکافر علیهم قاضیا و رضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبهة.** (شامی، کراچی ۵/۳٦۹، زکریا ۸/٤٤)

کے ذریعہ سے نوٹ فرمایا ہے اور یہ بلاد دارالاسلام کے دائرہ میں نہیں آتے، ہاں البتہ دارالجمہوریہ کے دائرے میں آنا ممکن ہے۔

(۵) پانچویں قسم وہ بلاد ہیں کہ جن میں کفار نے بیرونی سطح کے ساتھ ساتھ اندرونی سطح پر بھی اپنا اقتدار جما رکھا ہے، اور اپنی طرف سے والیٔ مسلم کا تقرر بھی نہیں کیا اور نہ ہی مسلم قاضی کا تقرر کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء میں آزادی بھی ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر اپنے پرسنل لاء کے لیے امیر اور والی کا انتخاب کرنا واجب

ہے اور اگر امیر کا انتخاب عمل میں نہ آسکے تو جب تک امیر منتخب نہ ہو جائے اس وقت تک کے لیے تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر کرنا جائز اور درست ہے اور اس مدعیٰ کو علامہ ابن نجیمؒ مصری اور صاحب جامع الفصولین اور علامہ شامی نے

**وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم، هٰذا بألفاظ البحر وعبارة الشامي يجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.** (البحر الرائق کوئٹہ ٦/ ٢٧٤، زکریا ٦/ ٤٦١، جامع الفصولین ١/ ١١، شامی کراچی ٥/ ٣٦٩، زکریا ٨/ ٤٣)

جیسی عبارتوں کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے اور ہندوستان جیسے ممالک کے بلاشبہ پانچویں قسم کے بلاد کے دائرے میں داخل ہونے میں کسی کو انکار نہ ہوگا اور اس جیسے ممالک میں نظام قضاء کے جواز میں کسی فقیہ کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(٦) چھٹی قسم وہ بلاد ہیں جہاں کوئی مستقل سلطان نہ ہو بلکہ قبائلی نظام ہو اور ہر قبیلہ کا الگ الگ امیر ہو کہ وہ بزورطاقت امیر بن بیٹھا ہو یا قبیلہ کا منتخب کردہ امیر ہو تو ایسے بلاد میں وہی امیر بمنزلۂ سلطان کے ہے اور اس کو قاضیٔ شرعی منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اسی کی طرف علامہ شامیؒ نے

**ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذٰلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم.** (شامی، کراچی ٥/ ٣٦٩، زکریا ٨/ ٤٤)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

(٧) ساتویں قسم وہ بلاد کفار ہیں جہاں کے مسلمان بالکل بےبس ہیں اور ان کو حکومت کی طرف سے کسی طرح کی مذہبی آزادی نہیں ہے اور کھلم کھلا طور پر مذہبی تعلیم و تنظیم کی بھی اجازت نہیں ہے، وہاں کے مسلمان نظام قضاء کے مخاطب و مکلّف نہیں ہیں، وہاں کے مسلمان خفیہ طور پر پنچایتوں کے ذریعہ ذاتی معاملات طے کریں گے لہٰذا ہندوستان اشکال میں پیش کردہ عبارت کے ذیل میں نہیں آئیگا۔

## غیر اسلامی ممالک میں امیر وقاضی بننے کے لیے ہر حلقہ کے اہل حل وعقد کی رضا شرط ہے

اب اخیر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانے کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں والی اور امیر مسلم کی طرف سے انتخاب قاضی کے تصور کے لیے یہ بات شرط کے درجے میں ہوگی کہ امیر شریعت کا انتخاب ہر اس حلقہ کے علماء اور اہل حل وعقد نے کیا ہو، جہاں امیر کے زیر تحت قاضی کا تقرر کیا جارہا ہے ورنہ تین امور میں سے ایک لازم ہوگا:

(۱) ہر حلقہ کے نمائندوں کو بلاکر تجدید امارت کی جائے۔

(۲) جن حلقوں کے نمائندے قیام امارت کے وقت انتخاب امیر میں شرکت نہ کرسکیں ان سے دوبارہ رضامندی لی جائے۔

(۳) وہاں پر قاضی کے انتخاب کے لیے وہاں کے مسلمانوں کی تراضی کوملحوظ رکھا جائے لہٰذا ایسے حلقہ کے لوگ جنہوں نے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے وہ اگر امیر اور قاضی کی ماتحتی قبول نہ کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں یا امیر کے ہاتھ پر بیعت تو کرلی ہے لیکن امیر کی طرف سے بدعنوانی محسوس کرنے کی وجہ سے امیر کی ماتحتی سے الگ ہو جائیں، تو ان پر باغی اور خارجی ہونے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۳۲/۵، جدید ڈابھیل ۴/ ۵۷۷)

کیونکہ غیر اسلامی ممالک کے امیر وقاضی کو امیر قہری اور قاضی قہری نہیں کہا جاسکتا بلکہ امیر ارادی اور قاضی ارادی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اس کا تائیدی تجزیہ پیش فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۵۷۹، امداد المفتیین کراچی ۲/ ۸۹۴)

(۲) قوت عسکری سلطان کی صفت ہوتی ہے، قاضی کی صفت صرف قوت ارادی ہوتی ہے اور اگر قاضی کو قوت تنفیذ بھی عسکری سلطان کی طرف سے حاصل ہو جائے تو یہ قاضی کی ایک صفت خارجہ ہے صفت لازمہ نہیں ہے، اہل حل وعقد ان سرداران قوم کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ قومی معاملات کا بندوبست ہو اور دوسرے علاقہ کے ایسے نمائندے بھی اس میں شامل ہیں

جن پر حلقہ کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور لوگوں پر ان کا اثر بھی ہو۔ (مستفاد: ازالۃ الخفاء اردو ص: ۷)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۸۹

# قضاء اور قاضیٔ شرعی کی حقیقت

**سوال** [۷۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قضاء کی حقیقت، قاضیٔ شرع کی تعریف اور قضاء کے ارکان وشرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالت اختیار اور حالت احتیاج میں یکساں ہوگا، خواہ دار الاسلام ہو یا غیر دار الاسلام خواہ قاضی کو منجانب والی کلی اختیارات مفوض ہوں یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوت نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہوسکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حد فاصل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:**

## قضاء کی حقیقت

(۱) لفظ قضاء لغت میں حکم اور فیصلہ کے معنی میں بولا جاتا ہے:

**القضاء هو بالمد و القصر لغة الحكم الخ.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۳۲، در مختار، کتاب القضاء کراچی ۵/۳۵۱، زکریا ۸/۱۹-۲۰)

(۲) اور صاحب لغۃ الفقہاء اور صاحب قواعد الفقہ نے اصول شریعت کے تحت لفظ قضاء کی حقیقت کا ان الفاظ سے انکشاف کیا ہے کہ ضابطۂ شریعت کے مطابق حق کے ساتھ

لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینے کو قضاء کہا جاتا ہے۔

**القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع المنازعات.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ٤٣٢)

**القضاء الفصل فی الخصومات.** (لغة الفقهاء ص: ٣٦٥)

(۳) اور ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی قضاء شرعی کی تعریف ان الفاظ سے پیش کرتے ہیں کہ قضاء کے معنی لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون اور ضابطہ کے مطابق صاحب حق کو حق دینے کا فیصلہ کرنا ہے۔

**القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز وجل.** (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضی، كراچی ٢/٧، زكريا ٥/٤٣٨)

(۴) علامہ ابن نجیمؒ ان الفاظ سے قضاء کی تعریف نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ دینا شرعی قضاء ہے۔

**القضاء الحكم بين الناس بالحق.** (البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٥٤، زكريا ٦/٤٢٧)

(۵) علامہ تمرتاشیؒ نے تنویر الابصار میں قضاء کی تعریف یہ کی ہے کہ قضاء کے معنی شریعت میں مقدمات کا فیصلہ اور منازعات کو ختم کرنے کے ہیں۔

**وشرعا فصل الخصومات وقطع المنازعات الخ.** (تنوير الأبصار مع الدر كراچی ٥/٣٥٢، زكريا ٨/٢٠)

(۶) اور فتاویٰ عالمگیری میں خزانۃ المفتیین کے حوالہ سے قضاء کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ شریعت اسلامی میں قضاء اس قول ملزم کو کہتے ہیں جو ولایت عامہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے۔

**وفی الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة.** (هنديه، زكريا قديم ٣/٣٠٦، جديد ٣/٢٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## شرعی قاضی کی حقیقت

شرعی قاضی اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عائلی اور نزاعی معاملات کے تصفیہ کے

لیے امیر اور والی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے، صاحب قواعد الفقہ قاضی کی حقیقت اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ قاضی وہ شخص ہے جس کو باختیار امیر کی طرف سے مقدمات و دعویٰ اور نزاعات کے فیصلہ کے لیے مقرر اور متعین کیا جاتا ہے۔

**القاضی هو الذی تعین و نصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء أی فصل الخصومات و حسم الدعاوی والمنازعات وغیر ذٰلک.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ٤٢٠)

اور صاحب لغۃ الفقہاء نے قاضی کی تعریف یوں نقل فرمائی ہے کہ قاضی وہ ہے جس کو والی نے لوگوں کے درمیان مقدمات کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا ہے۔

**القاضی من نصبه والی الأمر لفصل الخصومات بین الناس.** (لغة الفقهاء کراچی ص: ٣٥٤)

## اہلیت قضاء کی شرائط

عہدۂ قضاء کی صلاحیت اور اہلیت کے لیے قاضی کا آٹھ عمدہ صفات کے ساتھ متصف ہونا شرط ہے:

(۱) عاقل ہونا، لہٰذا مجنون اور مختل الحواس شخص کا تقرر منصب قضاء کے لیے درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر صحیح العقل شخص کو منصب قضا پر فائز کیا جائے اور بعد میں ماؤف الدماغ اور پاگل ہوجائے تو اس کا عہدہ باطل ہوجائیگا۔

(۲) بالغ ہونا ضروری ہے، لہٰذا نابالغ کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۳) مسلمان ہونا لازم ہے لہٰذا کافر غیر مسلم عہدۂ قضاء کے اہل نہیں۔

(۴) آزاد ہونا شرط ہے، لہٰذا غلام کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۵) بینا ہونا شرط ہے، اس لیے کسی نابینا کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا اسی طرح اگر حالت بینائی میں قاضی بنایا گیا ہے اور بعد میں نابینا ہوگیا ہے تو عہدۂ قضاء اس کا باطل ہوجائیگا۔

(۶) بولنے والا ہونا ضروری ہے لہٰذا گونگے کا تقرر درست نہ ہوگا، نیز اگر تقلید قضاء کے بعد گونگا ہو جائے تو اس کا منصب باطل ہو جائے گا۔

(۷) سننے والا ہو بالکل بہرا نہ ہو ہاں البتہ اگر تھوڑا اونچا سنتا ہے تو اس کی تولیت درست ہے، اور اگر تولیت قضاء کے بعد بالکل بہرا ہو جائے تو تولیت باطل ہو جائے گی۔

(۸) قاضی حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو، لہٰذا محدود فی القذف کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا یہ تمام شرائط علامہ کاسانیؒ کی بدائع میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔

**الصلاحية للقضاء لها شرائط : منها العقل ومنها البلوغ ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف.** (بدائع الصنائع، کتاب ادب القاضی، کراچی ۷/۳، زکریا ۵/۴۳۸)

**وزاد في قواعد الفقه السمع.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۲۱)

# قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق

مفہوم قضاء میں جس الزام کا ذکر آتا ہے وہ دو قسموں پر ہے:

(۱) الزام حسی: اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مادی طور پر کسی آدمی کو کسی شئ کی پابندی پر مجبور کیا جائے، مثلاً دارالاسلام میں جس قاضی کو قوت عسکری اور ولایت عامہ حاصل ہے وہ کسی کو جیل میں ڈال دے یا قصاص اور حد قائم کرے تو ایسی صورت میں قاضی کے حکم اور فیصلہ سے مجرم پر سزائیں لازم کردی گئی ہیں وہ محکوم علیہ پر بطور الزام حسی کے لازم ہوتی ہیں۔

(۲) الزام معنوی: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاضی جس پر حکم لاگو کرتا ہے اس پر امر محکوم بہ کو شریعت تسلیم کر لیتی ہے، مثلاً قاضی نے حامد کا نکاح خالدہ سے فسخ کر دیا تو شریعت یہ تسلیم کرلے گی کہ خالدہ کی زوجیت حامد کے ساتھ باقی نہیں رہی چاہے حامد اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے، اسی طرح خالد نے بکر پر سو روپیہ کا دعویٰ کیا اور بکر نے انکار کر دیا اور قاضی نے سو روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی کا حکم دیدیا تو ایسی صورت

میں شریعت بکر کے ذمہ سوروپیہ کی ادائیگی لازم تسلیم کرلے گی، اسی طرح ماجد سے چوری کا ثبوت ہونے کی وجہ سے قاضی نے قطع ید کا حکم دیدیا، تو شریعت ماجد کو واجب القطع تسلیم کرلے گی حاصل یہ نکلا کہ قاضی نے حکم کو محکوم علیہ پر لازم کردیا ہے، لیکن حسی طور پر ابھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا ہے تو ایسے الزام کو الزام معنوی کہا جاتا ہے، اور قاضی کی تعریف میں جس الزام کا ذکر آتا ہے اس سے الزام معنوی ہی مراد ہوا کرتا ہے، الزام حسی ہرگز مراد نہیں ہوتا۔

ہماری یہ تقریر علامہ ابن فرحون اندلسی متوفی ۷۹۹ کی مشہور کتاب ''تبصرۃ الحکام'' کی عبارت سے بہت اچھی طرح مستفاد ہوسکتی ہے۔

**حقيقة الحكم إنشاء إلزام إو إطلاق، فالإلزام كما إذا حكم بلزوم الصداق أو النفقة أو الشفقة ونحو ذٰلک فالحكم بالإلزام هو الحكم وأما الإلزام الحسي من الترسيم والحبس فليس بحكم لأن الحاكم قد يعجز عن ذٰلک.** (تبصرة الحكام ۱/ ۱۲)

اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں علامہ شیخ عبداللہ مالکی نے اپنے جواب کے ذیل میں صاف واضح کردیا ہے کہ الزام حسی تنفیذی الزام ہوتا ہے جو نہ قاضی کی شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی صحت قضاء کی حقیقت کے دائرے میں آتا ہے، بلکہ قاضی صرف انشاء حکم کا مکلّف ہوتا ہے۔

**الحاكم من حيث هو حاكم ليس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكما فقد يفوض إليه التنفيذ وقد لايندرج في ولايته.**

(الحيلة الناجزة، جديد امارت شرعيه هند ص: ۲۸۳-۲۸٤)

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اصالۃً قضاء قاضی صرف محکوم بہ کے لیے مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ محکوم بہ واقعہ میں پہلے سے ثابت شدہ ہوتا ہے، اور قضاء قاضی اس کو معرض ظہور میں لاتا ہے۔

**القضاء مظهر لا مثبت و تحته في الشامية: لأن الحق المحكوم به كان ثابتا و القضاء أظهره و المراد ما كان ثابتا و لو تقديراً كالقضاء بشهادة الزور.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: إذا قاس القاضي و أخطأ، كراچی ٥/ ٤١٩، زكريا ٨/ ١١٣)

اور الزام حسی اور الزام تنفیذی دار الاسلام اور ایسے والی اور قاضی کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس کو شرعی طور پر قوت عسکری حاصل ہوتی ہے جو قاضی کی شرائط سے خارج ہے۔

## قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں

قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کی صفت لازمہ یا جزء لاینفک نہیں ہے، اور اس مدعی کا ثبوت درمختار اور شامی کی اس عبارت سے بہت آسانی سے ہوسکتا ہے:

**وأما الأمير فمتى صادف فصلا مجتهدا فيه نفذ أمره وتحته في الشامية: فقول الشارح نفذ أمره بمعنى وجب امتثاله.** (در مختار، کراچی ۵/۴۰۹، زکریا ۸/۹۹)

اگر حاکم کسی شئ کا حکم کرتا ہے تو مامور پر اس کا امتثال واجب ہوجاتا ہے یہ نہیں ہے کہ اس کا حکم نافذ اور جاری ہوجاتا ہے، عدم امتثال سے گنہگار ہوجاتا ہے، اور اسی کو الزام معنوی کہتے ہیں اور علامہ شامیؒ نے کتاب القضاء کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ قاضیٔ شرعی حکم کی تنفیذ نہیں کرتا بلکہ نفس الامری میں ثابت شدہ حکم کو ''**قضيت، حكمت، أنفذت، ألزمت عليك القضاء**'' کے الفاظ سے معرض ظہور میں لاتا ہے اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دلادینا قاضی کے مفہوم میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امر آخر ہے جس کا اصل ذمہ دار حکومت انتظامیہ یا فوجداری محکمہ ہوتا ہے۔

**فالمراد بالإلزام التقرير التام، وفي الظاهر فصل احترز به عن الإلزام في نفس الأمر لأنه راجع إلى خطاب الله تعالىٰ و على صيغة مختصة أي الشريعة كألزمت، وقضيت، وحكمت، وأنفذت عليك القضاء وبأمر ظن لزومه فصل عن الجور والتشهي ومعنى في الظاهر أي الصورة الظاهرة إشارة إلى أن القضاء مظهر في التحقيق للأمر الشرعي لامثبت.** (شامی، کتاب القضاء، کراچی ۵/۳۵۲، زکریا ۸/۲۰)

نیز علامہ شامیؒ ایک صفحہ کے بعد تنفیذ کی بحث میں ایک عبارت ایسی نقل فرماتے ہیں کہ جس سے سارے شبہات دور ہو سکتے ہیں:

**وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه و هٰذا هو التنفيذ الشرعی.**

(شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

اب اس عبارت سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ قضاء ایک مستقل امر ہے اور تنفیذ ایک امر آخر ہے کہ قاضی کے فیصلہ کر دینے کے بعد اس فیصلہ شدہ حکم کے مطابق ظالم کو مظلوم کے حق ادا کرنے پر حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ جبر و اکراہ کر سکتا ہے، نیز اگر قاضی کو عہدۂ قضاء کے ساتھ ساتھ تنفیذ کا حق بھی حاصل ہے تو وہ از خود نافذ بھی کر سکتا ہے اور اسی طرح کتاب القاضی إلی القاضی کے طور پر جب دوسرے ایسے قاضی کے یہاں پہنچ جائے جس کو تنفیذ کا اختیار حاصل ہے تو وہ بھی نافذ کر سکتا ہے، اور اسی کو مذکورہ عبارت میں تنفیذ شرعی کہا گیا ہے اور قاضی کا فیصلہ الزام معنوی کے دائرے میں اور انتظامیہ اور فوجداری محکمہ وغیرہ کا اس فیصلہ کو بالاجبار جاری کرنا الزام حسی کے دائرہ میں آتا ہے، نیز بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے نفاذ میں الزام حسی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ فسخ وتفریق کے مسائل ہیں، کہ محض قاضی کے فسخ کر دینے سے بیوی آزاد ہو جاتی ہے اور شوہر کو کسی وجودی عمل پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس لیے قوت تنفیذ کے اشکال کو لے کر مسئلہ قضاء میں شبہ پیدا کرنا میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

# قاضی اور مفتی میں فرق

قاضی کے حکم اور مفتی کے فتویٰ کے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ قاضی حکم کو شخص مخصوص پر لاگو کرتا ہے اور محکوم بہ کو اس پر واضح اور ظاہر کرتا ہے اور وہ حکم اسی شخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مفتی عمومیت کے ساتھ صرف حکم کی نوعیت بتلا دیتا ہے جو کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، مثلاً کوئی اپنی زوجہ کی ماں کو غلط ارادہ سے پکڑ چکا ہے تو مفتی یہ کہے گا کہ

ایسی صورت میں بیوی شوہر پر حرام ہو چکی ہے لیکن مفتی کے مسئلہ بتلانے کی وجہ سے بیوی خود بخود نکاح سے خارج نہ ہوگی، اور اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے اس کے نکاح کو فسخ کردیا ہے تو بیوی خود بخود نکاح سے خارج ہو جائے گی، تو مفتی کے فتویٰ میں کوئی الزام ثابت نہیں ہوا اور قاضی کے فیصلہ میں الزام ثابت ہو چکا، اسی طرح مفقود مجنون اور متعنت وغیرہ کے نکاح کے بارے میں مفتی یوں حکم بتا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ کیا جاتا ہے لیکن شخصی طور پر فسخ کا حکم لگا نہیں سکتا ہے اور قاضی شخص متعین پر فسخ کا حکم لگا سکتا ہے۔

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۸۳

# قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار

**سوال [۷۵۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب سے دائرہ اختیار میں تحدید ہو سکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک محدود ہو جن میں بظاہر قوت عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوت قاہرہ شرط ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار بہت محدود اور مقید ہوا کرتا ہے کہ امیر کی جانب سے جن مسائل اور شرائط کے ساتھ قاضی کو پابند کیا گیا انہیں مسائل کے دائرے میں رہ کر قاضی اپنا فریضۂ قضاء انجام دے سکتا ہے، اور اپنے دائرۂ اختیار سے باہر ہو کر اگر کوئی فیصلہ دے گا تو وہ غیر نافذ اور غیر معتبر قرار دیا جائیگا، لہٰذا اگر کسی قاضی کو والی شریعت کی جانب سے نکاح طلاق فسخ وتفریق نان ونفقہ کے مسائل کا پابند کیا گیا تو وہ ان مسائل کے دائرے سے ہٹ کر اگر کوئی فیصلہ دیتا ہے تو وہ شرعاً غیر نافذ اور نا قابل اعتبار قرار دیا جائیگا، حاصل یہ ہے کہ امیر کی جانب سے قاضی کو کسی خاص علاقہ اور خاص زمانہ اور خاص

معاملہ اور خاص مسئلہ کے ساتھ پابند کرنا صحیح اور درست ہے۔

علامہ شامی نے اس مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے چند اصولی مثالیں دے کر پھر غزوۂ موتہ کو دلیل بنا کر پیش فرمایا ہے۔

**الولاية تقبل التقييد والتعليق بالشرط كقوله إذا وصلت إلى بلدة كذا فأنت قاضيها وإذا وصلت إلى مكة فأنت أمير الموسم والإضافة كجعلتك قاضيا فى رأس الشهر والاستثناء منها كجعلتك قاضيا إلا فى قضية فلان و لا تنظر فى قضية كذا والدليل على جواز تعليق الإمارة و إضافتها قوله ﷺ حين بعث البعث إلى موتة وأمرعليهم زيد بن حارثه إن قتل زيد بن حارثة فجعفر أميركم و إن قتل جعفر فعبد الله بن رواحة الخ.** (شامی، كتاب القضاء، مطلب: القضاء يقبل التقييد كراچی ٥/٤١٩، زكريا ٨/١١٣-١١٤)

اور قریب قریب یہی عبارت فتح القدیر میں بھی موجود ہے۔ (فتح القدیر، دارالفکر بیروت ۷/۲۵۴، کوئٹہ ۶/ ۳۵۸، زکریا ۷/ ۲۳۵)

اور البحر الرائق میں مزید وضاحت کے ساتھ صراحت موجود ہے:

**ولو استثنى حوادث فلان لايقضى فيها ولو قضى لاينفذ الخ.** (البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٥٩، زكريا ٦/٤٣٥)

اور فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ واضح عبارت کے ساتھ شرائط کو نقل فرمایا ہے۔

**وإذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز و يتأقت و إذا قيده بالمكان يجوز ويتقيد بذٰلك المكان فعلى هذا لو قيد القاضى إنابة نائبه فى مسجد معين لايكون للنائب أن يقضى فى مسجد آخر الخ.** (هنديه، كتاب أدب القاضى، الباب الخامس فى التقليد والعزل، زكريا قديم ٣/٣١٥، جديد ٣/٢٨٣)

نیز سوال (۲) کے تحت ثابت کیا جاچکا ہے کہ الزام حسی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت ہوتی ہے اور الزام معنوی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف قوت ارادی کافی ہوتی ہے، قیام قضاء پر قوت عسکری کا اشکال بے محل ہے، جیسا کہ الزام کی

بحث میں الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت ''**وأما قوۃ التنفیذ فأمر زائد**'' سے تصریح کردی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۸۳)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۹۰

# غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر

**سوال** [۷۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ حکام قضاۃ کا تقرر کرتے ہیں:

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوجائیگا؟ اگر نہیں تو:

**یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو کان کافرا.** (در مختار مع الشامی کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

اور ...... **الإسلام لیس بشرط أی فی السلطان الذی یقلد.** (فتاویٰ عالمگیری جدید زکریا ۳/۲۷۷، قدیم ۳/۳۱۰)

وغیرہ جزئیات کا کیا مطلب ہے، اگر وہ شرعاً قاضی ہوجاتا ہے تو کیا ولایت کافر علی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز والیٔ کافر کی تقلید کافی ہے، یا تراضیٔ مسلمین بھی ضروری ہے۔

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاۃ کا تقرر نہ ہوا اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کرلیں جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کرکے نظام امارت قائم کرلیا ہے تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاء کرام کی:

**وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد**

**المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسه وبلاد الحبشة و أقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیهم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه ولیا فیولی قاضیا أو یکون هو الذی یقضی بینهم.** (فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۷/۲٦٤، کوئٹه ٦/۳٦٥، زکریا ۷/۲٤٦)

جیسی تصریحات کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہوجاتا ہے تو کیونکر؟ جبکہ ظاہر ہے کہ قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی؟

ج: غیر اسلامی ممالک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یا نہیں؟ بصورت نفی ”**یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین**“ (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضیٔ جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی، اگر قاضیٔ جمعہ مراد ہے تو کیا اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی اگر تراضیٔ مسلمین سے قاضی ہوجاتا ہے تو:

**وإذا اجتمع أهل بلدة علی رجل و جعلوه قاضیا یقضی فیها بینهم لایصیر قاضیا.** (فتاویٰ عالمگیری قدیم ۳/۳۱٥، زکریا جدید ۳/۲۸۳)

جیسی فقہی جزئیات کا محمل کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** نصب قاضی کا اصل تعلق مسلمانوں کے مصالح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اس لیے نصب قاضی میں بھی تراضیٔ مسلمین بالواسطہ یا بلا واسطہ لازم اور ضروری ہے۔

(۱) بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے امیر اور والی شریعت کا تقرر ہو جائے اور پھر وہی امیر اور والی قاضی کا انتخاب کرے۔

(۲) بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں امیر کا وجود نہ ہو وہاں کے مسلمان آپس کی تراضی سے قاضی کا انتخاب کریں، جیسا کہ فتح القدیر اور شامی اور بحر کی عبارات سے ماقبل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ (فتح القدیر دار الفکر بیروت ۷/۲٦٤، کوئٹہ ٦/۳٦٥، زکریا

۷/ ۲۴۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/ ۲۷۴، زکریا ۶/ ۴۶۱، شامی کراچی ۵/ ۳۶۹، زکریا ۸/ ۴۳)

اس لیے غیر مسلم حکومت اگر کسی مسلم کو با اختیار قاضی بنادے تو اس کے باقاعدہ شرعی قاضی ہونے کے لیے مسلمانوں کی تراضی شرط ہے، اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

**وإذ ولى الكافر عليهم (أى على المسلمين) قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة.** (شامى، كتاب القضاء، مطلب فى حكم تولية القضاء، كراچى ٣/ ٣٦٩، زكريا ٨/ ٤٤)

لہٰذا اس طرح غیر مسلم حاکم کی طرف سے قاضیٔ شرعی کا تقرر صحیح ہوجائیگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اس کو خوب وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، ۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۹-۳۳۱)

اور اسی کی طرف علامہ حصکفیؒ نے:

**يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو كان كافرا.**

(درمختار كراچى ٥/ ٣٦٨، زكريا ٨/ ٤٣، اعلاء السنن، كتاب القضاء، تقلد الولاية والقضاء من كافر دار الكتب العلمية بيروت ١٥/ ٥٦، فتاوىٰ دار العلوم جديد ٨/ ١٤٨)

سے اشارہ فرمایا ہے۔

## ولایۃ الکافر علی المسلم کا مسئلہ

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے انتخاب کو صحیح قرار دیا جائے تو بظاہر اس سے ولایت کافر علی المسلم لازم آرہی ہے جو شرعاً ناجائز ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولایت کافر علی المسلم وہاں لازم آتی ہے، جہاں پر بالواسطہ یا بلا واسطہ تراضیٔ مسلم بالکل مفقود ہوجائے، اور یہاں تراضی کی قید لگی ہوئی ہے جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کررہی ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہت صاف الفاظ میں ۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں عبدالمجید مدراسی کے

سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۱، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۱)

نیز اگر غیر مسلم حکومت میں مسلم امارت قائم نہیں ہوئی ہے اور تراضیٔ مسلمین سے بھی کسی کو قاضی نہیں بنایا گیا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کی تراضی سے حکومت نے کسی مسلمان کو جج یا قاضی بنایا ہے بلکہ حکومت نے مسلمانوں کی تراضی کے بغیر اپنی مرضی سے کسی مسلمان کو قاضی اور جج یا منصف بنالیا ہے تو ضرورتاً اس کو قاضیٔ شرعی کے قائم مقام قرار دیا جائیگا اور اس کا وہ فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا جو قانون شرعی کے مطابق عمل میں لایا گیا ہو۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۴۹)

# غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر

غیر اسلامی مما لک میں جب با قاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ اور ولایت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو وہاں کے امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کی طرف سے ہی قاضی کا تقرر لازم ہوگا، کسی اور کو انتخاب قاضی کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ انتخاب قاضی کا حق اصولی طور پر علی الترتیب صرف تین اشخاص کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے:

شخص اول: سب سے پہلے وہاں کے امیر اور والیٔ شریعت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ شامی کی عبارت سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے:

**کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا.** (شامی کراچی ۵/ ۳۶۹، زکریا ۸/ ۴۳، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۷/ ۲۶۴، کوئٹہ ۶/ ۳۶۵، زکریا ۷/ ۲۴۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/ ۲۷۴، زکریا ۶/ ۴۶۱)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) غیر اسلامی مما لک کے مسلمانوں پر ایک فرد پر متفق ہوکر اس کو امیر اور والی بنانا واجب ہے۔

(۲) وہی امیر قاضی کا انتخاب کریگا۔

شخص دوم: اگر سوء اتفاق سے امیر اور والیٔ شرعی کا قیام عمل میں نہ آسکے اور

مسلمانوں کی تراضی اور مطالبہ سے غیر مسلم حکومت کسی مسلمان کو منصب قضاء کے لیے منتخب کرتی ہے تو ثانوی درجہ میں غیر مسلم حکومت کو تقلید قضاء کا حق حاصل ہوگا، اور اس مدعیٰ کی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کفایت المفتی میں شاندار طریقے سے وضاحت فرمائی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، زکریا ۱۱/ ۳۳۹)

نیز علامہ شامی نے ان الفاظ سے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

**إذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة الخ.** (شامي كراچي ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣)

شخص سوم: تقلید قضاء کے لیے اگر مذکورہ دونوں شکلیں میسر نہ ہوسکیں تو ضرورتاً تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب کیا جاسکتا ہے اور سب مسلمانوں کی تراضی کو شخص حکمی قرار دے کر اس کو تقلید قضاء کا حق دیا جاسکتا ہے، اور شامی اور جامع الفصولین وتاتارخانیہ اور البحر الرائق کی عبارت:

**ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين.** (شامي كراچي ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣، جامع الفصولين ١/١١، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١، تاتارخانية زكريا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتيين كراچي ٢/٨٩٤)

کا یہی مطلب ہے، اب اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ انتخاب قاضی کا حق سب سے پہلے غیر مسلم حکومت میں امیر شریعت اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کو حاصل ہے، اور اس میں قوت قاہرہ کا اشکال نہ کیا جائے، اس لیے کہ قوت تنفیذ قضاء شرعی کا نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے، جیسا کہ الزام کی بحث میں دلائل وبراہین سے اس مدعیٰ کو ثابت کیا جا چکا ہے، درمختار میں ہے:

**القضاء مظهر لا مثبت.** (در مختار كراچي ٥/٤١٩، زكريا ٨/١١٣)

اور شامی میں ہے:

**وإذا رفع إليه قضاء قاضي أمضاه بشروطه و هذا هو التنفيذ الشرعي.** (شامي كراچي ٥/٣٥٣، زكريا ٨/٢١)

امیر شریعت مذکور کو اور اس کے قضاۃ کو حق فسخ نکاح وغیرہ حاصل ہے، جیسا کہ شامی

کی اس عبارت سے واضح ہے۔

**ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین.** (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، جامع الفصولین ١/١١، البحر الرائق کوئٹه ٦/٢٧٤، زکریا ٦/٤٦١، تاتارخانیة زکریا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتیین کراچی ٢/٨٩٤)

**نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امدادالمفتیین میں بالکل انشراح کے ساتھ امارت وقضاء کو جائز قرار دیا ہے۔** (مستفاد: امدادالمفتیین کراچی ۵/ ۳۶۹، فتاویٰ دارالعلوم ۸/۱۴۶)

## تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضیٔ جمعہ مراد نہیں

فقہاء کی عبارت "**ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین**" سے قاضیٔ جمعہ ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ مطلق قاضی مراد ہے، اس لیے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب درست ہوسکتا ہے کہ جب شدید ضرورت ہو اور اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا تقرر ہرگز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

نیز جہاں جہاں تراضیٔ مسلمین سے قیام قضاء کا ذکر ہے، وہاں پر اقامت جمعہ و عیدین کے لیے جو عبارت آئی ہے اس کا تعلق "ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین" کے ساتھ ہرگز نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے۔

**وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم.** (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣)

اب اس عبارت پر بغور نظر ڈالی جائے تو تین باتیں الگ الگ سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) جمعہ وعیدین کے قیام کے لیے باضابطہ مسلم نظام کی ضرورت نہیں، لہٰذا غیر اسلامی حکومت میں جب نظام مسلم عمل میں نہ آسکے تو بغیر نظام والی کے جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے۔

(۲) اگر مسلمان تراضی سے قاضی مقرر کریں گے، تو وہ شرعی قاضی کے دائرے میں

آجائیگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۸۹۴)

(۳) اصالۃً حق تقلید قاضی والی کو حاصل ہے، اس لیے انتخاب والی ان پر لازم ہے، لہٰذا اس عبارت میں قاضیٔ جمعہ وعیدین مراد نہیں بلکہ قاضیٔ مطلق ہی مراد ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

# تراضیٔ مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال

تراضیٔ مسلمین سے انتخاب قاضی کی صحت میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کتب فقہ میں اس کے خلاف بے شمار عبارتیں موجود ہیں، جن میں صاف الفاظ سے حکم شرعی کی صراحت موجود ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے تقلید قاضی صحیح نہیں ہے، اور اس مدعیٰ پر ہم شامی وخلاصۃ الفتاویٰ اور عالمگیری کی تین عبارتیں بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ ''تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر'' کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے لوگ آپسی تراضی سے کسی کو قاضی بنالیں گے تو وہ شرعی قاضی نہ ہوگا۔

**هذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح.** (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/۳٦۸، زکریا ۸/٤۳)

(۲) علامہ طاہر بن احمدؒ خلاصۃ الفتاویٰ میں قریب قریب یہی الفاظ نقل فرماتے ہیں:

**اجتمع أهل بلدة وقلد القضاء لرجل لا يجوز ولا يصير قاضيا.**

(خلاصة الفتاوىٰ ٤/٢)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے اسی طرح کی عبارت نقل کی گئی ہے:

**وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لايصير قاضيا.** (هنديه زكريا قديم ٣/٣١٥، جديد ٣/٢٨٣)

لہٰذا تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء صحیح نہ ہوگی۔

## جوابات

اس اشکال کے دو جواب دیئے جاتے ہیں: (۱) مذکورہ تینوں عبارتوں کا مصداق دارالاسلام ہے، غیر دارالاسلام نہیں ہے، کہ دارالاسلام میں اگر سلطان اور والی سے صرف نظر کرکے آپس کی تراضی سے اگر قاضی منتخب کرلیا جائے تو وہاں پر وہ شرعی قاضی نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حاکم مسلم کے ساتھ ایک قسم کی بغاوت ہے، اور عالمگیری میں یہ عبارت منجانب سلطان تولیت قضاء کے ضمن میں لائی گئی ہے، اور ان عبارتوں کا موضوع بحث دارالاسلام ہی ہے اور ہم نے جن عبارتوں سے تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء کا جواز ثابت کیا ہے، وہ سب بلاد کفار سے متعلق ہیں، لہٰذا دونوں قسم کی عبارات کے مصداق ہی بالکل الگ الگ ہیں اس لیے اشکال درست نہ ہوگا۔

(۲) تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء وہاں پر ناجائز ہے کہ جہاں ضرورت نہ ہو اور جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں جائز ہے، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً اس اشکال کو ان الفاظ سے صاف اور بے غبار کردیا ہے:

**وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده.**

(شامی کراچی ۳۶۸/۵، زکریا ۴۳/۸)

نیز ساتھ ساتھ ''**كما يأتي بعده**'' کے الفاظ سے چند سطور کے بعد جواز کے حق میں آنے والی عبارت:

**ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين.** (شامی کراچی ۳۶۹/۵، زکریا ۴۳/۸)

کی طرف توجہ بھی دلائی ہے، لہٰذا اشکال میں پیش کردہ عبارتیں بے محل ہیں با محل نہیں ہیں۔

## قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں

غیر اسلامی ممالک میں تولیت قضاء کا امکان ہی نہیں ہے اس لیے کہ غیر اسلامی

حکومت میں مسلم قاضی کوقوت عسکری حاصل نہیں ہوتی اور قوت قاہرہ مفہوم قضاء کے لیے جزء لاینفک ہے، اس کے لیے بطور نظیر شرح عقائد نسفی کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ شامی نے بھی نقل فرمایا ہے:

**المسلمون لابد لهم من إمام يقوم تنفيذ أحكامهم المشروعة و إقامة حدودهم و سد ثغورهم و تجهيز جيوشهم و أخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة.**

(شرح عقائد مع النبراس ص: ۳۱۰، شامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة مطلب: شروط الإمامة الکبریٰ، کراچی ۱/۵۴۸، زکریا ۲/۲۸۰)

اس عبارت سے امیر شریعت اور قاضیٔ شریعت کے لیے قوت تنفیذ صفت لازمہ معلوم ہوتی ہے، اور غیر اسلامی ممالک میں اس قوت کا امکان نہیں ہے، تو بغیر اس کے قاضی کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

# جوابات

(۱) مذکورہ عبارت میں "**إقامة حدودهم و سد ثغورهم وتجهيز جيوشهم**" کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات کہنے پر مجبور ہونا پڑیگا کہ قوت تنفیذ دار الاسلام کے امیر اور قاضی کے لیے صفت لازمہ ہے۔

غیر اسلامی ممالک کے امیر وقاضی کے لیے لازم نہیں ہے، اس لیے کہ سد ثغور و تجہیز جیوش و اقامت حدود یہ سب دار الاسلام کے لیے صفات لازمہ ہیں اور ہم جن عبارتوں سے تولیت قضاء کو ثابت کرتے ہیں ان کا دائرۂ عمل دار الاسلام نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی ممالک ہی ان کا دائرۂ عمل ہے۔

(۲) قضاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) قضاء قہری (۲) قضاء ارادی، قضاء قہری کے لیے قوت تنفیذ شرط ہوتی ہے، اور قضاء ارادی کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہوتی ہے، اور قضاء قہری کا تعلق دار الاسلام سے ہوتا ہے، اور قضاء ارادی کے لیے دار الاسلام اور قوت تنفیذ شرط نہیں

ہوتی، اور اشکال میں پیش کردہ عبارت کا تعلق قضاء قہری کے ساتھ ہے، قضاء ارادی کے ساتھ نہیں ہے، اور غیر اسلامی ممالک میں قضاء ارادی ہی کا قیام ہوتا ہے اور اسی تجزیہ کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں بہت مختصر الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۵۷۹)

اور حدود وقصاص وغیرہ امور کا تعلق قضاء قہری کے ساتھ خاص ہے، اور نکاح وطلاق، فسخ وتفریق وغیرہ امور قضاء قہری کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ قضائے ارادی سے بھی ان امور کا فیصلہ ہوسکتا ہے، نیز قوت قہری کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے ہر جائز حکم کی تعمیل عام لوگوں پر لازم ہوتی ہے اور قوت ارادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی تعمیل لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف اسی معاملہ میں لازم ہوتی ہے جو حاکم کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔

# ہندوستان کے نظام قضاء پر اکابر کی عدم موافقت کیوں ہوئی؟

اگر ہندوستان میں نظام قضاء جائز ہے تو حضرات اکابر نے اس کی مخالف کیوں فرمائی؟

## جوابات

اس کے تین جواب دیئے جاتے ہیں:

(۱) جو حضرات قیام امارت اور قیام قضاء کے حامی تھے وہ اس امارت و قضاء کو واجب الطاعت بھی کہتے تھے، جیسا کہ علماء بہار آج بھی اپنی امارت کو امارت قریہ کی طرح واجب الطاعۃ قرار دیتے ہیں اور کلی طور پر واجب الطاعۃ ہونے کے لیے قوت تنفیذ اور انصاف المظلوم من الظالم شرط ہے، اور یہ اس امارت و قضاء سے ممکن نہیں ہے، اس لیے اکابر نے مخالفت فرمائی ہے، چنانچہ ۱۷/ جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ میں سہارنپور میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے اساطین امت کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی تھی اور اس میٹنگ میں حضرت اقدس مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی رکن رکین کی حیثیت سے شریک تھے، اور سب نے عدم موافقت پر اتفاق کرلیا تھا پھر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ۳۰/ رجب

المرجب ۱۳۸۸ھ میں جوازِ امارت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ واجب الطاعۃ ہونے کی نفی بھی کردی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۳۳۲، جدید ڈابھیل ۴/ ۵۷۷)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس میٹنگ میں رکن رکین کی حیثیت سے شریک تھے لیکن پھر اپنے انشراح کے ساتھ قیام امارت اور نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ امارت قہری اور قضاء قہری کی طرح کلی طور پر واجب الطاعۃ ہونے کی نفی کردی ہے۔ (امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی عدم موافقت کی اصل بنیاد کلی طور پر واجب الطاعۃ کی شرط ہے، ورنہ نفس قضاء کی مخالفت نہیں تھی۔

(۲): تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء اس وقت درست ہوسکتی ہے کہ جب غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے مطالبہ کے باوجود مسلمانوں کی مرضی کے مطابق مسلم قاضی کا تقرر نہ کرے، اور اگر حکومت غیر مسلم مسلمانوں کی مرضی اور مطالبہ کے مطابق مسلم قاضی مقرر کرتی ہے تو پھر تراضیٔ مسلمین سے تولیت قاضی صحیح اور درست نہیں ہوسکتی، اور بعض اکابر نے قاضی بل پیش کرنے سے قبل اس کی مخالف فرمائی تھی، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انگریزی حکومت اپنی فیاضی سے ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی عطا فرماتی ہے، اور مذہبی نزاعات کے تصفیہ کے واسطے ہر ایک قوم کے مذہبی قانون کو پیش نظر رکھا ہے، اور چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے غفلت ہے کہ انہوں نے اراکین سلطنت کو اس کی طرف توجہ نہیں دلائی، نیز ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس فرض حق کو ظاہر کرنے سے غفلت کی ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوتی، بالجملہ مسلمانانِ ہندوستان کے لیے قاضی کا تقرر نہایت ضروری ہے، نیز بدوں امداد حکومت اگر خود مسلمان کسی کو قاضی بنادیں تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا، پھر اس کے نیچے حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیملپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مسلمانانِ ہند کے لیے قاضی کا تقرر نہایت اہم اور ضروری ہے۔

یہ سب عبارتیں ''فتاویٰ مظاہر علوم ۱/۱۸۳، ۱/۱۸۴'' میں موجود ہیں، ان عبارتوں پر غور کیا

جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کی بنیاد یہی تھی کہ جب حکومت کی طرف سے باضابطہ مسلم قاضی کا تقرر ممکن ہے تو پھر تراضیٔ مسلمین سے بلاضرورت انتخاب قاضی کیونکر درست ہوسکتا ہے، اور تراضیٔ مسلمین سے ضرورت شدیدہ کے وقت تولیت قضاء جائز ہوتی ہے اور بعد میں جب مسلمانوں نے قاضی بل کا مسئلہ اٹھایا ہے اور حکومت ہند نے اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے تو ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے نظام قضاء ازخود عمل میں لانا جائز ہو چکا ہے، اور آج اگر وہ اکابر موجود ہوتے تو بلاشبہ اس کی اجازت دیتے۔

## اکابر مفتیان کا فتویٰ

جواب (۳) اکابر کے زمانہ میں شہرۂ آفاق دو مفتی موجود تھے: (۱) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (۲) مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں نہایت انشراح کے ساتھ بوقت ضرورت تراضیٔ مسلمین سے نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/ ۱۴۶ -۸/ ۱۵۱-۱۰/ ۲۴۷-۱۲/۴/۲۷)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان نے بڑے انشراح کے ساتھ اس نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۲/۸۹۴)

لہٰذا اب ہندوستان میں نظام قضاء کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۷۰۰)

## الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کی وجہ

**سوال** [۷۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگرتراضیٔ مسلمین سے نظام قضاء کا قیام عمل میں آسکتا ہے تو ''الحیلۃ الناجزۃ'' لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اس کی وجہ تالیف تین ہیں: (۱) ''الحیلۃ الناجزۃ'' لکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اکابر کے زمانے میں اگر باضابطہ نظام امارت و نظام قضاء عمل میں آچکا ہوتا تب بھی اس کتاب میں مالکیہ سے لیے گئے مسائل سے کوئی مفر نہیں تھا، اس لیے کہ مسئلہ مفقود میں مسلک حنفی پر عمل بہت دشوار آمیز بات ہے، اور مجنون، متعنت، غائب غیر مفقود وغیرہ کا نکاح حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق تو قاضی فسخ کرسکتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان مسائل میں قاضی کا فسخ نکاح معتبر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کا قول نہایت ضعیف ہونے کی وجہ سے فقہاء نے غیر مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۲۵۹، شامی کتاب النکاح قبیل باب العدۃ کراچی ۳/ ۵۰۱، زکریا ۵/ ۱۷۵، فتح القدیر دارالفکر بیروت ۴/ ۳۰۴، کوئٹہ ۴/ ۱۳۳، زکریا ۴/ ۲۷۲)

تو معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل مذہب مسلک شیخین ہے جس پر عمل بہت مشکل ہے اور حضرت امام مالکؒ کے یہاں ان تمام مسائل میں سہولت کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، جس کی اس زمانہ میں حنفیہ کو بھی سخت ضرورت ہے، اس لیے اپنے مذہب سے عدول کر کے ان مسائل کو مسلک مالکی سے لیا گیا ہے اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مسلک مالکیؒ کے مطابق ان تمام مسائل کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ لوگ ان مسائل سے ناواقف نہ رہیں اور وقت ضرورت ان سے کام لے سکیں، اور مقدمہ میں خود حضرت تھانویؒ نے وجہ تالیف یہی تحریر فرمائی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱/ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۴)

اور اسی وجہ سے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ جو الحیلۃ الناجزۃ کے مؤلف ہیں، انہوں نے جوازِ امارت و نظام قضاء کا فتویٰ دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۲/ ۸۹۴)

لہٰذا ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی وجہ سے باب نظام قضاء پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نظام قضاء قائم ہونے کے بعد بھی مذکورہ مسائل میں قاضی کو مسلک مالکی کے مطابق فیصلہ کرنا پڑیگا۔

(۲) اس زمانہ میں امارت کا قیام عمل میں نہ آسکا تھا اور جس امارت پر مسئلہ اٹھایا گیا تھا اس میں واجب الطاعۃ ہونے کی قید بھی تھی، جو امارت قہریہ کی صفت ہے، اور امارت قہریہ کا قیام ممکن نہیں اس لیے مذہب مالکی کو اختیار کر کے جماعت مسلمین کی تجویز عمل میں آئی ہے جیسا کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے شروع میں علماء بہار کی تصدیق کے ذیل میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے یہی علت نقل فرمائی ہے۔ (تصدیقات الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۱۵، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱۶)

اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے الحیلۃ الناجزۃ کے بالکل آخری صفحہ کے حاشیہ کے تحت عربی عبارت میں نقل فرمایا ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی بنانا اس لیے مشکل ہے کہ اس سے معارضہ اور بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱۳۶، جدید امارت شرعیہ ہند ۲۹۰)

اور اب چونکہ باقاعدہ امارت کا قیام عمل میں آچکا ہے اگر چہ امارت ارادی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے زیر تحت نظام قضاء کا چلانا ممکن ہے، اس لیے الحیلۃ الناجزۃ کا اشکال نہ ہونا چاہیے۔

(۳)

# تلفیق کی بحث

مذہب غیر پر عمل کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع لازم نہ آئے اور اگر خارق اجماع تلفیق لازم آجائے تو بالاتفاق مذہب غیر پر عمل جائز نہیں ہے، اور تلفیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عمل واحد میں تلفیق: اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ ایک ہی عمل کے بعض حکم اپنے مذہب سے لیے جائیں اور بعض مذہب غیر سے مثلاً شافعیہ کے یہاں وضو میں ترتیب لازم ہے اور ربع سر کا مسح لازم نہیں، اور حنفیہ کے یہاں ترتیب لازم نہیں اور ربع سر کا مسح لازم ہے، تو اگر کوئی شخص بے ترتیب وضو کرتا ہے اور ربع سر سے کم مسح کرتا ہے تو یہ عمل واحد میں تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) دو عمل جداگانہ ہوں اور ان میں تلفیق کی جائے، مثلاً ربع رأس سے کم مسح

کرے اور فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو وضو شافعیہ کے مذہب پر ہوا، اور نماز حنفیہ کے مذہب پر لیکن وضو اور نماز دونوں الگ الگ عمل ہیں اور یہ تلفیق ممنوع تو نہیں لیکن مستحسن بھی نہیں ہے، اسی طرح الحیلۃ الناجزۃ میں دو شئ الگ الگ ہیں:

(۱) جماعۃ المسلمین اور قاضئ مسلم

(۲) وہ مسائل جن میں مسلک حنفی پر عمل کرنا دشوار ہے، اب اگر ان مسائل کو مالکیہ سے لیا جائے اور نظام قضاء کو حنفیہ سے تو تلفیق کی دوسری قسم لازم آتی ہے، جو اگر چہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے، اس لیے دونوں چیزوں کو مالکیہ سے لے کر الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف کی گئی ہے اور یہی وجہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' صفحہ ۲۶ ر میں لکھی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۴۰، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۲۸)

تو معلوم ہوا کہ تلفیق کی دوسری قسم سے بچنے کے مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ قاضی کے بجائے جماعۃ المسلمین کو اختیار فرمایا ہے، اسی وجہ سے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں یہ امر بھی بہت مستحکم طور پر نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ حنفی اور مالکی دونوں مذہب کے الگ الگ قاضی موجود ہوں تو حنفی مذہب کے لوگ مذکورہ مسائل میں حنفی قاضی کے یہاں اپنا مقدمہ نہ پیش کریں بلکہ مالکی قاضی کے یہاں پیش کیا کریں، اور حنفی قاضی کے یہاں ان مسائل کا مقدمہ آجائے تو خود مالکی مذہب کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ مالکی قاضی کے یہاں بھیج دیا کرے۔

(مستفاد: حاشیۃ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص: ۲۳، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۵۳)

تا کہ کسی طرح کی تلفیق لازم نہ آجائے اور اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلویؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب بہاریؒ جو نظام امارت وقضاء کے حامی تھے، الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کے دوران جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ میں تھانہ بھون تشریف لے جا کر اس مسئلہ پر باقاعدہ بحث وتمحیص فرمائی ہے اور مذکورہ علتوں کی بناء پر الحیلۃ الناجزۃ کی موافقت فرمائی ہے، لیکن قیام نظام قضاء کا انکار بھی نہیں فرمایا ہے، کیونکہ دونوں مسئلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور اس کے بعد یہ تینوں حضرات موقع بموقع نظام قضاء

کی ترغیب فرماتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے اپنے حلقہ میں باقاعدہ امارت کا قیام فرمایا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ میں نظام قضاء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱)

اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں اس کی ترغیب دی۔ (تذکرہ جمعیۃ علماء ہند بحوالہ امامت وامارت کا تصور ص: ۵۷)

اور الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف میں تعاون بھی فرمایا ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص: ۶، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۷۰۳)

## نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت

**سوال** [۸۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہ حنفی میں قوت قاہرہ ومنفذہ کے بغیر اگر قاضیٔ شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسلک حنفی کے مطابق نظام قضاء کا قیام بغیر قوت قاہرہ کے جائز اور درست ہے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ الگ چیز ہے اور اس فیصلہ کے مطابق حکم کی تنفیذ امر آخر ہے، اس لیے دونوں چیزوں کی ذمہ داری دو شخص الگ الگ طور پر لے سکتے ہیں، مثلاً فیصلہ قاضی کی طرف سے صادر ہو جائے اور اس کی تنفیذ فوجداری محکمہ وغیرہ کردے، یا ایک قاضی فیصلہ کردے اور یہ فیصلہ کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر دوسرے ایسے قاضی کے پاس پہنچ جائے جس کو حق تنفیذ بھی حاصل ہے تو دوسرا قاضی اس

فیصلہ کی شرائط ملحوظ رکھ کر تنفیذ کرسکتا ہے، اور اسی کو تنفیذ شرعی کہا جاتا ہے، نیز اگر ایک قاضی کو فیصلہ اور تنفیذ دونوں حق حاصل ہیں، تو فیصلہ کے ساتھ ساتھ تنفیذ حکم بھی کرسکتا ہے، اس کو علامہ شامی نے بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

**قالوا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي.** (شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

نیز اس جیسے دلائل ماقبل میں الزام اور قوت عسکری کی بحث میں گذر چکے ہیں، لہٰذا اب جب حنفی مسلک کے مطابق باقاعدہ قاضیٔ شرعی کا تقرر جائز ہے تو عدول عن المذہب کر کے مالکی مسلک کے مطابق جماعت مسلمین کو اختیار نہ کرتے ہوئے قاضیٔ حنفی کو اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۴۰۷۰)

# مقام واحد میں تعدد قضاۃ

**سوال** [۷۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقام پر متعدد قاضی ہوسکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آجائے تو فیصلہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: معزالدین خادم ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسلک حنفی کے مطابق ایک شہر میں متعدد قضاۃ کا ایک ساتھ تقرر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس میں دو صورتیں عمل میں آسکتی ہیں۔

(۱) ایک مقام میں کئی قضاۃ ایک ساتھ یکساں ذمہ داری انجام دینے کے لیے مقرر کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کا بوقت فیصلہ موجود ہونا اور سب کی رائے کا متفق ہونا شرط

ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو یا کسی کی رائے میں اختلاف ہو تو فیصلہ معتبر اور لازم نہ ہوگا۔ اور اس حکم کو عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

**السلطان إذا قلد قضاء ناحية إلى رجلين فقضىٰ أحدهما لايجوز كالوكيلين.** (هنديه، زكريا قديم ٣/٣١٧، جديد ٣/٢٨٥)

اور فتاویٰ بزازیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

**فوض قضاء ناحية إلى رجلين لايملك أحدهما القضاء.** (الفتاویٰ البزازيه زكريا ٢/٦٩، و على هامش الهندية زكريا ٥/١٣٤)

**(٢)** ایک شہر کے مختلف محلوں کے لیے کئی قاضیوں کو الگ الگ مقرر کر دیا جائے تو ہر ایک قاضی مستقل بالحکم ہوگا، کسی ایک کا فیصلہ دوسرے کی رائے پر موقوف نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر کسی کو بعض معاملات کے فیصلہ کے لیے اور دوسرے کو بعض دوسرے معاملات کے لیے مقرر کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایک کا فیصلہ دوسرے پر موقوف نہ رہے گا اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ حکم اس طرح موجود ہے۔

**ولو قلدهما على أن يتفرد كل واحد منهما بالقضاء يجوز.** (هنديه زكريا قديم ٣/٣١٧، جديد ٣/٢٨٥)

اور اگر ایک شہر میں الگ الگ دو قاضی ہوں اور کسی مقدمہ کے فریقین میں سے مدعی کہتا ہے کہ فلاں قاضی (زید) کے پاس معاملہ پیش کیا جائے اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ اس کے پاس نہیں بلکہ دوسرے قاضی (بکر) کے پاس پیش کیا جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدعی کی رعایت کر کے مقدمہ زید کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی رعایت کر کے بکر کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور امام محمدؒ کے قول کا صحیح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

**لوكان فى المصر قاضيان كل على محلة على حدة فالعبرة للمدعى عند أبى يوسف وللمدعى عليه عند محمدؒ وهو الصحيح.** (مجمع الأنهر ٢/١٥١)

# آخر میں ایک اہم مشورہ

اب اخیر میں ایک مشورہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک قاضی بنانے میں بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں اس لیے اگر ایک شہر میں ایک قاضی کے بجائے متعدد قاضی مقرر کردیئے جائیں اور ان کو اس طرح پابند کردیا جائے کہ ہر معاملہ میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کیا کریں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس طرح کی جزئیات موجود ہیں تاکہ کوئی حکم غلط صادر نہ ہوجائے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے معاون رہیں تو ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ (مستفاد: عالمگیری زکریا قدیم ۳/ ۳۱۷، جدید ۳/ ۲۸۵، بزازیہ زکریا ۲/ ۶۹، وعلی ہامش الہندیۃ زکریا ۵/ ۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۵)

# محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

**سوال** [۷۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کے زیر سرپرستی اسلامی پنچایت مجلس دعوۃ الحق ہردوئی میں قائم ہے، اس میں فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات طے پاتے ہیں اس اسلامی پنچایت میں مدعیہ نے ۱۶/ جون ۱۹۹۶ء کو اپنے فسخ نکاح کی اپیل کی ہے اس کی کارروائی پر مدعی علیہ حاضر ہوا اور عرضی دعویٰ کی جواب دہی کے بجائے اس نے درخواست دی کہ ہمارا مقدمہ دار القضاء سیتاپور میں برائے رخصتی زیر سماعت ہے، لہٰذا یہاں کی اسلامی پنچایت سے مقدمہ خارج کردیا جائے اور دار القضاء سیتاپور کا اطلاعی فارم نمبر (۱) بھی پیش کیا جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ شوہر مدعی علیہ نے ۱۵/ جنوری ۱۹۹۶ء کو وہاں کی شرعی عدالت میں اپیل کردی تھی، اور ۷/ اپریل ۹۶ء کو وہاں کی شرعی پنچایت کی جانب سے

مدعیہ کے نام کاروائی کی گئی لیکن مدعیہ کے بقول اس کو کسی قسم کی دار القضاء سیتاپور سے اس کے مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔

لہٰذا اب ایسی صورت میں کیا کارروائی ہونی چاہیے؟ آپ سے گذارش ہے کہ اپنی رائے عالی اور قیمتی مشورہ سے سرفراز فرمائیں؟

**المستفتی**: شفقت اللہ، خادم اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: بعدہ عرض اینکہ یہ خاکسار آپ کی اور حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی دعا سے بخیر وعافیت ہے۔

جب اسلامی پنچایت ہردوئی کو باقاعدہ اس کا ثبوت مل چکا ہے کہ فریقین کا معاملہ دار القضاء سیتاپور میں چل رہا ہے اور یہاں سے ۶/ ماہ قبل سے وہاں مقدمہ چل رہا ہے تو دار القضاء سیتاپور ہی میں معاملہ چلنا چاہیے، یہاں سے خارج کردینا چاہیے، مدعیہ عدم علم کا دعویٰ ہی کیوں نہ کررہی ہو، البتہ اگر سیتاپور دونوں فریق کو بآسانی حاضر ہونا دشوار ہے تو کتاب القاضی الی القاضی کے اصول سے وہاں سے فائل منگوا کر ہردوئی میں کارروائی کی جاسکتی ہے۔

حضرت اقدس محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت بہت سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۳)

# محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

**سوال** [۷۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل دار القضاء سیتاپور جس میں محکمۂ شرعیہ کو بھی ختم کردیا گیا ہے قریب دوسو مقدمہ ہیں کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ چار مہینہ میں مقدمہ کا فیصلہ کردیا جائے اس کے

لیے ضروری کارروائی تیزی سے کی جاتی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اکثر مقدمات کا چار مہینہ کی مدت میں فیصلہ ہو جاتا ہے اب ایک مقدمہ بوجہ عدم ادائیگی نان نفقہ ہماری عدالت میں پیش ہے، مدعی علیہ نے صاف لفظوں میں محکمۂ شرعیہ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ہم اس فیصلہ کو ماننے کے پابند نہیں ہیں آپ سے عرض یہ کرنا ہے کہ حیلۂ ناجزہ کا یہ فیصلہ کہ تین آدمیوں کی پنچایت بھی اس فیصلہ کو کر سکتی ہے، اگر فریق ثانی اس کو ماننے سے انکار کر دے تو شرعی پنچایت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ملا، آپ نے قضا کے سلسلے میں بہت سی جزئیات کو جمع کیا ہے، اس لیے درخواست ہے کہ اس جزئیہ کو اگر آپ کے علم میں ہو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، اصل یہ ہے کہ قریہ قریہ پنچایت بن رہی ہے اس کا دارالقضاء یا محکمۂ شرعیہ سے تعلق بھی نہیں ہے، چند نفر جمع ہوئے اور پنچایت ترتیب دے لی، اس صورت میں اگر کوئی انکار کر دے کہ آپ کی پنچایت کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے تو کیا نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

**المستفتی:** ظہیر الاسلام سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جو دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ یا امارت شرعیہ کے ماتحت چلتے ہیں یا ملک کے با اثر علماء اور مسلمانوں کے نمائندہ علماء کے ماتحت چلنے والی پنچایتیں ہیں ان کو نکاح طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ مسائل میں قاضیٔ شرعی کی حیثیت حاصل ہے، جب شرعی محکموں میں ایک فریق مذکورہ مسائل میں دعویٰ دائر کریگا تو دوسرے فریق پر محکمۂ شرعیہ کے فیصلہ کو ماننا لازم ہوگا، انکار کی گنجائش نہیں، ہاں البتہ جو پنچایتیں گاؤں گاؤں قریہ قریہ قائم ہیں اور وہ کسی بڑی تنظیم کے ماتحت نہیں ہوتی ہیں وہاں غلط فیصلہ کا بھی بڑی حد تک امکان ہے، وہ سب محض پنچ کے حکم میں ہوتی ہیں، ان کا فیصلہ فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، اب رہا آپ کا سوال کہ کوئی صریح جزئیہ تو تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکا البتہ مسئلہ متعنت وغیرہ سے قضاء کی حیثیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۵) | ۱۱/۴/۱۴۱۷ھ |

# قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟

**سوال** [۷۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں :(۱) ہندوستان میں شرعی پنچایت یا محکمۂ شرعیہ کے نام سے جو ادارے قائم ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا محکمۂ شرعیہ کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا یا نہیں جبکہ محکمۂ شرعیہ کے پاس قوت تنفیذ نہیں ہے؟

(۲) کیا قاضیٔ شرع برائے نزاعات کے تقرر کے لیے عمومی اجلاس ضروری ہے یا صرف خواص بھی اس کا تقرر کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا قاضی کے تقرر کے لیے اتفاق رائے ضروری ہے یا کثرت رائے پر بھی تقرر کیا جا سکتا ہے؟

(۴) قوت قاہرہ سے کیا مراد ہے؟

(۵) کیا قیام قاضی کے لیے قوت قاہرہ شرط ہے؟

(۶) کیا قضاء اور تنفیذ دونوں امور ایک ہی فرد کے لیے ضروری ہیں، اگر قوت تنفیذ نہ ہو تو قضاء قاضی معتبر ہوگا؟

(۷) ایسے ممالک میں جہاں حکومت اسلامیہ نہیں ہے تو کیا قاضی کا تقرر برائے تنازعات کیا جا سکتا ہے؟ بالخصوص ان امور میں جن میں قوت قاہرہ کی ضرورت نہ ہو۔

المستفتی: دفتر دارالعلوم اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: (۱) اس کا فیصلہ تسلیم کر لینا لازم اور واجب ہوتا ہے (۲) اہل حل وعقد وخواص بھی کر سکتے ہیں (۳) کثرت رائے سے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ کثرت اہل حل وعقد کی ہو (۴) قوت قاہرہ سے قوت عسکری مراد ہے (۵) شرط نہیں ہے (۶) ایک شخص کے لیے ضروری نہیں ہیں بلکہ الگ ہو سکتے ہیں جیسا کہ انڈین عدالت میں حاکم فیصلہ

دیتا ہے اور فوجداری محکمہ اس کو نافذ کر کے عمل میں لاتا ہے (۷) جی ہاں قائم کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: مدلل اس لیے نہیں لکھا ہے کہ یہ تمام مسائل دلائل کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ احقر کی کتاب بنام ''غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور'' میں عنقریب شائع ہو کر آنے والے ہیں، الحمد للہ کتابت ہو چکی ہے آپ ایک ماہ کے بعد ایک خط یاد دہانی کے لیے روانہ کر دیں ان شاء اللہ آپ کو بھیج دیں گے۔؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

# امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟

**سوال** [۷۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی کی امارت شرعیہ کا جو مقام ہے وہ قائم مقام سلطان ہے یا قائم مقام مقامی قاضیٔ اسلام ہے؟

المستفتی: محمد بخدا بخش گوبند پور ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ امارت شرعیہ یا ہلال کمیٹی قائم مقام سلطان کے ہے، غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو اس کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے کوئی قاضی مقرر کردے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۲۹)

**كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا.** (شامی، کتاب القضاء، مطلب: في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها

الکفار، کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٧/٢٦٤، کوئٹہ ٦/٣٦٥، زکریا ٧/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۴۱)

# قاضی یا امام کا متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا لازم ہے

**سوال** [۷۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر جے پور میں راجہ کے زمانے کے شہر کے ایک قاضی مقرر ہیں جو شہر میں ہونے والے نکاحوں کے پڑھانے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز کے ذمہ دار ہیں جب ان کو قاضی مقرر کیا گیا تھا اس وقت جے پور شہر میں علماء تو درکنار مساجد میں صحیح قرآن پڑھنے والے امام صاحبان بھی مہیا نہیں تھے، قاضی صاحب خود نہ تو عالم ہیں نہ حافظ، نہ زیادہ دینی مسائل سے واقف، یہی وجہ ہے کہ وہ خود نکاح نہیں پڑھاتے اور نہ عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، چند لوگوں کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کر رکھا ہے، انہیں سے نکاح پڑھواتے ہیں اور انہیں سے عیدین کی نماز پڑھوا لیتے ہیں، لیکن دو سال سے انہوں نے اپنے ایک لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، اور عیدگاہ میں اسی سے عیدین کی نماز پڑھواتے ہیں، وہ لڑکا بھی نہ عالم ہے نہ حافظ ہے نہ زیادہ دینی معلومات رکھتا ہے، قرآن بھی تجوید سے نہیں پڑھتا، انگریزی اسکول میں پڑھا ہوا ہے پہلے وہ تقریبات میں ڈانس بھی کرتا تھا، اب جے پور شہر میں اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے علماء، حفاظ ومفتیان کرام ہو گئے ہیں، لہٰذا شہر کے علماء کو ان کی امامت سے اختلاف ہے، اور رمضان المبارک میں جو سفراء مدارس اسلامیہ سے آتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ عیدگاہ کا امام عالم ہونا چاہیے، مذکورہ بالا حالات میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) شہر کا قاضی کیسا شخص ہونا چاہیے؟ (۲) نکاح پڑھانے کا حق صرف مقررہ قاضی کو ہی

ہے یا دیگر علماء کرام بھی پڑھا سکتے ہیں؟ (۳) عیدگاہ میں عیدین کا امام جو کہ پورے شہر کی نمائندگی کرتا ہے کیسا ہونا چاہیے؟ (۴) قاضی صاحب کے لڑکے کو صرف صاجزادگی کی بنیاد پر جو کہ غیر عالم ہے علماء ومفتیان کرام کے موجود ہوتے ہوئے عیدگاہ کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر احمد خان، انوار حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قاضی ہو یا امام متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا چاہیے اور امام بھی ایسا ہونا چاہیے جو قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو، اس قاضی کو جس زمانہ میں قاضی بنایا گیا تھا، اس وقت اصول شرع کا خیال نہیں رکھا گیا تھا، اس لیے کہ شہر جے پور جس میں بڑی مسلم آبادی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہاں کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا نہ رہا ہو، نیز جو لوگ موروثی طور پر شہروں میں قاضی یا امام کی حیثیت سے مقرر ہوتے آئے ہیں اگر وہ ان عہدوں اور منصبوں کے شرعی طور پر اہل نہیں ہیں تو ہندوستان میں ایسے قاضی اور ایسے امام کی پیروی اور اتباع کرنا لازم نہیں ہے، ہر شہر اور ہر علاقہ کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اہل علم اور شریعت کے ذمہ دار علماء کا انتخاب کریں اور پھر اس عالم پر سب لوگ متفق ہوجایا کریں نیز جہاں پر مسلمانوں کے اتفاق سے تجربہ کار متبحر عالم دین کو عہدۂ امامت یا عہدۂ قضاء پر مقرر نہیں کیا گیا ہے وہاں مسلمان موروثی امام اور قاضی کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے مسائل کا حل قابل اعتماد علماء سے حاصل کریں اور قابل اعتماد علماء سے اپنا نکاح وغیرہ پڑھوائیں، اور جامع مسجد اور عیدگاہ کے لیے متبع شریعت عالم کا انتخاب کرلینا چاہیے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱۲)

**وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم الخ.** (شامي، كتاب القاضي، مطلب أبو حنيفة دعي إلى القضاء ثلاث مرات فأبى، كراچی ۵/۳۶۹، زكريا ۸/۴۳، البحر الرائق كوئٹه ۶/۲۷۴، زكريا ۶/۴۶۱،

تاتارخانیة زکریا ۱۱/۹ رقم: ۱۵۳۴۱، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴، کوئٹہ ۶/۳۶۵، زکریا ۷/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷/۸۰۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۶/۱۴۲۴ھ

# دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا

**سوال** [۷۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم ہے اگر دو سال سے کم عمر کا جانور ذبح کر کے دھوکہ دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قاضیٔ شہر منتخب ہوا اور وہ ایسی حرکت کرے تو اس کی اتباع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ کوئی فیصلہ کرے تو اس کو مانا جائیگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: شریعت میں دھوکہ دہی کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، سائل کا صرف کسی عالم کو متعین کرنا یہ درست نہیں ہے، دھوکہ دینے والا خواہ کوئی بھی ہو، شرعاً دھوکہ دہی ناجائز ہے، پھر سائل کا مزید یہ پوچھنا کہ ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کرنا پھر اس کی اتباع کے بارے میں پوچھنا اس سلسلے میں ان لوگوں سے پوچھا جائے جو اپنے شہر کا قاضی منتخب کرنے والے ہیں، ہم صرف اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا قاضی ہو یا مسجد کا امام متبع شریعت ہونا چاہیے۔

**قال علیه الصلاة والسلام: من غشنا فلیس منا.** (مسلم شریف، کتاب الإیمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، النسخة الهندیة ۱/۷۰، بیت الافکار رقم: ۱۰۱)

**إن الفاسق لیس بأهل للقضاء فلایصح قضاؤه لأنه لایؤمن علیه لفسقه وهو قول الثلاثة واختاره الطحاوی، قال العینی: وینبغی أن یفتی به خصوصاً فی هذا الزمان.** (شامی، کتاب القضاء، مطلب: فی حکم القاضی الدرزی والنصرانی کراچی ۵/۳۵۵-۳۵۶، زکریا ۸/۲۵)

**ثم أفضل هؤلاء أعلمهم بالسنة و أفضلهم ورعاً.** (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة، زکریا ۱/ ۳۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

# کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کو ملنی چاہیے؟

**سوال** [۷۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو ہر فریق کو فیصلہ کی کاپی ملنی چاہیے؟

المستفتی: شبیر احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو فیصلہ کی کاپی جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کو ملنی چاہیے، اور مصالحت کی صورت میں دونوں فریق کو ملنی چاہیے۔

**والحجة ما عليه علامة القاضي أعلاه و خط الشاهدين أسفله و أعطى للخصم.** (شامی، كتاب القضاء مطلب: في العمل بالسجلات، کراچی ۵/ ۳۶۹، زکریا ۸/ ٤٤)

**وفي وضع آخر ينبغي للقاضي أن يعتذر للمقضي عليه ويبين له وجه قضائه و يبين له أنه فهم حجته ولكن الحكم في الشرع كذا يقتضي القضاء عليه ...... ومن يسمع يخل فربما تفسد العامة عرضه وهو برئ و إذا أمكن إقامة الحق مع عدم إيغار الصدور كان أولىٰ.** (شامی، کراچی ۵/ ۳۷٦، زکریا ۸/ ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٠٨٠)

# فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونا لازم ہے

**سوال** [۷۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور میں آپ نے ایک مقام پر میٹنگ میں یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے شرعی عدالتوں کا سہارا لینا چاہیے، سرکاری عدالتوں میں نہ جائیں، شرعی عدالتوں میں شرعی طور پر فیصلے ہوتے ہیں جو باعث فلاح اور ثواب ہیں، میرا ایک معاملہ تھا جو میں نے مقامی شرعی عدالت میں رکھنا چاہا جو کہ مبلغ ۳۰۰/ روپئے بطور اخراجات لیتے ہیں، تو انچارج (صدر) مفتی شرعی عدالت نے یہ کہہ کر مجھے مایوس کر دیا کہ فیصلہ کرانے کے لیے دونوں فریقوں کو آنا چاہیے، جبکہ اصولاً یہ بات غلط، غیر قانونی اور غیر اصولی ہے، معاملہ میرے پڑوس کی ایک مسجد کے متولی کے قطعی غیر قانونی عمل اور اسلامی اخلاق کے برتاؤ کے قطعی خلاف ہے، میں ایسا سمجھ رہا ہوں کہ منع کرنے والے مفتی صاحب کو خوف خدا کی جگہ خوف انسان یا متولی یا اس کے خاندان کا رہا، اس خط کے ذریعہ آپ کی آراء کو جاننا چاہتا ہوں، تا کہ مفتی مذکور سے کہہ سکوں آپ اس میں رہنمائی فرمائیں میں معاملہ کو شرعی عدالت کے ذریعہ سلجھانا چاہتا ہوں، چونکہ سرکاری عدالتیں بغیر جھوٹ اور رشوت کے نہیں چلتی ہیں، اور میری عمر ۷۶ سال ہے خوف خدا ہے ورنہ اب تک عدالت نگینہ منصفی جا سکتا تھا، رائے ضرور تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالمالک نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: میں نے ٹانڈہ ضلع رامپور میں دورانِ گفتگو اور سوال وجواب کے درمیان صاف طور پر یہ بات کہی تھی کہ وہ مسائل جو خاص طور پر مسلمانوں کے عائلی معاملات یعنی میاں بیوی کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں ان کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے ذریعہ سے کرانا چاہیے، عدالتوں میں جا کر فریقین اپنے پیسے برباد نہ کریں اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ جائیداد اور مالی معاملات کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت

کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے کہ محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے پاس قوت عسکری موجود نہیں ہے اس لیے مالی معاملات سے متعلق مفتی سے فتویٰ لیا جا سکتا ہے، مفتی مسئلہ بتلا دیں گے عمل کرنا نہ کرنا صاحب معاملات کا کام ہے اس لیے کہ مفتی کا فتویٰ فیصلہ نہیں ہوتا ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا راستہ بتلانا ہوتا ہے۔

نیز سوال میں جو لکھا گیا ہے کہ دونوں فریق کو آنا چاہیے یہ بات درست اور صحیح ہے، جہاں بھی محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں کے محکمہ پر لازم ہے کہ صرف ایک فریق کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرے، بلکہ دونوں فریق کی بات سننے کے بعد ہی فیصلہ کی اجازت ہوتی ہے، لہٰذا مفتی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

**ولا یقضی علی غائب ولا له، أی لا یصلح بل لا ینفذ علی المفتی به.**

(شامی، کتاب القضاء مطلب: فی أمر الأمیر وقضائه، کراچی ۵/۴۰۹، زکریا ۸/۱۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۱) | ۱۴۳۴/۴/۱۴ھ |

# ناحق فیصلہ کرنے کا حکم

**سوال** [۷۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدعی کے مدعیٰ علیہ کے اسٹیٹ میں دو طویلے، گودام، روم وغیرہ کے ساتھ تھے، ایک طویلہ تقریبا ۶۲؍ سال ہوئے، پگڑی سے رکھا تھا، دوسرا طویلہ ۲۰۰۴ء میں خرید کر رکھا تھا، جس کا ٹرانسپورٹ مدعی علیہ نے مدعی کے پاس سے تقریباً گیارہ، بارہ لاکھ روپئے لیے تھے، ایک روم تھا جس کا ٹرانسپورٹ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے لیے تھے۔

(۲) ۲۰۰۶ء میں اسٹیٹ مالک نے چاہا کہ یہاں سے سارے طویلے نکال کر یہاں پر آئی ٹی پارک بنواؤں، اس کے لیے مدعی علیہ نے مدعی کو بلا کر کہا، آپ کو دو طویلے، روم وغیرہ

کے عوض بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ کا ایریا دوں گا، اور تیرہ کار پارکنگیں اور اس کے بننے تک ماہانہ ایک لاکھ دس ہزار روپئے کرایہ دوں گا، اور چوبیس ماہ میں بنا کر اس کا قبضہ دیدوں گا، یہ مدعیٰ علیہ کا مدعی سے عہد پیمان ہوا، اس پر مدعی نے اپنی جگہ خالی کر کے مدعیٰ علیہ کو سونپ دی۔

(۳) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ ایریا دیا تھا، اس میں سے مدعی نے دو ہزار سات سو فٹ جگہ بیچ دی، اور دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا مدعی علیہ نے مدعی کو دستاویز کر کے دیدی، اور تیرہ کار پارکنگیں دیں۔

(۴) مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں پندرہ پیسے کی حصہ داری کی ۲۰۰۸ء میں مدعی نے مدعی علیہ کو حصہ داری کے ایک کروڑ اکیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۵) ۲۰۰۸ء میں مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے سات ایکڑ زمین میں دس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس کے مدعی نے مدعی علیہ کو چھیالیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۶) ۲۰۰۸ء مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ آئی ٹی ٹو میں بیس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس میں مدعی نے مدعی علیہ کو ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۷) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کی قیمت پچاسی لاکھ روپئے مدعیٰ علیہ کو دیئے تھے، یہ بھی ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے۔

(۸) مدعیٰ علیہ نے دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا کرایہ عہد و پیمان کے مطابق اڑتیس ماہ تک دیا، پھر کرایہ دینا بند کر دیا۔

(۹) مدعیٰ علیہ نے چوبیس ماہ میں بنا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، چوبیس کی جگہ، چالیس ماہ ہو گئے، لیکن نہ کرایہ دیتا ہے نہ جگہ کا قبضہ۔

(۱۰) مدعی نے مجبوراً قانونی کارروائی شروع کی، جس میں مدعی کے تقریباً ایک کروڑ روپئے خرچ ہو گئے، لیکن کوئی صحیح نتیجہ نہ نکلا، اگر عدالت میں جاتے ہیں تو بیس پچیس سال لگ جاتے ہیں، اس لیے مجبوراً یہ مسئلہ سماج پنچ کو سونپنا پڑا، مدعی نے تین حکم مقرر کیے، اور مدعی علیہ نے تین حکم، مدعی اور مدعیٰ علیہ نے دس دس لاکھ روپئے ڈیپوزٹ کے طور پر حکموں کے پاس

رکھیں، اور دونوں نے اپنا اپنا پاور لکھ کر دیا۔

(۱۱) مدعی اور مدعیٰ علیہ کی پہلی میٹنگ ہوئی، مدعیٰ علیہ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ فیصلہ آربی ٹیشن کے ماتحت ہوگا، نہ کہ سماجی لیول اور حلفیہ چونکہ مدعی نے اس معاملہ کا گواہ مدعیٰ علیہ کے ایک حکم کو بنایا تھا، اور دوسرا مدعیٰ علیہ کے ایک آئی ٹی پارک حصہ دار کو بنایا تھا، جو اس معاملہ کو اچھی طرح جانتے تھے، معاملہ سونپنے کے بعد چھ ماہ کے بعد فیصلہ سنایا۔

(۱۲) امور بالاخانہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مدعی کا مدعیٰ علیہ پر کیا حق ہے؟

# حکموں کا فیصلہ

(۱) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا دستاویز کر کے دیا تھا، اس میں سے دو ہزار پانچ سوفٹ جگہ کم کردیں، پرانے دستاویز واپس لے کر نئے دستاویز بنانے کا فیصلہ کیا اور نئے دستاویز کا خرچ مدعی کے ذمہ ڈالا۔

(۲) مدعی علیہ نے عہد و پیمان کے مطابق جو اڑتیس ماہ کرایہ دیا تھا اس میں سے تقریباً چھبیس لاکھ روپئے مدعی کے پاس سے واپس لیا۔

(۳) مدعی کو تیرہ کار پارکنگیں دی تھی، اس میں سے نو کار پارکنگیں واپس لیں۔

(۴) مدعی کی جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ تھی، اس میں سے چھتیس سوفٹ جگہ تین سال پہلے کرایہ پر دی تھی، کرایہ کے ایک کروڑ روپئے مدعیٰ علیہ کے پاس جمع تھے، جس میں سے مدعی کو سینتیس لاکھ روپئے دینے کا وعدہ کیا، وہ بھی ایک سال کے بعد قسط وار، ایک تو تین سال سے مدعی کی رقم استعمال کررہے ہیں، اور فیصلہ میں تریسٹھ لاکھ روپئے کم کرکے دینے کا وعدہ ایک سال کے بعد وہ بھی قسط وار۔

(۵) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کے پچاسی لاکھ روپئے مدعی علیہ کو دیئے تھے، یہ فلیٹ ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے، مدعی کا مطالبہ تھا کہ آج تک کے کرایہ کے ساتھ فلیٹ کا قبضہ دیا جائے نہ تو کرایہ دیا نہ تو فلیٹوں کا قبضہ دیا، نہ فلیٹوں کی قیمت واپس دی۔

(۶) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں حصہ داری کی تھی جس میں ایک کروڑ اکیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور ساڑھے سات ایکڑ زمین کی حصہ دار میں چھیالیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور آئی ٹی ٹو میں حصہ داری کے ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے دیئے تھے، یہ حصہ داری ۲۰۰۸ء میں کی تھی، مدعی کا مطالبہ تھا، کہ ان تینوں کا آج تک کا حساب، اور آج کی قیمت کے حساب سے، مجھے اس کی قیمت دی جائے تو نہ تو اس کا حساب دیا، اور نہ اس کی قیمت واپس کی۔

(۷) مدعی نے اپنا حق لینے کے لیے قانونی خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کیا تو یہ خرچ بھی نہ دیا۔

(۸) مدعی نے حکموں سے کہا کہ آپ لوگوں نے تو ایک طرفہ فیصلہ کیا، میرا حق سب مدعی علیہ کو دیدیا، تو کہنے لگے کیا کریں وہ مانتا ہی نہیں، وہ تو دینے کے لیے تیار ہی نہیں، تو ہم نے سوچا یہ کچھ بھی دیگا، تو مدعی کا بڑا نقصان ہوگا اس لیے ہم نے اسی پر فیصلہ کرلیا، مدعی نے یہ مسئلہ سماجی پنچ کو اس لیے سونپا تھا کہ مدعی کی جگہ دس ہزار پچاس فٹ دستاویزی تھی، عدالت میں صرف اس کا دعویٰ چل سکتا ہے، باقی حصہ داری یہ سب دونمبر کی چیزیں تھیں، دونمبر کا دعویٰ عدالت میں نہیں چل سکتا، اس لیے سماج کے لوگوں کو سونپا تھا، تو سماج کے لوگوں نے جو دستاویزی جگہ تھی اس میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس فٹ جگہ کم کردی، پھر دونمبر کی حصہ داری کا تو کیا کہنا؟ تو مدعی کا اتنا بڑا حق ضائع کرنے کا مجرم صرف مدعیٰ علیہ ہوگا، یا پھر یہ حکم بھی اس جرم میں شریک ہوں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بشرط صحت سوال حکموں پر لازم تھا کہ کسی کے دباؤ اور کسی کے ماننے اور نہ ماننے کی پرواہ کیے بغیر صحیح فیصلہ کرتے مگر انہوں نے یہ سوچ کر کہ سامنے والا نہیں مانے گا اسی کے حق میں فیصلہ کردیا جو غلط ہے، اور ظالم کی معاونت اور مدد ہے، احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جو شخص جھگڑے میں باطل کی بلاحق معاونت کرتا ہے تو وہ

اللہ اوراس کے رسول کے ذمہ سے نکل جاتا ہے، اورتاحیات اللہ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے، لہٰذا مدعی کا حق مارنے کا جتنا گناہ مدعیٰ علیہ پر ہوگا اس میں یہ حکم بھی شامل ہوں گے۔

**عن سالم عن أبيه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين.** (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۹۰، ف: ۲۴۵۴)

**عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالیٰ يوم القيامة سبع أرضين.** (المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۶/۱۶۷، رقم: ۸۳۸۳، صحيح مسلم، كتاب المساقاة و المزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۱، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

**عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أعان بباطل ليدحض بباطله حقا فقد برئ من ذمة الله و ذمة رسوله.** (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيرت ۱۱/۹۴، رقم: ۱۱۲۱۶، ۱۱/۱۷۲، رقم: ۱۱۵۳۹، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۲/۱۸۰، رقم: ۲۹۴۴، المستدرك، جديد نزار مصطفى الباز بيروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۲، كنزالعمال قديم ۳/۴۹۹، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴۵۲)

**عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أعان على خصومة بغير حق كان في سخط الله حتى ينزع.** (المستدرك، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۱، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴۵۲، ومثله في المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۱۲/۲۹۶، رقم: ۳۴۳۵، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۰ھ

# شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم

**سوال** [۷۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہوں اس پنچایت کے شرکاء کیا شرعاً گنہگار ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے کیے جاتے ہوں اس پنچایت میں شرکت کرنے والے شرکاء گنہگار ہوں گے۔

﴿قال الله وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. [المائدة: ٤٧] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۱۴ھ

# قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل

**سوال** [۷۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ایک مقدمہ زمین کا زیر سماعت ہے، احقر کو نہ کوئی تجربہ ہے نہ علم و معلومات، صرف خیال کر کے باصرار قبول کرلیا ہے کہ اچھی بات ہے لوگ شریعت سے فیصلہ لینا چاہ رہے ہیں اس لیے اس کام پر اصرار بھی مناسب نہیں، وہ یہ ہے کہ معاملہ حوالے ہوجانے کے بعد احقر نے ایک وضاحت نامہ جاری کیا جو درج ذیل ہے:

وضاحت نامہ: فریق اول: امان اللہ خان ورفقاء
فریق ثانی: اشرف خان وبرادران

مسلم شریف ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص بالشت بھر زمین بھی ناحق لے گا (دبائیگا) اس کے گلے میں (قیامت کے دن) ساتوں زمین کے طوق ڈالے جائیں گے (انتھی الحدیث) اس لیے دریافت طلب امور کے جوابات پوری سچائی ودیانت کے ساتھ اپنے علم ومعلومات کی روشنی میں صاف صاف تحریر کریں:

(۱) مطلوبہ آراضی (متنازع فیہ) میں آپ کو حق ملکیت، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ اسبابِ ملک میں سے کس حیثیت سے حاصل ہوا، اس کی وضاحت کریں؟

(الف) حق ملکیت اگر بحیثیت خرید وفروخت حاصل ہوا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں؟

(ب) اور اگر بذریعہ ہبہ حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو واہب (ہبہ کرنے والے) کی زندگی میں آراضیٔ موہوبہ (ہبہ کی گئی زمین) پر موہوب لہ (جس کو ہبہ کی گئی) کا قبضہ وتصرف ثابت کریں۔

(ج) اگر بذریعہ وراثت حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو مورث سے اپنا نسبی تعلق ثابت کریں؟

(۲) جس زمین کے آپ مدعی وطالب ہیں اس کا موجودہ حدود اربعہ موقع مناسبت کے ساتھ تحریر کریں؟

ضروری باتیں: (۱) ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دو معتبر دیندار شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے۔

(۲) گواہان پر معقول وجائز وجہ کے ساتھ نقد واعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

(۳) اولاً جوابات صاف اردو میں تحریر کرکے دینے ہوں گے۔

دوبارہ پھر مذکورہ بالا تحریر بھیجنی اور اس کے بعد پھر فیصلہ کی تاریخ دینی ہے۔

والسلام: خورشید انور

تحریر یہ ہے کہ......فریق اول (مدعی): امان اللہ ورفقاء

فریق دوم (مدعا علیہم): اشرف خاں وبرادران

۳ر اگست ۹۰ء کو صبح سات بجے بروز جمعہ کو تشریف لاکر مدعیان شرعی گواہ پیش کریں

ورنہ مدعا علیہم سے قسم لے کر معاملہ کو تکمیل فیصلہ کی صورت دیدی جائے گی، حدیث پاک میں ہے ’’البینة علی المدعی والیمین علی من انکر‘‘

والسلام: خورشید انور

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں بتلائیں کہ وضاحت نامہ اور دوسری تحریر درست ہے یا نہیں اس میں جو غلطی ہو اس سے مطلع فرمائیں؟

(۲) قسم کس طرح لی جائے گی؟

(۳) کیا سبھی سے قسم لی جائے یا کہ مدعا علیہم کی جانب سے ایک شخص جو خود بھی مدعا علیہم ہی میں سے ہے صرف اسی سے قسم لی جائے؟

(۴) قسم کے الفاظ خود کہلوائے جائیں یا وہ خود جن الفاظ سے قسم کھانا چاہے اس کو سن لیا جائے جو حرج ہو سکتا ہو، تحریر فرمائیں؟

(۵) فیصلہ کی اور بھی صورت سمجھ میں آئے تو بلا کیف تحریر فرمائیں؟

(۶) سرکاری کاغذات بیعنامہ اور بینک کی تحقیقات و زمین نامہ بظاہر مدعا علیہم کے حق میں ہیں تو کیا فیصلے کی تحریر میں مذکورہ دستاویزات کا حوالہ دیکھا جائے گا؟

برائے مہربانی غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں یا جو بھی ضروری مشورہ ہو تحریر فرمائیں اگر احقر کی حاضری ضروری ہو تو احقر خود بھی حاضر ہو سکتا ہے، مدرسہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے فی الحال حامل عریضہ ہی کو میں بھیج رہا ہوں۔

المستفتی: احقر خورشید انور ابن قاری شوکت علی بادل خان والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) وضاحت نامہ اور تحریر مکرر درست اور صحیح ہے، قاضی، پنچ اور فیصل کو مذکورہ وضاحت طلب کرنے کا حق ہے، اور اسباب ملک کی وضاحت کا مطالبہ بھی سب صحیح ہے۔

رجل إدعی دارا فی ید إنسان وقال فی دعواه هذه الدار کانت لأبی فلان مات و ترکها میراثا لی، ولأختی فلانة ولا وارث له غیرنا، وترک دواباً و ثیابا

**فقسمنا الميراث ووقعت هذه الدار في نصيبي بالقسمة و اليوم جميع هذه الدار ملكي لهذا السبب وفي يد هذا بغير حق فدعواه صحيحة الخ.** (هنديه، كتاب الدعوىٰ، الفصل الثالث فيما يتعلق بدعوىٰ العقار، زكريا قديم ٤/١٢، جديد ٤/١٦)

**فإن ادعى عقاراً حدوه و ذكر أنه في يد المدعى عليه وأنه يطالبه به لأنه تعذر التعريف بالإشارة لتعذر النقل فيصار إلى التحديد، فإن العقار يعرف به ويذكر الحدود الأربعة ويذكر إسما أصحاب الحدود و أنسابهم ولا بد من ذكر الحد لأن تمام التعريف به عند أبي حنيفةؒ على ما عرف هو الصحيح.** (هدايه اشرفی دیوبند ۳/۲۰۲)

(۲-۳) مدعا علیہم میں سے ہر ایک سے الگ الگ قسم لینا ضروری ہے جو قسم سے انکار کریگا اس کا حصہ مدعی کو دیدیا جائے گا۔

**مستفاد: فإن لم تقم له بينة استحلف الشركاء.** (هدايه، كتاب القسمة اشرفی دیوبند ٤/٤٢٠)

(۴) کلمات قسم کہلوائے جانے چاہئیں، کیونکہ طریق قسم سے عوام ناواقف ہوتے ہیں۔

**واليمين بالله دون غيره وقد يؤكد بذكر أوصافه وهو التغليظ و ذٰلک مثل قوله "قل: والله الذي لا إله إلا هو، عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم، الذي يعلم من السر و الخفاء، ما يعلم من العلانية، ما لفلان هذا عليك ولا قبلك، هذا المال الذي إدعاه إلى آخره.** (هدايه، كتاب الدعوىٰ، باب اليمين، اشرفی دیوبند ۳/۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۲)

## جائیداد کے لیے دو فریق میں جھگڑے کا فیصلہ

**سوال** [۷۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) دوفریقوں کے درمیان کسی جائیداد پر نزاع ہوتو ایسی صورت میں سرکاری کاغذات کوشرعی ثبوت سمجھ کران کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ اگرنہیں تو پھر فیصلہ کے لیے کن چیزوں کوشرعی طور پر بنیاد بنایا جائے، جبکہ چشم دید گواہان انتقال کر چکے ہوں؟

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو پھر فیصلہ کے لیے شرعی اصول کیا ہے؟ ایسی صورت میں ”البینة علی المدعي و الیمین علی من أنکر“ کی روشنی میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ ایسی صورت میں جبکہ فریقین کے دلائل مشتبہ ہوں تو قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کرنا کیسا ہے، جبکہ قبضہ کا عرصہ پچھتر سال سے زائد ہو چکا ہے اس عرصہ کے اندر کوئی تنازعہ ملکیت وغیرہ کا سامنے نہیں آیا؟

(۳) کتنے عرصہ کے قبضہ کوشریعت نے قبضہ تسلیم کیا ہے؟

المستفتی: نبی اللہ شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) اگر جائیداد سے متعلق نزاع اور اختلاف ہے اور جن لوگوں کے قبضہ میں جائیداد موجود ہے ان کے قبضہ میں رہتے ہوئے دوسرے فریق نے اگر چھتیس سال تک کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے چھتیس سال گذرنے کے بعد دوسرے فریق نے دعویٰ کیا ہے اور جانبین میں سرکاری کاغذات کا ثبوت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں جائیداد انہیں لوگوں کی ملکیت سمجھی جائے گی جن لوگوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے، اور اگر چھتیس سال سے پہلے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ چل رہا ہے تو اس کو واضح کیا جائے کہ قبضہ کے کتنے سالوں کے بعد اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے بعد شرعی حکم بیان کیا جائیگا، اور اگر کسی ایک فریق کے حق میں سرکای کاغذات موجود ہیں اور کاغذات سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ ہیں اوران کاغذات کے خلاف دوسرے کاغذات سرکاری دفاتر میں نہیں ہیں تو ایسی صورت میں جس فریق کے حق میں سرکاری دفاتر میں کاغذات محفوظ ہیں، شرعی طور پر اسی فریق کا حق اس جائیداد میں ثابت ہوگا، دوسرے فریق کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

**وحاصله أن ما مر من قولهم لایعتمد علی الخط و لایعمل به مبني**

**علی أصل المنقول فی المذهب قبل حدوث العرف ولما حدث العرف فی الاعتماد علی الخط والعمل به فی مثل هذه المواضع أفتوا به.** (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

**للعلامة الشیخ علاء الدین الحصکفی شارح التنویر و الملتقی رسالة فی ذٰلک، حاصلها بعد أن نقل ما هنا من أنه یعمل بکتاب الأمان.** (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

**(۲)** اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو ان کاغذات کا غیر جانبدار لوگوں کے ذریعہ سے معائنہ کرایا جائے اور پھر سرکاری دفاتر سے رجوع کیا جائے جس فریق کے حق میں کاغذات صحیح ثابت ہو جائیں اسی فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر کاغذات کے بارے میں کسی ایک فریق کے حق میں صحیح ثبوت نہیں ہو پاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی شہادت دیکھی جائے گی، اور اگر شہادت بھی نہیں ہے تو جس کے قبضہ میں جائیداد ہے شرعی طور پر وہی مدعیٰ علیہ اور منکر سمجھا جائے گا اس سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

**ولا ترد الیمین علی المدعی لقوله علیه السلام: البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر.** (هدایه کتاب الدعویٰ، باب الیمین، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۰۳)

**فإن فی ید أحدهما قضی بها له هو الأصح.** (شامی باب دعویٰ الرجلین، کراچی ۵/ ۵۷۷، زکریا ۸/ ۳۳۵)

**(۳)** سوالنامہ میں یہ جو پوچھا گیا ہے کہ کتنے عرصے کے قبضے کو شریعت نے تسلیم کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے "**القول قول القابض**" جو فرمایا ہے اس کا مصداق پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس کے قبضے میں شئ ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہوتا ہے اور دوسرا فریق مدعی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں منکر کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں جس کے قبضہ میں شئ ہے اس سے قسم لے کر اسی کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے، اور اگر سائل اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جس کے قبضہ میں جائیداد ہے اس کے قبضہ میں ہوتے ہوئے دوسرے فریق کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوسکتا ہے اگر یہی پوچھنا چاہتا ہے تو

اس کے لیے یہ لازم ہے کہ جائیداد قابض کے قبضے میں آنے کے بعد بعض روایات میں پندرہ سال اور بعض میں ۳۳؍سال اور بعض میں ۳۶؍سال تک اور بعض روایات میں بغیر تعیین عرصۂ دراز تک دوسرے فریق کی جانب سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں ہوا ہے تو ایسی صورت میں قابض کے خلاف دوسرے فریق کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ قبضہ کو عرصہ ۷۵؍سال سے زائد ہو چکا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ۷۵؍سال تک دوسرے فریق کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے تو اتنے عرصہ کے بعد فریق ثانی کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔

ہاں البتہ اگر ان کے پاس سرکاری کاغذات سرکاری دفاتر میں محفوظ ہیں اور ان کاغذات میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں ہیں تب ان کا دعویٰ درست ہوگا، ورنہ نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قابض کے پاس ۷۵؍سال سے زائد ہو چکا ہے مگر جب سے قبضہ ہے اس وقت سے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت میں جانبین کی بات قابل سماعت ہوگی اور ۷۵؍سال تک قبضہ کی وجہ سے فریق مخالف کا دعویٰ منسوخ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر ۳۳ سال یا ۳۶؍سال تک دوسرے فریق نے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے پھر اس حالت میں مزید ۳۰/۳۵؍سال گذر گئے، ۷۵؍سال ہو گئے ہیں اس کے بعد دوسرا فریق دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

**وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زمانا فی أرض و رجل آخر یریٰ الأرض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعویٰ ولده فتترک علی ید المتصرف الخ، ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس فی الفواکه البدرية عن المبسوط: إذا ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثین سنة ولم یکن مانع من الدعویٰ ثم ادعیٰ لاتسمع دعواه لأن ترک الدعویٰ مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاهرا ومثله فی البحر، وفی جامع الفتاویٰ: وقال المتأخرون من أهل الفتاویٰ: لا تسمع الدعویٰ بعد ست و ثلاثین سنة.**

(شامی، کتاب الخنثی، کراچی ۶/۷۴۲، زکریا ۱۰/۴۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۴۹/۳۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ٢ باب الشهادة

## دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں

**سوال** [٧٥٩٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ رئیسہ خاتون اپنے حقیقی خسر شوہر کے باپ جمیل احمد کے بارے میں یہ دعویٰ کرتی ہے کہ چند مرتبہ میرا خسر ناجائز طریقے سے اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے میرے جسم کے پوشیدہ حصوں، پستان، فرج، کمر بند، شلوار میں ہاتھ ڈال چکا ہے، مگر چونکہ وہ بھی میرا دوسرا باپ ہے، اس لیے میں نے اس کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا، کچھ وقت تک یہ راز شوہر، خوش دامن، شوہر کے چچا وغیرہ گھر والوں تک ہی پوشیدہ رکھا، مگر جب طریقہ حد سے بڑھ گیا اور گھر کے افراد جمیل احمد پر کنٹرول نہیں کر سکے تو مجبوراً رئیسہ خاتون نے اپنے میکہ میں اس کا اظہار کر دیا ہے، پنچایت میں جمیل احمد نے رئیسہ کے دعویٰ کی تردید کر دی، جمیل احمد کے گھر والوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان واقعات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا، جمیل احمد رئیسہ کے قول کی تکذیب کرتا ہے، رئیسہ کے پاس موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: بندۂ خدا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: رئیسہ خاتون کا یہ کہنا کہ اس کا خسر جمیل احمد اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے کئی مرتبہ اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں میں ہاتھ ڈال چکا

ہے، اوراس دعویٰ پر رئیسہ خاتون کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، جبکہ جمیل احمد اس دعویٰ کا انکار کررہا ہے، اوراس واقعہ کی رئیسہ خاتون کے شوہر سمیت تمام گھر والوں نے تصدیق نہیں کی ہے اس لیے رئیسہ خاتون کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا، اورشوہر کے ساتھ اس کے نکاح میں فرق نہ آئے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۲۰)

**وإن إدعت الشهوة فی تقبيله أو تقبلها ابنه و أنكرها الرجل فهو مصدق وفی الشامية: إدعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو إن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة (إلى قوله) فهو مصدق لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر.**

(شامی، کتاب النکاح، زکریا دیوبند ٤/ ١١٤-١١٥، کراچی ٣/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۲۳ھ

# فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

**سوال** [۷۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بے ریش ہے، منع کرنے کے باوجود بھی ڈاڑھی منڈاتا ہے فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے ایسے میں اس کی شرعی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

المستفتی: محمد اسلام، امروہہ (جے پی نگر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: داڑھی منڈانا فسق ہے بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی ہے، اورفاسق کی شہادت مقبول نہیں۔

﴿**قال الله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ.** [الحجرات:٦] ﴾

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ. [الطلاق: ۲]﴾

**كالفاسق والذی یرتكب المعاصی أن شهادته لاتجوز.** (بدائع، کتاب الشهادة، کراچی ٦/٢٦٩، زكريا ٥/٤٠٤)

البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو یا پھر وہ خود سچی توبہ کرلے بایں طور کہ ڈاڑھی منڈوانا اور دوسرے معاصی کو چھوڑ دے تو پھر اس کی شہادت مقبول ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۰۴)

﴿**قال الله تعالیٰ: وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا.** [النساء: ١١٠]﴾

**عن أبی عبیدة بن عبد الله عن أبیه قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له.** (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٣١٣، دار السلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۳ھ

# کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟

**سوال** [۷۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو لوگ قرآن کریم کی قسم کھانے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ صوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد علی مین بازار بڑھا پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) قرآن کریم کی قسم کھانا ممنوع اور ناجائز ہے مگر اگر کسی نے قرآن کریم کی قسم کھالی ہے تو متعارف ہونے کی وجہ سے قسم صحیح اور منعقد ہو جائے گی، خلاف ورزی پر کفارہ واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۶۰)

**عن ابراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين.**

(المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۵۳۷، رقم: ۱۲۳۶۲)

**الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا ...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا.**

(الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ۵/ ۴۸۴–۴۸۵، كراچی ۳/ ۷۱۲)

(۲) جو لوگ جائز سمجھتے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے قسم صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ اس طرح قسم کھانے سے گناہ بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگ فاسق نہیں ہیں اس لیے ان کی گواہی معتبر اور صحیح ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۶۰)

(۳-۴) بے نمازی اور داڑھی منڈانے والے شرعاً فاسق ہیں، معاملات اور حقوق میں ان کی گواہی شرعاً معتبر نہیں ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ.** [الطلاق: ۲]﴾

**ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد للفسق.** (هدايه، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لايقبل، اشرفی ۳/ ۱۶۲)

**ولا بد في ذلک كله من العدالة الخ.** (هدايه اشرفی ۳/ ۱۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

# بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا

**سوال [۷۵۹۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کبھی بھی کوئی طلاق نہیں دی، مگر ہندہ نے عدالت میں کچھ گواہوں کے ساتھ یہ بیان دیا ہے کہ زید نے مجھ ہندہ کو طلاق دیدی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قاضی محمد مرغوب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس عدالت میں ہندہ نے شوہر کے خلاف طلاق ثابت کرنے کے لیے جھوٹی شہادت پیش کی ہے، اگر اس عدالت کا جج غیر مسلم ہے تو نہ شہادت معتبر ہوگی اور نہ غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق کے بارے میں معتبر ہوگا اس لیے مذکورہ عدالتی کارروائی اور فیصلہ کی وجہ سے ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

**قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.﴾** [النساء: ۱۴۱]

**لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.** (شامی، کتاب القضاء، باب التحکیمط زکریا ۸/۱۲۶، کراچی ۵/۴۲۸)

**ومنها الإسلام إلى ما قال لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنىٰ الولاية وهي الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولىٰ.** (بدائع الصنائع، زکریا ۵/۴۳۸، کراچی ۷/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۹؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ | احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱۲/۳۷) | ۱۴۲۵/۳/۹ھ |

# البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر

**سوال** [۷۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی محمد شمیم کارخانہ دار ہے، اس کا کاریگر حساب لینے آیا تو اس کو انہوں نے ایک ہزار روپیہ دیدیا اور اس کی نوٹ بک پر لکھ دیا، وہ روپیہ لے کر چلا گیا اور اس نوٹ بک کو وہیں چھوڑ دیا، پھر دو تین دن بعد آیا تو اس نے پانچ سو روپیہ کا مطالبہ کیا تو کارخانہ دار نے کہا کہ میں نے تم کو ایک ہزار روپیہ دیدیا تھا تو اس پر بات بڑھ گئی، دونوں کلام پاک اٹھانے کو تیار ہو گئے پھر انہیں سمجھا دیا گیا تو رک گئے۔ بس اب اس بات پر تکرار ہو رہی ہے لہٰذا ان دونوں میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور یہ روپئے کارخانہ دار دے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر کارخانہ دار کے پاس کاریگر کو ہزار روپئے ادا کرنے پر گواہ موجود ہیں تو کاریگر جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے، لہٰذا کارخانہ دار پر مزید پانچ سو روپیہ واجب نہیں ہیں اور اگر کارخانہ دار کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو کاریگر کو قسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو باقی ماندہ پانچ سو روپئے ادا کر دیا جائے گا۔

**فکتب ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ قال: ...... ولکن البینة علی المدعی، والیمین علی من أنکر.** (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الدعویٰ والبینات، باب البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه، دار الفکر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

**البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر.** (المبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۶/ ۶۰، قواعد الفقه اشرفی ٦٦، هدایه، باب القسامة، اشرفی ٤/ ٦٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲ھ

## مقدمہ میں گواہوں کو پیش کرنا کس کے ذمہ لازم ہے، مدعی کے یا مدعیٰ علیہ کے؟

**سوال [۷۵۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقدمہ میں گواہوں کا پیش کرنا مدعیٰ علیہ پر لازم ہے یا مدعی پر؟

المستفتی: انوارالحق سری نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت اسلامی میں مدعیٰ علیہ پر گواہوں کا پیش کرنا لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ گواہوں کا پیش کرنا مدعی پر ہی لازم ہوتا ہے۔

**عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: البينة على المدعی، واليمين على من أنكر.** (السنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الدعویٰ والبينات، باب البينة على المدعی واليمين على المدعی عليه، دار الفكر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

**البينة على المدعی واليمين على من أنكر.** (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶/ ۶۰، قواعد الفقه اشرفی ص: ۶۶، هدايه، باب القسامة اشرفی ۴/ ۶۳۵)

**المدعی من لايستحق إلا ببينة والمدعیٰ عليه من يكون مستحقا بلاحجة.** (مجمع الأنهر، كتاب الدعویٰ، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۴۴، قديم ۲/ ۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۷۵)

## گونگی باؤلی لڑکی کا اشارے سے اپنے حمل کو دو آمیوں کا بتلانا

**سوال [۷۵۹۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی گونگی باؤلی جو کہ گھر گھر جا کر روٹی مانگ کر کھاتی ہے اس لڑکی کے دو

بھائی بھی ہیں، اس لڑکی کو آٹھ مہینہ کا حمل ہے بغیر شادی کے، محلّہ کے لوگوں نے اس لڑکی سے معلوم کیا تو وہ دو آدمیوں کے نام اشارہ سے بتلاتی ہے، کچھ لوگوں نے پولیس کیس بنا دیا ہے، پولیس کو روکنے کے لیے محلّہ کے چار شخصوں نے مل کر صلح کی درخواست ڈال دی ہے، آپس میں انتشار کا اندیشہ ہے، وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے پوری بستی کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے اس کی سزا یا کفارہ تحریر فرمادیں، تاکہ پوری بستی عذاب سے بچ جائے، اس لڑکی سے کسی بھی وقت میں کوئی بھی شخص نکاح کرنے کو تیار نہیں ہے۔

المستفتی: شمیم احمد دولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** محض لڑکی کے زبانی یا اشارہ سے کہنے کی وجہ سے مذکورہ دونوں افراد پر شرعاً کوئی سزا مرتب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ چار چشم دید شرعی گواہ شہادت نہ دیں، یا ملزمان خود اس کا اقرار نہ کریں، نیز محض شبہ کی بناء پر کسی کی عزت اتارنا یا پولیس کیس کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: لَوْلَا جَآئُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ.** [النور: ۱۳]﴾

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ.** [النساء: ۱۵]﴾

**ویثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد.** (در مختار، کتاب الحدود، زکریا دیوبند ۸/۶، کراچی ۷/۴، کوئٹہ ۱۵۶/۳)

**(وقوله) فلا يثبت بعلم القاضي ولا بالبينة على الإقرار وفي الشامي: ثبوته بأحد شيئين الشهادة بالزنا أو الإقرار به الخ.** (الدر المختار مع الشامی، زکریا دیوبند ۱۲/۶، کراچی ۹/۴، کوئٹہ ۱۵۸/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۸)

## مشرقی یوپی کا معاملہ مدعی علیہ کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کے باوجود مغربی یوپی میں دائر کرنا

**سوال [۷۵۹۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱-الف) زید کے خسر بکر نے اپنی دختر کے معاملہ میں سینکڑوں بلکہ کئی سو میل دور مغربی یوپی ہاپوڑ ضلع غازی آباد کی شرعی پنچایت میں درخواست گزاری کی ہے، جب کہ فریقین مشرقی یوپی ضلع بہرائچ کے باشندے ہیں اور پاس بھی شرعی پنچایت قائم ہے، نیز مدعا علیہ غریب ہے اور بعد مسافت کے اخراجات برداشت کرنے کا قطعاً متحمل نہیں ہے۔

(ب) کوئی فریق بہرائچ مشرق سے ہاپوڑ مغرب فیصلہ لینے کے لیے جائے وقت و روپیہ صرف کر کے وہ بھی اس صورت میں کہ اخراجات کا متحمل نہ ہو یہ شرعی ضابطہ کے موافق ہے؟

(ج) کیا بہرائچ کے فیصلے ہاپوڑ کے دائرۂ اختیار میں آتے ہیں؟

(۲) اگر بکر مدعی نے ایسی صورت میں بہرائچ شرعی پنچایت کو نظر انداز کر کے ہاپوڑ میں چارہ جوئی کی ہے تو کیا ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہے؟ اگر نہیں ہے تو درخواست خارج کریگی یا متعلقہ ضلع کو واپس کریگی؟

واضح ہو کہ بکر مدعی کافی متمول اور اہل ثروت ہے، محض ایذا رسانی کے لیے اتنی دور کا انتخاب کیا ہے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: معین الدین فیروز آباد جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱-۲) زید کو اس بات کا حق ہے کہ ہاپوڑ محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں درخواست دے کر بہرائچ محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں مقدمہ منتقل کروالے ورنہ ہاپوڑ محکمہ شرعیہ میں اپنی آمد و رفت کے اخراجات کے سلسلے میں درخواست دے کر اخراجات دینے کی شرط پر حاضر ہوا کرے، محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے سہولت فراہم کرنا ہے۔

**المشقة تجلب التيسير.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۲۵، قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۲۲، رقم: ۳۲۱)

شریعت مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ بوقت مشقت آسانی کی صورت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، یا تو آمد و رفت کے اخراجات دیدیں یا مقدمہ بہرائچ منتقل کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۳)

## ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا

**سوال** [۷۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر بہرائچ کے مقدمہ سلسلے میں ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہوتے ہوئے یا مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی فیصلہ کردیوے تو ان دونوں صورتوں میں صوبائی یا آبائی کوئی عدالت ہے، جہاں پر اپیل کی جاسکے، اگر کی جاسکتی ہے تو کیا اور کیسے، اور مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی کاروائی جاری کرنے کے لیے درخواست دے کر کاروائی روکی جاسکتی ہے، یا منتقل کرایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عقلاً شرعی ضوابط کے تحت فیصلہ نزدیکی اور ملحقہ ضلع میں جہاں شرعی پنچایت موجود ہے، ہونا چاہئے، براہ کرم مذکورہ سوال کا جواب شرع کے مدنظر تحریر کردیں تاکہ اس سے آگاہ ہوکر شریعت کے مطابق اس پر چلا جاسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اب تک ہندوستان میں ایسی کوئی مرکزی مسلم عدالت قائم نہیں ہوئی ہے۔

**قداختلفوا فی ما إذا کان العقار لا فی ولایة القاضی وتنازعا فیه عند قاض آخر فمنهم من یصحح قضاؤہ.** [الأشباہ قدیم ص: ۱۶۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۳)

# باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے

**سوال** [۷۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح نکاح کے معاملہ میں باپ کی گواہی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی گواہی باپ کے لیے درست ہے، اسی طرح نکاح کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست ہے؟

**المستفتی**: سعید احمد سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: نکاح کے معاملہ میں باپ بیٹے کا ایک دوسرے کے حق میں گواہ بننا شرعاً معتبر ہے، البتہ دیگر معاملات میں باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں شرعاً معتبر نہیں ہے۔

**ومن الشرائط عدم قرابة أولاد.** (شامی، کتاب الشهادات، زکریا ۸/۱۷٤، کراچی ٥/٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۸)

# ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل

**سوال** [۷۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں زید اور بکر دونوں پردھانی کے لیے کھڑے ہوئے تو معلوم ہوا کہ زید ذاتی مفاد اور نام ونہاد کی غرض سے کھڑا ہوا ہے اور بکر قوم وملت کی خدمت اور سچی ہمدردی کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا بکر کو چھوڑ کر زید کا ووٹ سے تعاون کرنا از روئے شرع درست ہے؟ یہ بظاہر تعاون علی الاثم معلوم ہوتا ہے اور خود زید کا یہ اقدام اپنے حق میں کہاں تک درست ہے؟

(۲) ایک آدمی مومن ہے لیکن وہ اسلام کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتا، صوم وصلاۃ جیسے اہم امور کی بھی پرواہ نہیں کرتا، شراب وجوئے کا عادی ہے تو کیا غیر مسلم کو ایسے بدکردار مسلمان پر ووٹ دے کر ترجیح دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیز مذکورہ بالا بدکردار مسلمان شخص کو عوام کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ووٹ دینے کا یہ معنی ہوتا ہے کہ ہم ایک گواہی دیتے ہیں اور اپنا رہنما اور خادم جانتے ہیں تو غیر مسلم کو یا ایسے ہی بدعتی کو اور فاسق کو کس حد تک اپنا رہنما بنانا درست ہوگا؟

(۵) ووٹ کے بارے میں ایک مسلمان کا بازی لے جانے کی نیت سے دوسرے مسلمان بھائی کے مقابلے میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) حامد مطلقاً ووٹ دینے کا قائل نہیں، اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۷) گاؤں کا پردھان اگر مسلمان ہو جائے تو قوم وملت کی کون کون ذمہ داریاں اس پر عائد ہونی چاہئیں، اور عوام کا اس کے ساتھ کیا رویہ اور برتاؤ ہونا چاہیے، کیا اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے پردھان کا اسلام میں کچھ مقام ہے؟

(۸) ایک غیر مسلم آدمی ہے جس کے کھیت سے ہو کر لوگوں کا گذر ہوتا رہتا ہے، وہی آدمی پردھانی کے لیے کھڑا ہو گیا ہے اگر مسلمان اس کو ووٹ دیکر کامیاب نہیں بناتے ہیں تو وہ اس راستے کو ضرور بند کر دیگا، جس سے خصوصاً بارش کے ایام میں حرج عظیم لاحق ہوگا تو اب ایسی شدید ضرورت کے وقت اسے مسلمان کے مقابلہ میں کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) الیکشن میں کھڑا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ امور سیاسیہ میں مہارت رکھتا ہو، اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو، ذاتی مفاد اور محض نام ونہاد کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ حقیقت

معلوم ہوان کے لیے ایسے شخص کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص کو دینا چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرسکتا ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کو ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا، اور بکر کے اندر اہلیت ہے تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا ضروری ہے تاکہ زید کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں، نیز مذکورہ حالات میں زید کا یہ اقدام اس کے حق میں حرام ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۳۷۴، جدید مطول ۳/۲۵۴)

(۲) جمہوری ملک میں ووٹ اسلام وکفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں اس لیے جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا اور حقوق دلوائیگا اور نفع پہنچائے گا ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دینا چاہیے، اس میں ہندو مسلم کی بات نہیں ہوتی، تاہم ہندو غیر مسلم کے مقابلے میں اگر کوئی لائق اور بااہل مسلم موجود ہو تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۶۷، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸)

اور بدکردار خائن شخص کو کامیاب بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز کون لائق و قابل اعتماد ہے علاقہ والوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۰، جدید مطول ۳/ ۲۶۰)

(۳) جی نہیں۔

(۴) اگر (۱) کی شرائط موجود ہوں تو گنجائش ہے لیکن اگر ان شرائط کے حامل پابند شرع دیندار نیک صالح شخص موجود ہو تو وہی شخص اس کا مستحق ہوگا، اس کے مقابلے میں دوسروں کو کامیاب بنانا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۴، جدید مطول ۳/ ۲۵۵)

(۵) اگر قومی حقوق کی حفاظت کا ارادہ نہیں ہے تو ناجائز ہے۔

(۶) اگر ووٹ میں مفاسد ظاہر ہو جائیں تو حامد پر کوئی الزام نہیں ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری ہے۔

(۷) اسمبلی اور مجلس قانون ساز کی طرف سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں وہی شریعت کے نقطۂ نظر سے بھی عائد ہوں گی۔

(۸) اس میں اہلیت نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا بلکہ باصلاحیت مسلمان کو کامیاب کرنا

لازم ہے، اگرچہ بارش میں کچھ مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۴، جدید مطول ۳/ ۲۵۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۶، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۳)

# ووٹ کی شرعی حیثیت

**سوال** [۷۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ووٹ دینے کے لیے ووٹ بوتھ پر پہنچنا پڑتا ہے، وہاں عورتوں کو بھی جانا پڑتا ہے تو عورتیں کس طرح ووٹ دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، اور مسلمانوں کا ایک قانونی حق ہے اس کو ضائع ہونے نہیں دینا چاہیے، اورعورتیں مکمل شرعی پردہ کے لحاظ کے ساتھ بوتھ پر جا کر ووٹ ڈالدیں اور بے پردگی سے پوری طرح بچیں۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۲/ ۲۸۸، جواہر الفقہ ۵/ ۵۳۶، فتاویٰ حقانیہ ۲/ ۲۸۵، جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۵۷)

**قال مالک تفسير هذا الحديث أن الرجل يكون عنده شهادة في الحق لرجل لا يعلمها فيخبره بشهادته، زاد يحى بن سعيد إذا علم أنه ينتفع بها الذى له الشهادة وهذا لأن الرجل ربما نسى شاهده فظل مغموما لايدرى من هو؟ فإذا أخبره بذلك فرج كربه.** (أوجز المسالك، دار القلم ۱۳/ ۵٦۲، نووى على هامش المسلم هندى ۲/ ۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ۲۴ كتاب الوقف

## ۱ باب ما يتعلق بنفس الوقف

### وقف کی جائیداد کا مالک کون؟

**سوال** [۷۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقف کی جائیداد کا مالک متولی ہے یا موقوف علیہم میں سے ہر ایک؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: وقف کی جائیداد کا مالک نہ متولی ہوتا ہے اور نہ ہی موقوف علیہم بلکہ وقف کی جائیداد کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، متولی امین اور محافظ ہوتا ہے اور موقوف علیہم صرف جائیداد کے منافع کے حقدار ہوتے ہیں۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذٰلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤)

**الوقف حبس العين و إزالة ملك المالك المجازي مقتصرة على حكم ملك الله تعالىٰ المالك الحقيقي.** (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۷۱، مصرى قديم ۱/ ۷۴۰)

**حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد.** (هنديه زكريا قديم ۲/ ۳۵۰، جديد ۲/ ۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۵۵ ۲۳)

## موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے

**سوال** [۷۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد یا مدرسہ کے نام جو زمین وقف کردی جائے یا مسجد، مدرسہ بنوادیا جائے تو کیا بنوانے کے بعد بھی بنوانے والے کی ملکیت میں رہتا ہے، یا وہ اللہ کی ملکیت ہوجاتا ہے، بنوانے والے کو کیا یہ اختیار رہے کہ جب چاہے مدرسہ کی ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھالے جائے اگر کوئی شخص ایسا کرے تو شرعاً اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد طیب سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد یا مدرسہ کے لیے زمین وقف ہوجانے کے بعد اس میں کسی کی ملکیت باقی نہیں رہتی، نیز جس نے وقف کیا ہے، یا وقف کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی عمارت تعمیر کردی ہے، اس شخص کی بھی اس میں کسی قسم کی ملکیت یا حق باقی نہیں رہتا، اس کو اس میں کسی قسم کے حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھا کرلے جانے والا شرعاً بہت بڑا ظالم اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے توبہ کرلینا چاہیے، اور ٹپائی ٹاٹ وغیرہ فوراً واپس کردینا چاہیے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله** صلى الله عليه وسلم،

**وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذٰلک فی سبيل الله وفی الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذی القربیٰ، ولا جناح علی من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤، وهكذا في الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ۲/ ٤۱، بيت الأفكار رقم: ۱٦۳۲)

**عن أبی حرزة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه.** (السنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله فی سفينة، دار الفكر ۸/٥۰٦، رقم: ۱۱۷٤۰)

**فإذا تم ولزم لايملک ولايعار ولايرهن الخ.** (در مختار، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/٥۳۹، كراچی ٤/۳٥۱-۳٥۲)

**لايجوز لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعی الخ.** (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۹۷)

## واقف کا مالک ہونا ضروری ہے

**سوال** [۷۶۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد محمد بخش کا ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوگیا تھا مرحوم کے انتقال کے بعد ہمارے تایا زاد بھائی محمد ابراہیم منصوری نے ہمارا ولی بن کر اپنی جانب سے والد مرحوم کی

جائیداد کو پتھر والی مسجد حسن پور کے لیے وقف کردیا، جبکہ ہم تینوں بہنوں میں سے ایک نابالغ تھی اور ایک نے انکار کرتے ہوئے اور انگوٹھہ نہیں لگایا اور ایک بہن، ابراہیم کے چھوٹے بھائی علاء الدین منصوری کے نکاح میں تھی، اس بہن نے بتلایا کہ مجھے طلاق دینے کی دھمکی دے کر زبردستی انگوٹھہ لگانے پر مجبور کیا تھا، ہماری والدہ اب مرحومہ ہوچکی ہیں لیکن ان سے بھی زبردستی انگوٹھہ لگوالیا تھا، مسجد والوں نے بھی اس جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے اور اس جائیداد کا سارا ملبہ تقریباً ایک لاکھ روپئے کا انہیں بیچ چکے ہیں ہمارا کوئی مددگار نہیں تھا، لیکن اب کچھ ہمدردوں نے ہمیں کاغذات نکال کر دکھلائے تو اس میں وہی نوعیت ہے جو صورت حال ہم نے لکھی ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم اپنے والد مرحوم کی وراثت کے حقدار رہے ہیں یا نہیں، جو حکم ہوگا ہم ماننے کو تیار ہیں، ایک بہن کا انتقال ہوگیا ہے، مرحومہ نے بھی انگوٹھہ لگانے سے انکار کردیا تھا، البتہ مرحومہ کے شوہر اور ان کے بچے موجود ہیں، آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: صابرہ خاتون زوجہ نذیر احمد حسن پور امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** محمد بخش کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد کو اس کے بھتیجہ نے مسجد کے نام جو وقف کردی ہے وہ شرعاً درست نہیں ہوا، وہ وقف نہیں بلکہ غصب ہے اور مرحوم محمد بخش کی جائیداد ان کے وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لہٰذا کل جائیداد ۷۲/سہام میں تقسیم ہوکر ۹/سہام محمد بخش کی بیوہ کو اور ہر ایک لڑکی کو ۱۶/۱۶/سہام ملیں گے، باقی ۱۵/سہام محمد بخش کے بھائی بہنیں اگر زندہ تھے تو بھائی بہنوں کو ملیں گے اور اگر بھائی بہنیں زندہ نہیں رہے ہیں تو اس کے بھتیجوں کو ملیں گے، لہٰذا ارباب مسجد پر لازم ہے کہ وارثین کی جائیداد کو واپس کردیں، مسجد میں غصب کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۳/۲۹۰)

**عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أيها الناس! إن الله طيب لايقبل إلا طيبا وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: يأيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا إنی بما تعملون عليم.**

(صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، النسخة الهندية ۳۲۶/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵، مسند دارمي دار المغني ۱۷۸٦/۳، رقم: ۲۷۵۹)

**قوله و شرط سائر التبرعات أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكا تاما (إلى قوله) حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح و إن ملكه بعد بشراء أو صلح.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ديوبند ۵۲۳/٦، كراچی ۴/۳۴۰-۳۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

## ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا

**سوال** [۷۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایسی جگہ زمین خریدی جہاں آبادی نہیں تھی، پھر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا اردہ کیا اور ارادہ ظاہر بھی کیا اب کافی عرصہ بعد اس علاقہ میں آبادی بھی کافی ہوگئی ہے، اور آبادی الحمد للہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور اس آبادی میں کوئی مسجد بھی نہیں ہے اور مسجد کی ضرورت ہے، اب زمین کے مالک کو اس شخص نے جس سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا انہوں نے مسجد تعمیر کرنے کو کہا وہ راضی ہوگئے اور اس جگہ چہار دیواری ہوگئی ہے لیکن ابھی اس جگہ نماز نہیں ہو رہی ہے۔

لیکن اب صاحب ملکیت چاہتے ہیں کہ اس جگہ کو فروخت کر کے دوسری جگہ زمین شہر کے قرب وجوار کے کسی دیہات میں خرید لی جائے کیا وہ جگہ فروخت کر کے دوسری جگہ زمین خریدی جاسکتی ہے؟ از راہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کو بار بار پڑھ کر دیکھا گیا ہے اس میں صرف اتنی بات ہے کہ صاحب زمین نے اپنی زمین کے ایک حصہ پر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے

اورارادہ ظاہر کرکے اس کی چہار دیواری کردی ہے اورصرف ارادہ ظاہر کرکے چہار دیواری کردینے سے وقف نہیں ہوتا ہے بلکہ وقف کے لیے مخصوص شرائط ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط ابھی اس زمین پر لاگو نہیں ہوئی اور خالی زمین کے وقف ہونے کے لیے واقف کی طرف سے وقف کے الفاظ کا استعمال کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ میں نے یہ زمین مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کردی ہے، اورسوالنامہ میں اس طرح ثبوتِ وقف کے کوئی الفاظ ثابت نہیں ہیں، اس لیے اس پر مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے اس جگہ مسجد بنادے یا اس کے بدلہ میں دوسری جگہ جہاں زیادہ مناسب سمجھے وہاں بنادے، اور یہ زمین کسی دوسری ضرورت میں استعمال کرے یا بیچ دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۸-۳۸۹، میرٹھ ۲۱/ ۲۴۰)

**وفي الملتقط الناصري: وإذا بنى مسجدا لا يصير مسجدا حتى يقر بلسانه أنه مسجد لايباع ولايوهب ولايرهن ولايورث، وفتح الباب و أذن فيه وأقيم و أذن للناس بالدخول فيه عامة فيصير مسجدا إذا صلى بجماعة فيه.** (تاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، زكريا ۸/ ۱۵۶، رقم: ۱۱٤۹۵)

**وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالىٰ، أو على وجه الخير والبر.** (شامي مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ديوبند ٦/ ٥٢٢-٥٢٣، كراچی ٤/ ٣٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١١٤)

**فأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه.** (هندية كتاب الوقف، الباب الاول زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد زكريا ٢/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۵)

# زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم

**سوال** [۷۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک مسلم فریق کی زمین پر زمانہ سابقہ میں کچی مسجد بنی ہوئی تھی بعد کے لوگوں نے اسے منہدم کر کے پختہ دیوار اور چھت دار مسجد تعمیر کی، اس عمارت کے مخدوش ہونے کے بعد تیسری مرتبہ مسجد تعمیر ہو رہی ہے اور ہر دفعہ گاؤں کی مدد وتعاون سے ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے، لیکن مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، اور اب بھی زمین مالک زمین کے نام ہے اور ۳۰/ سال کے بعد ان کے وارثین نے زمین کی رسید اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ زمین میری ہے، کیونکہ جب تیسری دفعہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی تو زمین کے وارثین نے مسجد بنوانے سے روکا اور مار پیٹ بھی ہوئی اور زور وزبردستی لوگوں نے اس مقام پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی، اور بہت ہی مضبوط طریقہ پر بنیاد کھڑی کی اور ایک منزلہ تیار کر دی گئی لیکن ابھی بھی اس منزل میں ادھورا کام ہوا ہے اور آگے کی منزل تیار کرنی ہے، لیکن شدید طور پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، اور وارثین زمین کو اپنی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اول دن ہی مسجد بنوانے سے روکا تھا، حالانکہ آج بھی اذان واقامت با جماعت نماز ہوتی ہے، اور اذان وجماعت میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ کسی فرد کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے ہاں فتنہ کا خوف ضرور ہے کیونکہ ناخوشگوار واقعہ رونما ہو چکا ہے، اور آج بھی وارثین زمین پر اپنا دعویٰ کیے ہوئے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد جو وقف نہیں ہے اور کھتیان بھی مالک زمین کے نام ہے اور ان کے وارثین نے مالگذاری رسید بھی اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور زمین پر اپنی ملکیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کافی ہنگامہ ہونے کے بعد بھی مسجد کے نام منتقل نہیں کر رہے ہیں کیا ایسی مسجد کو مسجد کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا؟

نیز ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے باپ دادا کی (زبانی بلا ثبوت وبلا وقف تحریری) مسجد میں دی گئی زمین کا تیس سال کے بعد اپنے نام یا اپنے باپ دادا کے نام رسید مالگذاری کٹوائے اور مالکانہ حق کا دعویٰ برقرار رکھے اور مسجد کے نام منتقل نہیں کر کے گاؤں والوں کو

پریشانی میں مبتلا کیے ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اب تک لوگ اس جگہ کو مسجد کی زمین ہی مان رہے تھے، کیونکہ کسی نے کھتیان نہیں دیکھا تھا، ادھر ادھوری مسجد کی تعمیر ہو جانے کے بعد زمین کی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے؟

اگر وارثین مسجد کے نام زمین کو منتقل نہیں کرتے ہیں تو اس میں صرف کی گئی رقم کا مطالبہ وارثین مدعین سے کیا جا سکتا ہے، سوال کی ہر شق کا جواب شریعت کی زبان میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل دیا جائے تاکہ نزع رفع ہو سکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسئولہ صورت میں جب زبانی وقف کر کے مسجد بنائی جا چکی ہے اور اس کے بعد ایک مرتبہ اور از سرِ نو تعمیر مسجد ہو گئی ہے، نیز باقاعدہ اذان و اقامت اور نماز باجماعت بھی ہونے لگی ہے، تو وہ بالاتفاق مسجد شرعی ہو گئی، اگرچہ تحریری وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، اور زمین واقف ہی کے نام ہو، اور اس مسجد میں دیگر مساجد کی طرح نماز بلاتأمل درست ہے، اور واقف کے وارثوں کا اس میں ایسی مداخلت کرنا جو کہ وقف کے خلاف ہو، نیز وراثت کا دعویٰ کرنا قطعاً غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۱)

**ویزول ملکه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجدا عند الثانی (در مختار) قوله بالفعل أی بالصلاة فيه، ففی شرح الملتقى: أنه يصير مسجدا بلا خلاف، ثم قال عند قول الملتقى، وعند أبی یوسفؒ یزول بمجرد القول ...... قلت: وفی الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف...... ويصح أن يراد بالفعل الإقرار.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٤ - ٥٤٥، كراچی ٤/ ٣٥٥ - ٣٥٧)

**من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقة ويأذن بالصلاة فيه.** (هنديه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/ ٤٥٤، جديد ٢/ ٤٠٨)

**وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه، لأن الوقف**

**اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة.** (عناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف فصل فى أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/ ٢١٦، كوئٹه ٥/ ٤٤٣، دار الفكر مصرى قديم ٦/ ٢٣٢)

**ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه.** (هدايه اشرفى ٢/ ٦٤٥)

**لاتسمع الدعوىٰ ممن رأى رجلا يتصرف فى أرض زمانا ولم يدع الرأى حال حياة المتصرف وفى منية الفقهاء رأى غيره يبيع أرضا فقبضها المشترى وهو ساكت كان ذٰلک إقرارا بالملک للبائع، فهٰذا يدل على أن السكوت عن المعارضة، إذا رأى غيره يتصرف فى شيئ ينزل منزلة إقراره، بأنه لاحق له، وفى الكنز باع عقاراً وبعض أقار به حاضر يعلم البيع، ثم ادعى لا تسمع.** (طحطاوى على الدر كوئٹه ٣/ ٢٠٣)

**لو باع عقارا أو غيره و امرأته أو أحد أقاربه حاضر يعلم به ثم ادعى ابنه مثلاً أنه ملكه لا تسمع دعواه.** (شامى زكريا ٨/ ١١٧، كراچى ٥/ ٤٢٢)

**رجل تصرف زمانا فى أرض و رجل آخر رأى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعوى ولده، فتترک على يد المتصرف لأن الحال شاهد.** (شامى زكريا ٨/ ٣١٨، كراچى ٥/ ٥٦٥)

**والحاصل من هذه النقول أن الدعوىٰ بعض مضى ثلاثين سنة ...... لاتسمع إذا كان الترک بلاعذر ...... لأن تركها هذه المدة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا.** (شامى زكريا ١١/ ٦٥٤، كراچى ٨/ ٩٧)

**وما فى الخلاصة: المدعى والمدعى عليه إذا كانا فى موضع، ولا مانع وادعى بعد ثلاثين سنة ...... لاتسمع.** (طحطاوى على الدر كوئٹه ٣/ ٢٠٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۱/۳۹)

# صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم

**سوال** [۷۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور پانچ کمرے اور آگے برآمدہ ہے اب اس میں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اس باؤنڈری کے اندر تین جگہیں تجویز کی گئی ہیں، بنیاد رکھتے وقت آپس میں انتشار ہوگیا، جھگڑے کو دبانے کے لیے عارضی طور پر بیچ صحن میں رکھ دی گئی تھی، لیکن جہاں پر عارضی طور پر بنیاد رکھی گئی تھی وہاں پر آج تک کوئی نماز ادا نہیں کی گئی، مختلف جگہوں پر نماز ادا کررہے ہیں، تو کیا مدرسہ کے کمروں کے اتر سائیڈ والی زمین پر مسجد بنائی جاسکتی ہے؟ اب اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ مسجد اتر پچھّم بنائی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مدرسہ کے احاطہ میں تعمیر مسجد کی نیت سے گڑھا کھودنے اور محض اس کی بنیاد رکھنے سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، بریں بنا اگر ذمہ دارانِ مدرسہ اس جگہ مسجد نہ بنا کر دوسری جگہ اتر پچھّم جانب میں مسجد بنانے پر رضا مند ہوں تو اس جانب میں بھی مسجد بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

**لایصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاۃ بجماعۃ یقع القبض والتسلیم بلا خلاف.** (تاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱٤۹٤)

**قال أبو حنیفةؒ: لایکون مسجدا حتی یصلی فیه جماعة بإذنه.** (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱٤۹۷)

**مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، زکریا دیوبند ٦/٥٨٦، کراچی ٤/٣٨٦، البنایة اشرفیه دیوبند ٧/٤٦٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦-١٩٧، رقم: ١١٤٩٧)

**وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص فى استبداله إن اعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه فى صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبى يوسفؒ والعمل عليه.** (شامی زکریا ۶/۵۸۷، کراچی ۴/۳۸۷، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۳۲۰، البحر الرائق كوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

# بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم

**سوال** [۷۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ آراضی جس میں مسجد کے لیے بنیاد کھودی گئی اور صرف پانچ اینٹیں رکھی گئی تھیں اور کبھی نہ اذان ہوئی اور نہ نماز پڑھی گئی تو کیا اس میں گھر وغیرہ بنایا جاسکتا ہے؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: صرف بنیاد رکھنے کی وجہ سے مسجد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لیے اگر کسی کی ملکیت کی زمین ہے تو اس کے لیے اس زمین پر مسجد کا ارادہ ملتوی کرکے دوسری عمارت بنانا جائز ہے۔

**التسليم فى المسجد: أن تصلى فيه جماعة بإذنه ...... ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة، بأذان و إقامة جهرا لاسرا.** (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۲/۴۵۵، جديد ۲/۴۰۸، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۵-۱۱۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۵۹)

## میرے مکان میں مسجد بنالو اور اس کے بدلہ مجھ کو کوئی زمین دیدینا کہنے کا حکم

**سوال** [۷۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وغیرہ نے میرا مکان نماز پڑھنے کے لیے مجھ سے مانگا میں نے ان کو دیدیا کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کہا کہ مکان ہمیں مسجد بنانے کے لیے دیدو اور اس کے بدلے میں ہماری زمین لے لو میں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، مگر جب زمین دینے کا وقت آیا تو زید وغیرہ بدلے میں مجھ کو ایسی زمین دے رہے تھے کہ جس کے یہ خود قانونی مالک ہی نہیں ہیں، (یعنی گرام سبھا کی زمین) اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے ایسی زمین بدلے میں چاہیے کہ جس کا تم بیعنامہ میرے نام کراسکو بس زید وغیرہ مجھے ایسی زمین نہیں دیے پائے کہ جس کا بیعنامہ میرے نام ہوسکتا، لہٰذا میں نے اپنا مکان ان سے خالی کرالیا اور حسب سابق اس میں رہائش اختیار کرلی، نیز زید وغیرہ نے میرے مکان میں تقریباً ڈیڑھ سال نماز باجماعت ادا کی رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف بھی دو مرتبہ پڑھایا گیا اور ایک مرتبہ شبینہ بھی ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا:

(۱) میرے مکان کا بدل ادا کیے بغیر زید وغیرہ کو اس کو مسجد قرار دینا جائز ہے؟

(۲) مذکورہ مکان میں ڈیڑھ سال تک نماز باجماعت ادا کرنے سے یا تراویح میں قرآن شریف سننے سے یا اس میں شبینہ کرانے سے کیا شرعی مسجد ہوسکتا ہے؟

(۳) زید وغیرہ عوام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ جس جگہ پر نماز باجماعت اور تراویح میں قرآن پاک اور شبینہ ہوجائے وہ جگہ شرعی مسجد ہوجاتی ہے کیا شرعی اعتبار سے ان کا یہ پروپیگنڈہ صحیح ہے؟

(۴) کیا ایسی صورت میں شرعی اعتبار مجھے اپنے مکان میں رہائش اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرید احمد، سیف جانسرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص

اپنی مملوکہ زمین کو اپنی ملک سے جدا کردیں، اور اللہ کے نام سے مسجد کے لیے وقف کردیں اور اس کا راستہ شاہراہ عام کی طرف کھول کر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیں اس کے بعد جب ایک مرتبہ اس میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، اور چونکہ نہ آپ نے اپنے گھر کو مسجد کے لیے دیا ہے اور نہ ہی زید وغیرہ نے اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف کیا ہے اس لیے وہ مکان مسجد شرعی نہیں ہوسکتا صرف نماز اور تراویح ادا کرنے سے کوئی جگہ مسجد نہیں ہوجاتی، لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ نے اس شرط کے ساتھ یہ مکان لوگوں کو دیا تھا کہ اگر اس کا متبادل کوئی زمین دیں گے تب مسجد بنے گی ورنہ نہیں۔

**فلو جعل وسط داره مسجدا و أذن للناس بالدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق صار مسجدا ثم قال: ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم يصير مسجدا ثم قال بعد ذٰلک بشيئ رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قومه بالصلاة فيها بجماعة قالوا: إن أمرهم ...... بالصلاة أبدا او أمرهم فيها بالصلاة بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لايكون ميراثا.** (حاشية الطحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۵۳٦،شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا ٦/ ٥٤٥، کراچی ٤/ ٣٥٦، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۰۲، وعلی هامش الهندية ۳/ ۲۹۱)

اور اگر یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر متبادل زمین دیں گے تب مسجد بنے گی بلکہ صرف یہ کہا کہ آپ لوگ اس کو مسجد بنالیں مجھ کو کوئی متبادل زمین دیدینا اس کے بعد ان لوگوں نے اس کو مسجد بنالیا اور مسجد کے ہی سارے احکام اس میں جاری کردیئے اور اس کی شہرت بھی ہوگئی، اور لوگ اس میں مسجد سمجھ کر نماز پڑھنے لگے تو ایسی صورت میں یہ مسجد شرعی بن چکی ہے، اب اس میں قیامت تک عبادت کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، اب اگر ذمہ داران مسجد آپ کو متبادل زمین نہ دے سکیں، تو ان لوگوں کے ذمہ آپ کے مکان کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی، اور اس کو مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اگر یہ دوسری شکل ہے تو آپ کو اس میں رہائش کرنے کا حق نہ ہوگا، بلکہ صرف قیمت لینے کا حق آپ کو ہوگا، اور اگر پہلی شکل ہے تب رہائش کا حق آپ کو ہوسکتا ہے۔

**وقال أبویوسف هو مسجد أبدا إلی قیام الساعة لایعود میراثا ولایجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر، وبه علم أن الفتویٰ علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول أبی یوسف فی تابید المسجد.** (شامی کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ زکریا دیوبند ۶/۵۴۹، کراچی ۴/۳۵۹)

(۲) اوراگر پہلی شکل ہے، تو پھر زید وغیرہ لوگوں میں جو مسجد کی شہرت دے رہے ہیں، ان کے شہرت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اوراگر دوسری شکل ہے تو ان کا شہرت دینا صحیح اور آپ کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، بس آپ صرف اس مکان کی قیمت لینے کے حقدار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۶۳)

## نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا

**سوال** [۷۶۱۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے تھوڑی زمین ایک مسجد کے لیے وقف کی، اور شرط لگائی کہ اس زمین کو مسجد کمیٹی کبھی بھی بیچ نہیں سکے گی اور مذکورہ زمین میں چند قبریں ہیں ان قبروں کی حفاظت کی بھی شرط لگائی اور زمین کے چاروں طرف ایک آدمی کی زمین ہے اس نے اپنی زمین میں بڑے بڑے درخت لگا رکھے ہیں، جن کا سایہ اس زمین پر پڑنے کی وجہ سے اس سے فصل وغیرہ کی امید نہیں کی جاتی، اب مذکورہ زمین سے برابر والی زمین کے مالک کے ہاتھ بیچنے کے علاوہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ زمین کا وقف درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی شرط درست ہے یا نہیں اور اگر شرط صحیح نہیں تو ضرورت کے وقت مسجد کمیٹی اس زمین کو بیچ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ وقف شرعاً درست ہے، اس زمین کو کھیتی یا

درخت وغیرہ لگا کر جس طرح بھی ہو سکے قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کے کام میں لایا جائے لیکن اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۳۸۷/۱، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷٦٤)

**فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن ...... أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه.** (شامی، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۵۳۹/٦، کراچی ۳۵۱/٤-۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
| --- | --- |
| احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ | ۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ |
| ۱۴۲۲/۱/۱۳ھ | (الف فتویٰ نمبر: ۷۰۲۲/۳۵) |

# جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟

**سوال** [۷۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان خریدا گیا، اور خریدتے وقت یہ ارادہ تھا کہ یہاں پر فضائل اعمال کی تعلیم کی جائیگی، مسجد کے ارادہ سے جگہ نہیں خریدی گئی تھی، لیکن ارادہ یہ تھا کہ اگر اسی مکان کے پڑوس میں کوئی اور مکان مل گیا تو اسی مکان کو وسیع کر کے مسجد بنا لیا جائیگا، اور اگر اس مکان کے پڑوس میں کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس مکان کو بدل دینے کا ارادہ تھا، اور دوسری طرف

جہاں وسیع جگہ ملے، وہاں اس مکان کوفروخت کر کے مسجد تعمیر کرنے کاارادہ تھا، کچھ دنوں تک مذکورہ مکان میں صرف فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی رہی، اورنماز جامع مسجد میں ادا کی جاتی تھی ، پھراس کے بعد عشاء کی نماز اولاً اس مکان میں ادا کی جانے لگی، پھر رفتہ رفتہ پنج وقتہ نمازیں اذان کے ساتھ ادا کی جانے لگیں،لیکن یہ بات یادرہے کہ اس وقت ابھی عارضی طور پر یہاں نماز ادا کی جاتی رہی ،مسجد کی نیت سے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی ،اور جمعہ بھی یہاں ادا نہیں کیا جاتا تھا،اوراس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ جب چندہ کی ضرورت پڑی تو اس مکان کو مسجد بلال سے موسوم کیا گیا اوراسی نام پر چندہ بھی کیا گیا،تو کیا ایسی صورت میں مذکورہ مکان شرعی مسجد کے حکم میں گیا اور کیا اس مکان کو بدل کر دوسری جگہ خریدی جاسکتی ہے؟

(۲) دوسرا یہ کہ اسی مکان کو زمین دوز کر کے اسی پر مسجد بنائی جائے ،لیکن کیا اس میں یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا، کہ ابھی جہاں نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں نیچے بیت الخلاء وغیرہ بنالی جائیں اوراوپر مسجد تعمیر کردی جائے ؟

(۳) یا پہلے جہاں بیت الخلاء تھے ان بیت الخلاؤں کو نیچے رکھتے ہوئے ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے؟

نوٹ: مندرجہ بالامسائل جگہ کی قلت کی بنا پر پیش آئے۔

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ایسی جگہ جس کو مسجد کی نیت سے نہیں خریدا گیا اور نہ ہی مسجد کی نیت سے اس میں نماز پڑھی گئی تو اس پر مسجد شرعی کا اطلاق نہیں کیا جائیگا،لہٰذا مذکورہ مکان فروخت کر کے اس کی قیمت اور مسجد بلال کے نام پر جو چندہ کیا گیا ہے اس چند کے پیسے دونوں کو ملا کر مسجد کے لیے مناسب جگہ خرید کر مسجد بلال کے نام سے تعمیر کی جائے تو جائز ہوگا۔

**وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هٰذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لو مات يورث عنه.** (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ۴۵۵، جديد ۲/ ۴۰۹، الفتاوىٰ التاتارخانية

زکریا ۸/ ۱۵۷ رقم: ۱۱٤۹۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸)

(۲) اگر اس عمارت کو مسمار کر کے نیچے تہہ خانہ کی شکل دے دی جائے جس میں ضروریات مسجد پوری ہوسکیں اور پھر اس کے اوپر نماز کے لیے جماعت خانہ کی شرعی مسجد بنالی جائے ،تو ایسا کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں بیت الخلاء پیشاب پاخانہ وغیرہ نہ ہو، ہاں البتہ وضوخانہ، امام ومؤذن کے رہنے کے لیے کمرے مسجد کے سامان رکھنے کی جگہ یا مسجد کی آمدنی کے لیے دکانیں وغیرہ بنالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے اور بیت الخلاء جماعت خانہ یعنی شرعی مسجد کے حدود سے باہر کے حصے میں بنانا چاہیے، شرعی مسجد کے حدود میں نیچے اوپر بنانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ٦۸۵)

**الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل.** (تقریرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/ ۸۵، کراچی ۲/ ۸۵)

(۳) مسجد کے جماعت خانہ کے نیچے بیت الخلاء کا ہونا درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے، بلکہ بیت الخلاء شرعی مسجد کے حدود سے الگ ہونا ضروری ہے اوپر یا نیچے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ٦۸۵)

**الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل.** (تقریرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/ ۸۵، کراچی ۲/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ صفر المظفر ۱٤۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸٦۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٤۲٦/۲/۵ھ

# زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا

**سوال** [۷۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی زمین مسجد اور مدرسہ کے لیے دیدی، اور اس میں مسجد و مدرسہ کے ذمہ داران نے تعمیر کرائی، اور اب مسجد میں پنجوقتہ مع جمعہ نماز ہوتی ہے پھر کسی بات کے اوپر جھگڑا ہو گیا تو وہ زمین والا کہتا ہے کہ مسجد اور مدرسہ میں تالا لگادوں گا اب اگر وہ شخص تالا لگا دیتا ہے تو کیا اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں تالا لگائے؟ اور اگر تالا لگا دیتا ہے تو کیا اس زمین کا آخرت میں اس کو اجر ملے گا یا نہیں؟ اور جس شخص سے جھگڑا ہوا ہے اس کو مسجد میں نماز پڑھنے سے اور اس کی اولاد کو مدرسہ میں پڑھنے سے روکتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسجد یا مدرسہ کے لیے جو زمین دیدی ہے اور اس پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر بھی ہو چکی ہے تو اب اس سے زید یا زید کے ورثاء کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، اگر زید بہت زیادہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور نمازیوں سے لڑائی جھگڑے کرتا ہے اور مدرسہ میں طلبہ کو پڑھنے سے روکتا ہے تو ایسی صورت میں زید ہی کو آنے جانے سے روکا جا سکتا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد یا مدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۰، امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۰۰)

﴿وقد قال الله تعالیٰ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

**غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۱۷ھ

## موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے

**سوال** [۷۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مولانا عبدالعزیزؒ نے ۱۹۸۱ء صوفی باغ مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔

(۲) ۱۹۸۱ء میں مولانا عبدالعزیزؒ نے مسجد شہید کرائی اور قومی تعاون سے مسجد وصحن کے اوپر کے حصہ میں دو منزلہ بلڈنگ کی تعمیر کرائی۔

(۳) اس نئی تعمیر کے وقت صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں نے تحریراً دستاویز لکھ دی تھی کہ یہ ملکیت مسجد کی ہے صرف مسجد ومدرسہ کے استعمال میں لی جاسکتی ہے خاندان والے نہ اس کو استعمال کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں (اس دستاویز کی نقل سوال کے ساتھ شامل ہے)

مسجد بلڈنگ کا کام مکمل ہوا اور مدرسہ آہستہ آہستہ چلتا رہا اس درمیان ۱۹۸۶ء میں مولانا عبدالعزیز دیوان کا انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۴) ۱۹۸۶ء میں مولانا عبدالعزیز کے انتقال کے وقت مفتی سلیم صاحب ویڈچھپا ناظم واستاذ تھے، انہوں نے بڑے درد سے مجھ سے (سلیم چاندی والا) سے کہا کہ مدرسہ بند ہونے کی تیاری میں ہے اور صوفی باغ کے کمیٹی کے ذمہ داران اس تعمیر کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینے کی بات کررہے ہیں، ان کی بات سن کر میں (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل صدیق صاحب سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی نے مل کر مشورہ کیا کہ یہ ملکیت کسی بھی حالت میں ہوٹل والے کو یا کسی اور کرایہ دار کو کرایہ پر نہ

دی جائے کیونکہ مولانا عبدالعزیزؒ نے قوم کے روپیہ سے بلڈنگ بنائی ہے اس میں مدرسہ ہی چلنا چاہیے، الحمدللہ ایسا ہی ہوا، جس کا آج مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال مدرسہ چلتا رہا پھر مشورہ کر کے مسجد کے پڑوس کی جگہ مطبخ کے لیے خریدنے کی بات طے ہوئی، اس کے لیے عبدالرحمٰن ہمدرد (لاجپور) سے بات کر کے ۶۵۰۰۰ روپیہ پگڑی طے کر کے ان کو نقد دے کر قبضہ حاصل کیا، لیکن کرایہ کی رسید کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ مدرسہ کے نام سے بنانے سے منع کر رہے تھے اور سلیم بھائی کے نام سے بنانا چاہتے تھے، ہم اس بات پر متفق نہ ہوئے، کیونکہ یہ تو قوم کے روپیہ کی ملکیت ہے اس لیے مدرسہ کے نام سے کرایہ رسید بننی چاہیے، ۱۹۹۰ر میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی، اور ۲۰۰۰ء میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے رجسٹر بھی ہو چکا۔

۱۹۸۶ء کے سال میں مفتی سلیم صاحب ناظم تھے اس وقت طلبہ کی تعداد ۱۷ر تھی، اور ۳ر اساتذہ تعلیم میں مشغول تھے، مفتی صاحب نے خود بھی چندہ کیا تھا اس طرح ۱۹۸۶ء کا سال ختم ہوا۔

(۵) ۱۹۸۷ء میں مفتی سلیم صاحب، سید صاحت، حضرت حسین بھائی، اور یعقوب بھائی نے مل کر اس سال کے لیے چندہ کیا اس وقت طلباء کی تعداد ۳۰ر تھی، لیکن اسی سال مفتی سلیم صاحب لندن چلے گئے، ان کی جگہ مولانا یوسف بودیات کو ناظم بنا دیا گیا۔

(۶) ۱۹۸۷ء کے بجٹ کے لیے میں (سلیم چاندی والا) سعید بھائی، قاری اسماعیل وغیرہ ۱۰ر ممبروں نے ۵۰۰۰، ۵۰۰۰ روپیہ لیے، اس وقت طلبا کی تعداد ۳۵ر تھی اسی سال مولانا یوسف صاحب بودیات مدرسہ سے علاحدہ ہوئے ان کی جگہ قاری اسماعیل کو ناظم بنایا گیا۔

(۷) ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور رہائش کے لیے تنگی محسوس ہونے لگی تو میں (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل نے مل کر چندہ کیا اور مسجد کے صحن کے اوپر تیسری منزل کی تعمیر کرائی اس کا کرایہ مدرسہ آج تک صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں کو ادا کر رہا ہے۔

(۸) مطبخ سے متصل جگہ جو صوفی باغ کی کمیٹی کی ہے وہ ہندو گھاڑی والے کے

قبضہ میں تھی، ہم نے ان سے بات کر کے ۱۹۹۱ء میں ۲/لاکھ روپیہ چندہ کر کے پگڑی دے کر لے لی، اس جگہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی اور آج تک صوفی کمیٹی کے ذمہ داران کرایہ وصول کر رہے ہیں۔

مطبخ سے متصل جگہ جسے ہندو گھاڑی والے بھائی سے پگڑی دے کر لی تھی، ان کے اوپر کے حصہ کا قبضہ سورپرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی نے ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) دے کر صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داران سے پگڑی دے کر لیا تھا۔

اس کے بعد میں خود (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل، عبداللہ بھائی، یعقوب بھائی، اور سید صاحب نے مل کر سورپرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی کے ساتھ مشورہ کر کے کمال بھائی سے اوپر کے حصہ کا حق ۵۰۰۰/ (پانچ ہزار) روپیہ دے کر مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام حاصل کر لیا، بعدہ کمال بھائی نے ۵۰۰۰/روپئے لے کر مدرسہ میں للہ دیدیئے۔

اوپر لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر شرعی فیصلہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

## پانچ پانچ روپئے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرار نامہ

ہم نیچے دستخط کرنے والے ”حضرت شاہ صوفی سلیمان بن حافظ احمد دیوان ٹرسٹ“ کے ارکان ٹرسٹ:

(۱) مولوی عبدالحق میاں — سملک

(۲) مولوی عبدالعزیز ایم دیوان — لاجپور

(۳) عبدالاحد عبدالحفیظ صوفی — لاجپور

(۴) عبدالجبار محمد سعید صوفی — لاجپور

(۵) شبیر احمد عبدالصمد صوفی — لاجپور

اس تحریر سے ہم واضح کرتے ہیں کہ ”صوفی باغ“ اسٹیشن کے سامنے، سورت میں مذکورہ ٹرسٹ کی زمین میں ایک مسجد اور درگاہ ہے، جو ممبئی ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت

سورت نمبر بی ۸۶۹ سے رجسٹر کیا گیا ہے۔

مذکورہ مسجد شہید کر کے ازسرنو ۱۹۸۱ء میں تعمیر کی گئی ہے اوراس کے علاوہ اس کا صحن اور اوپر پہلا اور دوسرا منزلہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، مذکورہ ملکیت (جو ازسرنو تعمیر ہوئی ہے) صرف مسجد کی ہے جس کو صرف مسجد و مدرسہ ہی کے استعمال میں لیا جاسکتا ہے، مذکورہ ملکیت کی کوئی بھی جگہ یا کمرے دوسری کسی استعمال میں یا خاندان کے لوگوں کو یا دوسرے کسی بھی اشخاص کو رہنے کے لیے یا دوسرے کسی بھی مقصد کے لیے کرایہ پر نہیں دی جاسکتی، اوراس میں کسی کو بھی مع فیملی رہائش کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

دستخط ارکان ٹرسٹ:

سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان لاجپوریؒ کے زمانہ سے صوفی باغ مسجد و مدرسہ چل رہا تھا اور فی الحال بھی جاری ہے، لیکن حضرت کے زمانہ میں کبھی جاری رہتا تو کبھی حالات سے دو چار ہو کر بند ہو جاتا تھا اس طرح ایک مدت تک رہا، اخیر میں یعنی ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز دیوان لاجپوریؒ کے انتقال کے بعد صوفی ٹرسٹ کے ذمہ داران اس ملکیت کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینا چاہتے تھے اس کی خبر ہوتے ہی (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل، محمد صدیق (معروف بہ حضرت) سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اس ملکیت کو کسی بھی طرح کرایہ پر نہ دی جائے، اور الحمد للہ اس کام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، لیکن ہم نے خوب محنت سے چندہ کر کے مدرسہ کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ فی الحال ۱۲۰۰ر طلبہ دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں، اوراس کی تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت رات، دن جفاکشی میں لگی ہوئی ہے، مدرسہ ہماری نگرانی میں آنے کے بعد آج تک ۶۷ حفاظ، ۱۰۸ قاری، ۳۸ر عالم بنے ہیں۔

مختصراً مسجد و مدرسہ ویران نہیں ہے بلکہ برابر دینی کام میں لگا ہوا ہے، موجودہ ترقی و چمک ودمک کو دیکھ کر صوفی صاحب کے خاندان والے اس ملکیت کا مطالبہ کررہے ہیں کہ یہ تو

ہمارے خاندان کی ملکیت ہے، ہمیں واپس کی جائے تو کیا اس حالت میں مسجد و مدرسہ کی ملکیت کے مطالبہ کا حق انہیں حاصل ہے؟ حالانکہ قوم کے روپیہ سے بنی ہوئی اس ملکیت کا آج تک ہم کرایہ ادا کررہے ہیں اور کرایہ کی رسید بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم ذمہ داران جو اس وقت تھے آج تک مل کر کام کررہے ہیں، اور ہم نے اپنی کوئی غرض اور کوئی ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا ہے، حتی کہ تنخواہ کی کوئی رقم تک نہیں لی، صرف ایک دینی کام سمجھ کر تن، من دھن سے اور پورے ذوق وشوق اور محنت سے کام کیا تھا، اور کررہے ہیں، استفتاء کا جواب دیکر ممنون وشاکر فرمائیں اور عنداللہ اجر وثواب پائیں؟

نوٹ: مولانا عبدالعزیز کے انتقال کے بعد کی پوری تفصیل اور دستاویز اس کے ساتھ شامل ہیں۔

المستفتی: بھائی سلیم چاندی والا، مدرسہ اسلامیہ وقف سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد اور مدرسہ جس جگہ پر قائم ہیں وہ جگہ اگر وقف کی ہے یا مسلمانوں کے چندہ سے مسجد اور مدرسہ قائم کیے گئے ہیں تو مسجد تو ہمیشہ ہمیش کے لیے وقف علی اللہ ہوتی ہے اس کو ملکیت یا کسی اور چیز میں تبدیل کرنا اس میں مالکانہ حقوق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، اور جو مدرسہ قوم کے چندہ سے تعمیر کیا گیا ہے وہ بھی قومی وقف کے حکم میں ہے اس پر بھی وراثت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز اگر صوفی خاندان کے لوگ صرف انتظام ہاتھ میں لینے کے لیے کوشاں ہیں اور موجودہ حالات میں جو لوگ انتظام سنبھال رہے ہیں ان کے ذریعہ سے مدرسہ اور مسجد کی ترقی ہورہی ہے اور ان کی طرف سے کوئی خیانت اور بدنظمی بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں صوفی خاندان کے لوگوں کے لیے نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے، سوالنامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ اس ملکیت کا کرایہ ادا کیا جارہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ صوفی خاندان کی ملکیت ہے، اور انہیں کرایہ ادا کیا جارہا ہے اور انہیں سے کرایہ کی رسید لی جاتی ہے، یا کسی دوسرے لوگوں کی ملکیت

ہے اور انہیں کرایہ ادا کیا جاتا ہے، یہ بات واضح نہیں ہو پائی اس لیے اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۵۵)

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤، وهكذا فى الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ٢/ ٤١، رقم: ١٦٣٢)

**فإذا تم و لزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته فى الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه.** (شامى كتاب الوقف زكريا ديوبند ٦/٥٣٩، كراچى ٤/٣٥١-٣٥٢)

**رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوىٰ الأبد ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا لو مات لايورث عنه.** (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/ ٢٥٥، جديد ٢/ ٤٠٩، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٢٥، رقم: ١١٣٣٨، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٥٧، رقم: ١١٤٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۶۴/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱/۱۴۳۱ھ

## وقف تام ہونے کے بعد واقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے سے متعلق مختلف احکام

**سوال** [۷۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ریاض الاسلام صاحب مرحوم نے اپنی ایک بڑی جائیداد کو باقاعدہ سرکاری کاغذات پر تحریر کراکر وقف کردیا تھا، اور تحصیلدار کیرانہ کے یہاں رجسٹر کرادیا تھا، جس کا فوٹواسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس وقف کا متولی ومنتظم میں خود (حاجی ریاض الاسلام) رہوں گا، اور اپنی وفات کے بعد ان کی بیوی مسماۃ ام کلثوم متولیہ ہوں گی ان کے بعد پانچ اشخاص جن کے نام تحریر کردیئے گئے تھے، ان پانچ اشخاص میں سے ایک صاحب شیخ نثار احمد صاحب کو منیجر کے طور پر رکھا گیا تھا، ہوا یہ کہ حاجی ریاض الاسلام کے انتقال کے بعد جو ۱۹۶۵ء میں ہوگیا تھا، منیجر صاحب نے دفتر سنی سینٹرل بورڈ سے اس وقف کی فائل بھی ختم کراکر ضلع مظفرنگر میں اس وقف کو بھی ختم کرنے کی اپیلیں دائر کیں اور اس میں بھی وہ کامیاب ہوگئے اور ابھی تک اس وقف میں ملکیت جاری ہے لیکن قصبہ کے کچھ اشخاص کے علم میں جب یہ بات آئی کہ یہ وقف پراپرٹی ہے انہوں نے کوشش کرکے میرٹھ محافظ خانہ سے اصل وقف نامہ نکلوایا جس پر بطور گواہ مولوی محمد طاہر اور قاضی مسعود اور منشی سبحان بیگ کے دستخط موجود ہیں، ۱۹۶۶ء میں مولوی شبیر احمد صاحب نے اس کے لیے سنی سینٹرل بورڈ میں پھر اس وقف کے لیے درخواست کی جس پر اس وقت کے صدر جناب شوکت حمید مرحوم نے شیخ نثار احمد کو منیجر کے عہدہ سے ہٹا کر مولوی شبیر احمد کو منیجر مقرر کردیا اور واقف کی ہدایت کے مطابق خالی جگہوں کو اس طرح پُر کیا:

(۱) مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۲) مولانا احتشام الحق کاندھلہ

(۳) مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ

(۴) مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس لمبی تحریر کے

بعد آپ سے ان امور کا جواب مطلوب ہے؟

(۱) واقف کے وقف کر دینے کے بعد کیا خود واقف کو یا نامزد متولیوں میں سے کسی کو اس وقف کو ختم کر دینا یا کرا دینا جائز ہے؟

(۲) اس وقف پر بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی آمدنی کو اپنے اور اپنی اولاد کے نیز اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں خرچ کرنا اور حضرات علماء وصلحاء کو طعام الولیمہ نام رکھ کر بلانا اور ان علماء کو معلوم ہونے پر اس میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قصبہ کے اشخاص کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صوفی جلال الدین ادارہ اصلاح امت یوپی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) جب حاجی ریاض الاسلام صاحب نے اپنی جائیداد کو وقف کردیا اور شرعی طور پر وقف تام اور لازم بھی ہوگیا تو وہ وقف شدہ زمین تاقیامت وقف ہی رہے گی اور خود واقف یا متولیوں میں سے کسی کے لیے بھی اس وقف کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

**فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته في الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أي لايقبل التمليك لغيره**

**بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه ولايعار ولا يرهن لاقتضاء هما الملك.** (شامي، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١-٣٥٢)

**فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث.** (هدايه، اشرفي ديوبند ٢/ ٦٣٧)

**وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه.** (هدايه، اشرفي ديوبند ٢/ ٦٤٠)

(۲) اس وقف میں بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا اوراس کی آمدنی کو اپنے یا اپنی اولاد کے اخراجات میں صرف کرنا ناجائز اور حرام ہے ایسا کرنیوالا شخص شرعاً غاصب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ وقف کی جائیداد واپس کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹)

**وذكر ظهير الدين في فتاويه أن الفتوىٰ في غصب العقار والدور الموقوفة بالضمان، وإن الفتوىٰ في غصب منافع الوقف بالضمان.**

(شامي، كتاب الغصب، قبيل مطلب شرعي دار و سكنها ...... زكريا ديوبند ٩/ ٢٧٢، كراچی ٦/ ١٨٦، هنديه، الباب التاسع في غصب الوقف، زكريا قديم ٢/ ٤٤٩، جديد ٢/ ٤٠٥)

اوراس آمدنی سے کی جانے والی شادی بیاہ میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ شخص ظلماً لی ہوئی وقف کی آمدنی سے شادی بیاہ کررہا ہے، شرکت کرنا اوراس کے یہاں کھانا کھانا درست نہیں ہے۔

**لايجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه و كذا دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم يخبر أنه حلال وبالعكس يجيب مالم يتبين عنده أنه حرام.** (هنديه، كتاب الكراهة، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ١٢٢)

(۳) قصبہ کے مذکورہ اشخاص کا کوشش کرکے محافظ خانہ سے وقف نامہ کی اصل نکلوانا تاکہ وقف کی اصلیت ثابت ہوجائے درست ہے، اور وقف کی اصلیت ثابت ہوجانے کے بعد اس میں خورد برد کرنے والے لوگ گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۴) | ۱/ ۳/ ۱۴۲۵ھ |

## صدقۂ جاریہ کی رقم سے تعمیر شدہ عمارت کو منہدم کر کے اس میں کاشت کرنے کا حکم

**سوال** [۷۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ اصحاب خیر نے صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب برائے مرحومین دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کے لیے ایک معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی ان ذمہ دارانِ مدرسہ نے ابتداءً تو تعمیر شروع کردی مگر بعد ازاں نہ صرف تعمیر کا ارادہ ترک کیا بلکہ اس ادھوری تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس پر کاشت شروع کردی، تو کیا بغیر ان اصحاب خیر کی اجازت اور علم میں لائے ایسا کرنا درست ہے؟ اس صورت میں صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب ثابت رہیں گے یا منقطع ہوجائیں گے، اگر ثابت رہیں گے تو قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں اور اگر منقطع ہوتے ہیں تو ذمہ دار کون ہوگا؟

المستفتی: عبد الوہاب ٹانڈہ بادلی، حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: صدقۂ جاریہ اور مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کی غرض سے جو معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی گئی ہے اس رقم کو صدقۂ جاریہ ہی پر خرچ کرنا ذمہ دارانِ مدرسہ کو لازم ہے اور مدرسہ میں درسگاہ اور کمرہ کی تعمیر کر کے اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا جائے تو یہ صدقۂ جاریہ کی ایک قسم ہے، لہٰذا تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر جس نے اس پر کاشت شروع کردی ہے اس نے صدقۂ جاریہ کو ختم کردیا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ جس صدقہ جاریہ کے لیے رقم دی گئی ہے اسی میں وہ رقم خرچ کریں یا اتنی رقم اس کو واپس کردیں جس نے یہ رقم دی ہے، ورنہ خائن اور سخت گنہگار رہوں گے، اور عند اللہ مؤاخذہ ہوگا۔

**وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلايملك الدفع إلى غيره.** (شامی، کتاب الزکوٰۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۶۹)

**رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذٰلك**

**فإن فعل فإن عرف صاحب ذٰلک المال رد المال علیه أو سأله تجدید الإذن فیه.** (الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون، زکریا ۸/۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی جدید ۹/۱۵۳، رقم: ۱۱۴۵۰، هندیه، الباب الثالث عشر زکریا قدیم ۲/۴۸۰، جدید ۲/۴۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

## والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا

**سوال** [۷۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک بوڑھا بے روزگار ہوں اور میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ رہ رہا ہوں، گذشتہ سال اس لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے آمدنی اس قدر قلیل ہوگئی ہے کہ اس کے بچوں کے لیے گذر اوقات دشوار ہوگئی، چند روز سے ہینڈ پمپ بھی خراب ہوگیا اس کی درستی کے لیے ۵۰۰ر روپیہ درکار ہیں، میری والدہ مرحومہ نے ایک جائیداد وقف علی الخیر چھوڑی ہے کیا میں اس میں سے یہ ضرورت پوری کرسکتا ہوں؟ اس سلسلے میں شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: سردار خاں محلّہ طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: صورت مسئولہ میں اگر وقف علی الخیر سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً موقوفہ جائیداد سے غرباء ومساکین کی ضرورت پوری کی جائیگی تو ایسے خستہ اور نازک حالات کی بنا پر آپ اپنی والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر کی آمدنی سے مذکورہ ضرورت پوری کرسکتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت آپ بھی فقراء میں شامل ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۵۷، جدید مطول ۹/ ۴۱۷)

**فإن احتاج بعض قرابته أو بعض ولده إلی ذٰلک الوقف فی الصحة**

**فهٰهنا أحكام أحدها أن صرف الغلة إلى فقراء القرابة أولىٰ فإن فضل منها شيئ يصرف للأجانب.** (هنديه، كتاب الوقف الباب، الثامن زكريا قديم ۲/ ۳۹۵، جديد ۲/ ۳۷۲، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۱۲- ۱۱۳، رقم: ۱۱۳۵۸- ۱۱۳۵۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۹/ ۷۸، رقم: ۱۱۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

# وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم

**سوال** [۷۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمۂ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ایک استفتاء بشکل عرضی دعویٰ داخل ہوا ہے اس کا فوٹو کاپی مع دستاویزات کے روانہ ہے، چند چیزیں محل بحث ہیں امید ہے کہ ساری جزئیات کو منقح کر کے مع ادلہ وحوالہ جات کے جواب تحریر فرمائیں گے۔

(۱) موصی نے اپنے دستاویزات میں جو عبارت تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد قدیم کے حق میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہ بعد میری وفات کے مسجد مذکور، مکان مذکور کی مالک کامل ہوگی، اس طرح کی تعبیر کہ ''وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں'' میں وقف اور وصیت دونوں لفظ موجود ہیں اور بعد میری وفات کے یہ لفظ بھی موجود ہے تو یہ وقف ہے یا وصیت ہے؟

(۲) اور ان دونوں شکلوں میں موصی کی جانب سے شرط لگانا شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ شرط کی تفصیل بھی دستاویز میں موجود ہے؟

(۳) اگر وصیت ہے تو کیا پورے مکان کی وصیت کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ دستاویز اہلیہ کی رضامندی سے تحریر ہے یا یہ رضامندی غیر معتبر ہے، وصیت صرف ایک ثلث مکان میں واقع ہوگی اور باقی دو ثلث میں وارثین کا حصہ ہوگا یا نہیں؟

(۴) دوثلث تقسیم کرتے وقت کیا اہلیہ اور لڑکی دونوں کا حصہ ہوگا یا صرف لڑکی کا حصہ ہوگا، کیونکہ اہلیہ کی طرف سے دست برداری کا دستاویز ہے، کیا اس کو اپنے حق سے دست برداری پر محمول کیا جائیگا، اگر دونوں کا حصہ ہوگا تو کتنا کتنا ہے، اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے اب صرف لڑکی موجود ہے؟

(۵) اگر وقف ہے تو اس شکل میں پورا مکان موقوف ہوگا یا وارثین کا حصہ اس شکل میں بھی لگے گا؟

(٦) وقف اور وصیت کے مابین فرق کیا ہے؟ دینے والے کی تحریر کو آسانی سے وقف یا وصیت پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

(۷) اگر موت کے ساتھ واقف نے تعلیق کردی ہے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں اور یہ وقف ہی ہے یا موت کے ساتھ تعلیق کے پائے جانے کی وجہ سے وصیت ہوجائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف اور وصیت میں تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک امر میں جمع ہوسکتے ہیں، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کے الفاظ سے ثلث ملکیت کے اندر وقف اور وصیت دونوں صحیح ہوچکی ہیں۔

**الوقف على ثلاثة أوجه إما أن يكون في الصحة أو في حالة المرض أو وقف بعد الموت فما كان في الصحة فالقبض والإفراز يكون شرطا لصحته كالهبة وماكان بعد الموت فالقبض والإفراز ليس بشرط لصحته لأنه وصية إلا أنه يعتبر من الثلث وماكان في حالة المرض فحكمه حكم الوقف في الصحة.** (قاضيخان، كتاب الوقف فصل في وقف المريض، زكريا جديد ۳/ ۲۲۱، وعلى هامش الهندية ۳/ ۳۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۷/ ۱۴۱٦ھ

# کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم

**سوال** [۷۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے وقف ہے ہندوستان میں واقع ہے اس وقف کی آمدنی کبھی بھی مذکورہ جگہوں پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ فی زمانہ خرچ ہونے کی ضرورت اور شکل ہے، اس وقف کا متولی اس کی آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں صرف کیا کرتا ہے، تو کیا شرعاً ایسی مجبوری کی حالت میں کہ مکہ ومدینہ اس کی آمدنی پہنچانا دشوار گذار کام ہے اس کی آمدنی ہندوستان کی دیگر مساجد میں صرف کی جاسکتی ہے؟

(۲) ایک وقف شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک ہے، کنجڑوں والی مسجد کے ایک نمازی جو کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی والے وقف کے متولی ہیں ان کا کہنا ہے کہ سوال (۱) کی موقوفہ جائیداد کو شاہی مسجد اپنی تولیت میں لے لے، اور اس کی تمام آمدنی شاہی مسجد میں خرچ کرلے، اور جو اس سوال (۲) میں مشترک وقف ہے وہ کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دیدے تا کہ اس کی تمام آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں خرچ کریں تو کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح اور درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: (۱) جو جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے ہندوستان میں وقف ہے اس کی آمدنی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے واقف کی غرض اور شرائط کے مطابق کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور یہ کہنا درست نہیں کہ فی زمانہ مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنے کی ضرورت اور شکل نہیں ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں واقف نے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام سے وقف کیا تھا اس زمانہ میں وہاں پر آمدنی پہنچانا آج کل کے مقابلہ میں بہت دشوار تھا، اور آج کے زمانہ میں وہاں پہنچانا کوئی مشکل اور دشوار نہیں، ہر مہینے میں آمد ورفت ہے، خاص کر شعبان رمضان میں عمرہ کو جانے والے اور پھر ذیقعدہ سے حجاج کرام کا تانتا لگ جاتا ہے، اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں خرچ کرنے کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ حرمین کے متصل قرآن کریم کے مکتبات ہیں ان مکتبوں سے قرآن کریم خرید کر انہیں مکتبوں سے وقف للہ کی مہر لگوا کر مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بسہولت رکھا جا سکتا ہے، اور لوگ اس طرح رکھتے ہیں، دنیا بھر کے لوگ ان قرآن کریم میں تلاوت کرتے رہتے ہیں، اسلئے آج تک کی جو آمدنی وہاں نہیں خرچ کی گئی ہے یہ ذمہ دار اور متولی کی طرف سے خیانت اور لاپرواہی ہے، لہٰذا ان جائیداد کی آمدنی کو حرمین میں نہ بھیج کر ہندوستان کی دیگر مساجد میں خرچ کرنا غرض واقف اور شرط واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

**شرط الواقف كنص الشارع ...... إن عزل القاضي للخائن واجب عليه ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن.** (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، مصرى قديم ١/ ٧٥٤)

**على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، مطلب: غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

**(۲)** جو جائیداد شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک وقف ہے اس کو اسی طریقے سے شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک باقی رکھنا لازم اور ضروری ہے، اور اس کی آمدنی دونوں مسجدوں کے لیے جس مقدار اور شرط کے ساتھ خرچ کرنے کے لیے واقف کی ہدایت ہے، اسی مقدار اور شرط کے مطابق عمل کرنا ذمہ داروں پر لازم ہے، اگر اس کے خلاف کریں گے تو وہ ذمہ دار خائن ہوں گے، اور مستحق تولیت نہیں رہیں گے، اور جو سوالنامہ میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے موقوفہ جائیداد کو مشترک طور پر شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دینے کی جو بات کہی گئی ہے وہ شرعی طور پر جائز نہیں ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

**شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به فيجب اتباع شرائط الواقفين في أوقافهم.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ٨٠، شامی مطلب: فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع زكريا ٦/ ٦٤٩، كراچی ٤/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۹)

# متعینہ مصارف پرصرف کرنا لازم ہے

**سوال** [۷۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب رقم دیتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں پر صرف کردیں تو کیا وصول کرنے والا شخص جس کو مزکی نے دی ہے اور مصارف متعین کیے ہیں، یہ رقم مدرسہ میں دے سکتا ہے، جبکہ خود مزکی نے مصارف متعین کردیئے ہیں، ایسی صورت میں اگر وصول کرنے والا مدرسہ میں دے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب صاحب خیر نے مصرف متعین کردیا ہے تو اس متعین مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو خیانت ہو جائے گی اور اپنی جیب سے اس مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوگا، مدرسہ کو دینا بھی جائز نہ ہوگا بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے، جہاں خرچ کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

**رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذٰلك.**

(الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الحادی والعشرون، زكريا ۸/۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

**شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به.** (الدر مع الرد، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ديوبند ۶/۶۴۹-۶۵۰، كراچی ۴/۳۶۶)

**مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی زكريا ۶/۶۶۵، كراچی ۴/۴۴۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۰۳)

# واقف کی شرط کا حکم

**سوال** [۷۶۲۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد مرحوم نے ایک پلاٹ مسجد کے لیے وقف کیا تھا جس پر مسجد تعمیر ہو چکی اس سے متصل ایک پلاٹ مسجد سے مشرق کی جانب مدرسہ کے لیے وقف کیا اس سے کچھ دوری پر ایک پلاٹ شادی ہال کے لیے وقف کیا آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع بہت ضروری ہوگئی، مسجد کے آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو خرید کر مسجد کی توسیع میں شامل کرسکیں، محراب کی جانب اور دائیں بائیں روڈ ہے اور مشرق کی جانب مدرسہ کی زمین ہے جس پر ابھی مدرسہ قائم نہیں ہوا ہے مرحوم کے ورثاء جو ان اوقاف کے منتظم ہیں، انہوں نے باہمی اتفاق سے یہ طے کیا کہ مدرسہ کی زمین اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کی توسیع میں شامل کرلی جائے اور واقف کے دوسرے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مدرسہ کو اس کے عوض میں شادی ہال کی زمین دیدی جائے کیونکہ مدرسہ شادی ہال کے وقف کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین وقف ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں کئی شادی ہال موجود ہیں، اور یہ زمین شادی ہال کے لیے ناکافی بھی ہے پھر واقف کی دوسری زمین جس میں عیدگاہ قائم ہے اس میں شادی وغیرہ بھی ہوتی ہے جس سے واقف کے شادی ہال کا مقصد اس جگہ سے پورا ہو جارہا ہے، اور شادی ہال کے نام سے وقف زمین معطل (بیکار) پڑی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا اعذار کی وجہ سے اس میں اگر مدرسہ قائم کیا جائے جو کہ شادی ہال کی بہ نسبت اعلیٰ ترین وقف ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، یا اس کے علاوہ کوئی متبادل شکل ہو تو رہنمائی فرمائیں، واضح رہے کہ واقف نے دستور العمل میں یہ لکھا ہے کہ جو جگہ میں نے جس کام کے لیے وقف کی ہے کسی کو اسے بیچنے ہبہ کرنے اور بدلنے وغیرہ کا اختیار نہیں ہے، مستحکم جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اراکین مسجد ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** واقف نے دستورالعمل میں صاف وضاحت کے ساتھ اس بات کی شرط لگائی ہے کہ شادی ہال کی جگہ پر شادی ہال ہی بنانا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں اور مدرسہ کی جگہ پر مدرسہ ہی بنانا ہے اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، اس لیے مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ کو شادی ہال کی جگہ منتقل کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ شادی ہال کی جگہ شادی ہال ہی بنانا ضروری ہوگا، چاہے شادی ہال چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

**شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه.** (كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، زكريا ديوبند ٦/ ٧٣٥، كراچی ٤/ ٤٩٥، البحر الرائق كتاب الحواله، باب كتاب القاضي الى القاضي وغيره، كوئٹه ٧/ ١٤، زكريا ديوبند ٧/ ٢٤)

**أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

**ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ.** (شامی، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، زكريا ديوبند ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٥١)

**وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الواقفين للآخر.** (البحر الرائق زكريا ديوبند ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
|---|---|
| احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ | ۱۲؍ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ |
| ۱۴۲۹/۵/۱۲ھ | (الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۳/۳۸) |

# واقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم

**سوال [۷۶۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سوال برائے فرائض شرعی آمدنی موقوفہ حاجی کلن مرحوم کے جواب مؤرخہ

۱۸/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ میں آپ نے سہامات قائم کیے ہیں اب چونکہ ۳۰/نومبر ۱۹۹۵ء کو نور جہاں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس نے ایک دختر مسماۃ بدر النساء چھوڑی ہے لیکن وقف نامہ اولاً ۱۹۳۲ء کی دفعہ ۹/ کے تحت اس کو صرف اس کی زندگی تک ہی مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے ۱۰۵ سہام کس کس میں کس طرح تقسیم ہوں گی؟

المستفتی: عبد الرحمٰن شیخ سرائے محمود، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ نور جہاں کو وقف کی آمدنی میں سے صرف اس کی زندگی تک فائدہ اٹھانے کا حق ہوسکتا ہے اس کے بعد اس کے ورثاء کی طرف آمدنی کا حق منتقل نہ ہوگا، لہٰذا واقف کی شرط کی رعایت کرتے ہوئے نور جہاں کے انتقال کے بعد آمدنی میں سے جو حصہ نور جہاں کو مل رہا تھا وہ اس کی دختر بدر النساء کی طرف منتقل نہ ہوگا، بلکہ بقیہ شرکاء کے حصوں کے ساتھ منضم ہو جائے گا، کیونکہ مسئلۂ وقف میں واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

**شرط الواقف کنص الشارع الخ.** (شامی، مصری ۳/۴٦١، کراچی ٤/٣٦٦، زکریا ٦/٦٤٩)

**إن مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، مصری ۳/٤٦١، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۲۴/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۱) | ۱۴۱۶/۷/۲۴ھ |

# واقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم

**سوال** [۷۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منشی محمد ابراہیم مرحوم نے اپنی جائیداد واقع محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور، کو یہ کہہ کر دی تھی کہ اس عمارت میں لڑکیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو روزِ قیامت ذمہ دار لوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا، مندرجہ بالا بات کی تصدیق محلّہ کے چار لوگوں نے تحریری طور پر کی ہے، تصدیق کرنے والوں میں جناب عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں اور بشیر احمد صاحب مدرسہ کی کمیٹی کے ممبر ہیں، تصدیق کا کاغذ اس سوال کے ساتھ منسلک ہے مدرسہ کی کمیٹی میں دو بار اس بات کا ریزولیشن بھی پاس ہو چکا ہے کہ اس جگہ تعلیم نسواں شروع کی جائے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ مدرسہ والوں نے ان کی جائیداد کی پختہ تعمیر کرا کر نیچے کے حصہ کو ایک دوکاندار کو دیدیا اور اوپر کی منزل رہائش گاہ کے لیے کسی شخص کو کرایہ پر دیدی ہے اور وہ روپیہ دینی تعلیم پر صرف ہو رہا ہے۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ عمارت کو تعلیم نسواں کے بجائے کرایہ پر چڑھا دینا جائز ہے یا نہیں؟ خلاصہ تحریر فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

خادم عزیز اللہ بقلم خود

ہم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ منشی محمد ابراہیم نے اپنی جائیداد واقع محلّہ مغلوشاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد کو یہ کہہ کر دی تھی کہ اس عمارت میں بچیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو روز قیامت ذمہ دار لوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔

بشیر احمد　　　سراج　　　عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور جناب عبد الرحمٰن صاحب اور بشیر احمد صاحب مقبول الشہادت ہیں، دونوں اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ محمد ابراہیم نے اپنی عمارت کو تعلیم البنات ہی کی غرض سے وقف کیا ہے تو اس عمارت میں صرف تعلیم نسواں ہی جائز ہو سکتی ہے، دوسری صورتیں اس وقت تک جائز نہیں ہو

سکتیں جب تک کہ غرض واقف کے مطابق لڑکیوں کی تعلیم ممکن ہو۔

**أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ.** (شامی، مصری ۳/۴٦٤، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

لہٰذا اس کے خلاف فکر کرنے والے متولی تولیت کے لائق نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۱۲)

## غرض الواقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے

**سوال** [۷۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ فاطمہ بیگم بنت حاجی کلن مرحوم بیوہ حاجی محمد صدیق ساکن محلہ کرولہ مرادآباد اپنے والد مرحوم حاجی کلن کی موقوفہ جائیداد جو کہ وقف علی الاولاد کے طور پر چلی آرہی تھی، کرایہ کی آمدنی کی ذمہ دار بھی تھیں، انہوں نے اپنی بہنوں اور بھانجوں وغیرہ کے سامنے یہ زبانی وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے میرا جتنا بھی حصہ ہو میری نند مسماۃ مندی مرحومہ کے لڑکے اقبال حسین کو دیا جائے، مؤرخہ ۲۴؍ جون ۱۹۸۹ء مسماۃ فاطمہ بیگم کا انتقال ہوگیا بوقت انتقال مندرجہ ورثاء موجود تھے، سگی بہن غفرانہ بیگم، ہاجرہ بیگم، صابرہ بیگم، بھانجے اور بھانجی مرحومہ یعنی بسم اللہ بیگم کی اولاد فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، بدرالنساء، خیرالنساء، سگی نند، مسماۃ سروری بیگم۔

(۲) نند کے بچے اقبال حسین پسر مسماۃ مندی مرحوم الطاف حسین، ابرار حسین پسران مسماۃ کبریٰ بیگم، کیا زبانی وصیت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو اوپر لکھے ہوئے وارثان میں سے کس کو کتنا حق پہنچتا ہے، ازروئے شرع بتانے کی زحمت فرمائیں۔

نوٹ: واقف نے واقف نامہ میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ میرے کسی بھی وارث کو یا کسی بھی متولی کو جائیداد ہائے موقوفہ کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، نیز

یہ بھی تحریر ہے کہ کسی شخص یا مسماۃ نور جہاں کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا تو ان حالات میں فاطمہ بیگم کی مذکورہ وصیت درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** چونکہ واقف نے وقف نامہ کے اندر اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ کسی بھی حقدار کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی کی طرف منتقل کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور شریعت میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہے، اس لیے فاطمہ بیگم کی وصیت درست نہیں ہوگی بلکہ وقف نامہ کی شرائط اور وضاحت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی حقداروں کو ہی ملا کرے گی، موصی لہ اقبال حسین کو مذکورہ حصہ کی رقم نہیں مل سکتی۔

**القضاء بخلاف شرط الواقف کالقضاء بخلاف النص لاینفذ لقول العلماء، شرط الواقف کنص الشارع.** (الأشباه والنظائر قدیم ص: ۱۶۹، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۳۰۰)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، کراچی کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة، زکریا دیوبند ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۷)

## شرائط واقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں

**سوال** [۷۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واقف حاجی نثار حسین مرحوم نے اپنی کل جائیداد واقع شہر مرادآباد بتاریخ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو واسطے پرورش پرداخت اپنی اولاد و بھانجہ و بھتیجہ کے اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن وقف کردی اور اپنی ملکیت سے نکال کر ملکیت خداوند تعالیٰ الحی والقیوم میں دیدی، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ اگر خدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھانجہ و بھتیجے کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف مستفید ہوتے

رہیں، واقف نے اپنے لڑکے عبدالمجید کے افعال وطریقہ وبودوباش سے تنگ وپریشان ہوکراور اپنی بہنوں کے ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے ایک تولیت نامہ تحریر کیا، تولیت نامہ میں واقف نے اپنے حقیقی بھائی کے پوتے کو جو کہ خودواقف کا بھی پوتا ہے، تازیست متولی مقرر کردیا اور بعد وفات متولی عبدالحکیم مذکوراس کی اولاد ذکور پسر اکبر متولی ہوتا رہے گا، واقف کا نافرمان لڑکا لاولد موت ہوگیا، اور فی الحال واقف کی نسل ختم ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں عبدالحکیم کی اولاد ذکور پسر اکبر کو تولیت یا اس کی اولاد ذکور کی موجودگی میں عبدالحکیم کی دختر شادی شدہ کو تولیت پہنچتی ہے، اور وہ واقف کی آمدنی کی حق دار ہے یا نہیں؟ اس سوال کے ساتھ (۱) وقف نامہ ۱۲/۱ کتوبر۱۹۴۴ء (۲) وتتمہ ۱۹۴۶ء (۳) ومزید تولیت نامہ برحق عبدالحکیم ۱۹۵۷ء (۴) وقف نامہ مزید ۱۹۵۷ء تاریخ امروزہ تولیت نامہ، واقف نثار حسین کے حقیقی بھائی ولایت حسین کا پڑپوتا اکبر حسین اور پڑپوتی شاہین اختر اور واقف کی حقیقی بہن کا لڑکا مناحیات ہیں، نسل ہی کوئی نہیں ہے، بھانجہ اور بھتیجہ کی نسل میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، ان حالات میں جائداد موقوفہ کی آمدنی میں کون کتنے کا حصہ دار ہے؟ اور تولیت کس کو پہنچتی ہے، اور بعد کا وقف نامہ پہلے کے وقف ناموں کے ساتھ سمجھا جائیگا یا الگ سے سمجھا جائیگا، نئے وقف نامہ کی جائیداد اور پرانے وقف نامہ کی جائیداد ایک سمجھی جائے گی یا الگ الگ سمجھی جائے گی؟

اور واقف کے نئے وقف نامہ میں جو اس نے بعد میں لکھا ہے، اس میں صراحت ہے، کل خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کی رہے گی، اس میں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لہٰذا اس میں بھی بتلایا جائے کہ اس کی آمدنی تنہا متولی کی رہے گی، یا یہ بھی تقسیم ہوگی اور اکبر حسین متولی کے بعد اکبر حسین کی ہمشیرہ مسماۃ شاہین اختر متولیہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حسب شرائط واقف تولیت عبدالحکیم کی باصلاحیت اولاد ذکور کی موجودگی میں شاہین اختر کو نہیں پہنچ سکتی۔

**شرط الواقف کنص الشارع.** (شامی، نعمانیه ۳/ ۴۲۲، کراچی ۴/ ۳۶۶، زکریا

١٤٩/٦)

اور آمدنی وقف نامہ ۱۹۴۴ء کے مطابق مصارف میں سے جو جو موجود ہوں ان سب کو حسب شرائط ملتی رہے گی، بھتیجہ اور اس کی اولاد کو نصف اور بھانجہ اور اس کی اولاد کو نصف ملے گی اور اس میں مذکر و مؤنث سب برابر حصہ دار ہوں گے

**رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة علي ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكور والأنثى.** (قاضيخان، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد، زكريا جديد ٢٢٤/٣، وعلى هامش الهندية ٣١٩/٣، هنديه زكريا قديم ٣٧٣/٢، جديد ٣٥٩/٢)

مستفتی نے جو دو فتوے بقیہ تمام آمدنی عبدالحکیم اور آئندہ آنے والے متولیوں کے حق میں ہونے کے سلسلے میں پیش کیے ہیں خاکسار کو ان سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ غرض وقف میں استبدال واقف کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

**كما في الهندية لو قال أرضي صدقة موقوفة لله تعالىٰ أبداً على أن أضع غلتها حيث شئت جاز وله أن يضع غلتها حيث شاء فإن وضع في المساكين أوفي الحج أو في إنسان بعينه فليس له أن يرجع عنه.** (هنديه، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زكريا قديم ٤٠٢/٢-٤٠٣، جديد ٣٧٧/٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/٩، رقم: ١٠٩٦٨، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٤٤/٨، رقم: ١١١٦٨)

**فإن قال لا أشاء أن أعطي أحدا منهم فالغلة لهم وقد أبطل مشيئته فصار كأنه لم يشترط لنفسه مشيئته.** (هنديه، زكريا قديم ٤٠٤/٢، جديد ٣٧٧/٢)

پرانے اور نئے وقف نامہ دونوں کا حکم اپنی اپنی شرائط کے مطابق الگ الگ ہوگا، ۱۹۴۶ء کے بعد کے اوقاف کی آمدنی حسب شرائط واقف موجودہ اور آئندہ آنے والے متولیوں کو ملتی رہے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۵)

# قبرستان کے لیے زمین وقف کر کے اس سے رجوع کرنا

**سوال** [۷۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی عبدالوہاب صاحب نے اپنی اولاد کی موت سے دلی صدمہ کی وجہ سے اپنی زمین قبرستان کے لیے وقف کردی اور مجمع میں وقف کا اعلان کردیا، پھر کارکنان قبرستان نے کہا کہ قبرستان کو پچاس سال تک مزید زمین کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس زمین کو فروخت کردیا اور اس رقم کو دوسرے کے ساتھ کاروبار میں لگادیا، مالی کمزوری کی وجہ سے ان کا کاروبار بند ہوگیا اس لیے اب وہ چاہتے ہیں کہ تجارت سے حاصل شدہ موصولہ منافع میں سے آدھے نفع کو اپنے مصرف میں اور آدھے کو کارِ خیر میں خرچ کریں تو کیا ایسا کرنا ان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن طباخیان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب حاجی عبدالشکور صاحب نے قبرستان کے لیے زمین وقف کردی ہے اور مجمع عام میں اعلان بھی کردیا تو وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہو گئی اور بعد میں نہ کارکنانِ قبرستان کو واپس کرنے کا حق ہے اور نہ ہی واقف حاجی عبدالوہاب صاحب کو واپس لے کر فروخت کرنے کا حق ہے، لہٰذا حاجی صاحب کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں اس فروخت کرنے میں ذمہ دارانِ قبرستان اور حاجی صاحب سب گناہگار رہوں گے اور جو اس کی قیمت سے کاروبار شروع کردیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے، بلکہ قیمت دے کر زمین کو واپس لے کر قبرستان کے حوالہ کردینا لازم ہوگا، حاجی صاحب کے لیے اس کے منافع میں سے آدھا اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۵/۵۷۰، محمودیہ قدیم ۶/ ۱۵۸، ڈابھیل ۱۴/ ۶۹ ۴، اختری بہشتی زیور ۳/ ۶۹)

**ویزول ملکہ بمجرد القول عند أبی یوسف و محمدؒ لا مالم یسلمہ إلی ولی وبقول أبی یوسفؒ یفتی للعرف.** (الدر المنتقی، کتاب الوقف، دار الکتب

العلمية بيروت ۲/ ۵۷۰، مصرى قديم ۱/ ۷٤۱)

**وقال صدر الشهيد و مشائخ بلخ يفتون بقول أبى يوسف و نحن نفتى بقوله أيضا لمكان العرف الخ.** (البحر الرائق کوئٹہ ۵/ ۱۹۰، زکریا ۵/ ۳۱۸)

**وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه الخ.** (هدايه ۲/ ٦٤٠)

**وتحته فى فتح القدير: وهو بإجماع الفقهاء الخ.** (فتح القدير بيروتى ٦/ ٦٢٠، زكريا ٦/ ٢٠٤، کوئٹہ ۵/ ٤٣٣)

زمین کے واپس آنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پوری قیمت صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔

**ينبغى لهٰذا الواقف أن يتصدق بأصلها على الفقراء ولو باعها وتصدق بثمنها جاز.** (قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٩، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٨٦)

**ولارجوع فيها أى فى الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل.** (البحر الرائق كتاب الهندية باب الرجوع فى الهبة کوئٹہ ۷/ ۲۹۷، زکریا ۷/ ۵۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۹۶/۲۵)

# سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا

**سوال** [۷۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مراد آباد شمال میں رام گنگا نام کا ایک دریا بہتا ہے اس کے کنارے پر لوگوں نے (ہندو مسلمان) مکانات تعمیر کر لیے ہیں، جبکہ وہ پوری کالونی بن چکی ہے، اور دریا سرکاری جائیداد ہے یہاں لگ بھگ دس ہزار کی تعداد میں مسلم آبادی ہے، لہٰذا اس جگہ ایک دینی مدرسہ بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے بھی اہل بستی نے ایک جگہ گھیر رکھی ہے، اس جگہ میں دینی مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اس تعمیر شدہ عمارت میں جماعت سے نماز پڑھنے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

**المستفتی**: جملہ اہل بستی نئی آبادی رام گنگا مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگراس سرکاری جگہ میں من جانب سرکار مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت ہو اور آئندہ اس میں سرکار کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ بھی نہ ہو تو ایسی جگہ میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے، اوراس مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے بلاکراہت نماز صحیح ہوجائے گی، نیز جماعت کا ثواب بھی مل جائیگا، لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

**وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد.** (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، زکریا دیوبند ۲/ ۴۹۵، کراچی ۲/ ۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۸۴۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

# سوال وجواب

**سوال** [۷۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استفتاء الف: ۱/ ۳۵۴۴ کے پیش نظر ایک سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں اجازت سے شرعاً اجازت قولی وتحریری مراد ہے، یا صرف حکومت کا نہ روکنا اور آباد ہونے دینا تعمیرات پر روک نہ لگانا مراد ہے نیز سرکاری طور پر وہاں پر بسنے والوں کو بجلی و پانی بھی دیا جارہا ہے اور میٹر بھی دیئے جارہے ہیں، آیا اس کو اجازت سمجھا جائیگا یا نہیں؟

المستفتی: اہل رام گنگا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سرکار کا پانی یا بجلی وغیرہ دینا وقتی اجازت ہے، مگر سرکار قوانین وضوابط پر کبھی بھی عمل کرکے خالی کراسکتی ہے اس لیے وہاں پر سرکاری کاغذات حاصل ہونے سے قبل مسجد ہرگز نہ بنائی جائے البتہ مدرسہ بنانے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ مدرسہ منتقل بھی ہوسکتا ہے مسجد منتقل نہیں ہوسکتی، لہٰذا مدرسہ کے لیے اجازت عملی بھی کافی ہوسکتی

ہے اور مسجد کے لیے اجازت قولی وتحریری لازم ہوگی۔

**الوقف وهو (إلى قوله) فلايجوز له إبطاله الخ.** (الدر المختار کراچی ۴/۳۳۹، زکریا ۶/۵۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۷۳/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۲۱ھ

# پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر

**سوال** [۷۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے چھ ڈسمل زمین خریدی اور اس کا بیع نامہ نہیں کرایا صرف اسٹامپ پر لکھوالیا اور اسی زمین سے متصل ایک پٹے کی زمین خریدی اس کا بھی اسٹام کرالیا، اور اس تمام زمین پر فی الحال اس کا قبضہ بھی ہے اب وہ زمین اس نے جو تقریباً ایک بیگھا ہوتی ہے بکر کو چار لاکھ ساٹھ ہزار روپئے میں بیچ دی ہے اور بکر اس زمین میں مدرسہ بنوانا چاہتا ہے تو کیا بکر کا اس زمین کو خریدنا اور اس زمین میں مدرسہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی صاحب ایسی زمین کے لیے مدرسہ کے اعتبار سے کچھ رقم دینا چاہیں تو ان کو اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پور تھان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید نے جو زمین عمر سے خریدی ہے وہ اس کا مالک بن گیا ہے، پٹہ کی زمین کی اگر متعلقہ محکمہ سے اجازت لے کر خرید وفروخت ہوئی ہے تو اس پر مدرسہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر پٹہ کی زمین خرید کر مدرسہ بنانے کے لیے کسی نے پیسہ دیا ہے اور پردھان سے تحریری اجازت لے لی تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۲، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/ ۳۳۵،

ڈابھیل ۱۵/۶/۱۷)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۱۰؍۱۴۳۴ھ

## جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟

**سوال** [۷۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت نے رامپور دوراہے پر ڈیڑھ سوگز زمین خریدی تھی مدرسہ کے ارادے سے کہ اس میں مدرسہ بنواؤں گی اور اس میں ایک منزلہ عمارت بھی بن گئی ہے اب لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ مت کھلواؤ بلکہ تمہارے جو بھائی غریب ہیں انہیں وہ جگہ دیدو، کیونکہ یہ بھی ثواب ہی کا کام ہے۔

اس لیے آپ حضور والا سے مؤدبانہ وعاجزانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کا حل نکال کر یہ بتائیں کہ اس زمین میں مدرسہ ہی کھلوایا جائے یا وہ زمین غریب بھائی کو دیدی جائے؟

المستفتی: سہیل احمد مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مذکورہ عورت نے جب مدرسہ ہی کے ارادے سے زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کی نیت سے ایک منزلہ عمارت بھی بنادی ہے اور دینی مدرسہ جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے وہ صدقۂ جاریہ ہوتا جب تک اس مدرسہ میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا تو مذکورہ عورت کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، اس لیے بھائی کو دینے کے مقابلہ میں عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ دینی مدرسہ کے لیے ہی اس کو وقف کردے اور بھائی کو نہ دینے کی وجہ سے مذکورہ عورت کسی طرح گنہگار نہ ہوگی۔

**عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صاحب يدعو**

**له.** (مسلم شريف، الوصية، باب ما يلحق من الإنسان من الثواب بعد وفاته، النسخة الهندية ۲/ ۴۱، بيت الأفكار رقم: ۱۶۳۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۳۷۲، رقم: ۸۸۳۱)

**المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوی شريف رشيد ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۲۱)

# اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا

**سوال** [۷۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس اس کی ملکیت میں تقریباً ایک ایکڑ زمین ہے اس زمین کے چھ حصے کر کے ایک حصہ میں اس کا خاندانی قبرستان ہے جو وقف نہیں ہے، اور بقیہ پانچ حصہ زمین کا خالی پڑا ہوا ہے، وہ کاشت کے بھی قابل نہیں ہے اب وہ شخص اپنی ملکیت کی اس خالی زمین میں مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے، شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن محلہ خواجہ فیروز شاہ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ خالی زمین جبکہ قبرستان کے لیے وقف نہیں ہے اور مالک کی ملکیت میں باقی ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس میں مسجد یا مدرسہ بنائے شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

**المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء.** (بيضاوی شريف رشيد ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

# محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم

**سوال** [۷۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھٹن نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے محمد نور کے نام وقف کیا، محمد نور ہندوستان تقسیم ہوجانے کے بعد پاکستان چلا گیا، محمد نور سے متعلق جائیداد پر محکمۂ کسٹوڈین نے اپنا قبضہ کرلیا اور اس موقوفہ جائیداد کو نیلام کردیا، محمد نور کا انتقال ہوچکا ہے اب اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پاکستان ہی میں ہیں اور ان کو نہرولیاقت پیکٹ کے تحت پاکستان میں محمد نور جائیداد کا متبادل حصہ حکومت پاکستان سے مل چکا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل استفسارات جواب طلب ہیں:

(۱) ہندوستان کی تقسیم کے بعد جو موقوفہ جائیداد محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آئیں ان کی حیثیت وقف کی رہی یا نہیں؟

(۲) محکمۂ کسٹوڈین تقسیم ہند کے بعد موقوفہ جائیدادوں پر قبضہ کرلے تو اس نیلام کو خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) موقوفہ جائیدادوں کی حیثیت کن کن صورتوں میں بدل سکتی ہے؟

نوٹ: محمد نور کا بھی انتقال پاکستان میں ہوا ہے، وقف نامہ میں شیخ چھٹن کے بعد موقوفہ جائیداد کا متولی محمد نور ہوگا، محمد نور کے بعد اس کی نسل درنسل ہوتی رہے گی، محمد نور کی نسل اگر منقطع ہوجائے تو نیک ایماندار اور حنفی المسلک کوئی بھی شخص متولی ہوگا؟

المستفتی: محمد عمر، سرائے ترین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: تقسیم ہند کے بعد جس موقوفہ زمین کو سرکار نے محکمۂ کسٹوڈین کے ذریعہ سے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اس کی حیثیت وقف کی نہیں رہی بلکہ وہ حکومت کی ملکیت میں غاصبانہ طور پر منتقل ہوگئی ہے، اب اگر منجانب سرکار نیلام کے موقع پر

کوئی مسلمان اس زمین کو اپنے پیسہ سے خرید لیتا ہے تو وہ اس کا شرعی طور پر مالک ہو جائیگا، اور موقوفہ جائیداد کی حیثیت حکومت کے قبضہ کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۱، جدید زکریا ۵۱۰ رقم: ۸۸۴، امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

# ۲ باب الوقف علی الأولاد

## وقف علی الأ ولاد

**سوال** [۷۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کل جائیداد بہ تفصیل وقف نامہ واقع مرادآباد بتاریخ ۱۲/۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو وقف واسطہ پرورش وپرداخت اپنی اولاد و بھانجہ وبھتیجہ کے اوراس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسلاً ......کو وقف کردی اور اپنی ملکیت سے نکال کر خداوندحی قیوم کی ملکیت میں دیدی، زید نے وقف نامہ میں مزید تحریر کیا ہے کہ اگر خدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھتیجے و بھانجہ کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف نصف مستفید ہوتے رہیں، واقف کا لڑکا لاولد فوت ہوگیا بھانجہ کی نسل ہی نہیں ہے، بھانجہ ابھی حیات ہے اور وہ آدھی آمدنی طلب کرتا ہے وہ آمدنی کا حقدار ہے یانہیں، بھتیجہ کی نسل میں ایک لڑکی شاہین اختر شادی شدہ اورایک لڑکا پسر اکبر متولیٔ مذکور موجود ہیں ایسی صورت میں کیا لڑکی بھی آمدنی کی حقدار ہےاوراس کو کیا دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: واقف نے وقف نامہ میں بھانجہ اور بھتیجہ کو برابر کا حق دارقرار دیا ہے اس لیے بھانجہ نصف آمدنی کا حقدار ہے اوراس کی آدھی آمدنی طلب کرنا حق بجانب اوردرست ہے۔

**شرط الواقف کنص الشارع.** (الأشباہ والنظائر قدیم ص: ۱۷۰، جدید زکریا ص: ۳۰۰)

اورجب بھتیجہ کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے تو بھتیجہ کا حق (نصف آمدنی) دونوں اولاد کے درمیان برابر تقسیم ہوتا رہے گا اوراس میں لڑکا اورلڑکی دونوں کو برابر کا حق ملتا

رہے گا، لڑکے کو لڑکی سے زیادہ نہیں ملے گا، لہٰذا بھتیجہ کی لڑکی شاہین اختر کو اکبر حسین کے برابر کا حصہ ملتا رہے گا اور شاہین اختر کی موت کے بعد اس کی اولاد کو اس کا حصہ ملتا رہے گا۔

**رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثىٰ الخ.** (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد، زكريا ۲۲٤/۳، وعلى هامش الهندية زكريا ۳۱۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۹/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۲۶۲۹/۲۷) | ۱۴۱۲/۴/۹ھ |

# وقف علی الاولاد کی ایک صورت

**سوال** [۷۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مکانات وقف علی الاولاد ہیں جس میں ایک مکان میں متولی رہتا ہے اور دوسرے مکان میں صرف ایک کوٹھری اور ایک دیوار تھی وہ منہدم ہوگئی اب صرف اراضی ہے اور متولی کے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اس کو تعمیر کر سکے، اور جس مکان میں رہتا ہے اس کی بھی مرمت کرانا ضروری ہے، از شرع اس کو کیا کرنا چاہئے جس سے مکان مسکونہ متولی بھی منہدم ہونے سے برقرار رہے جواب سے مطلع فرمائیں۔

واقفہ نے اپنے بھائی کے پوتے عشرت علی کو متولی نامزد کر دیا تھا، یہ وصیت کر دی تھی کہ وقف کی آمدنی سے عشرت علی اپنی زندگی میں مستفید ہوتا رہے گا، اور عشرت علی کی اولاد مستفید ہوتی رہے گی، نیز تولیت کے بارے میں یہ شرط لگائی تھی کہ ہر متولی اپنے بعد کے لیے اپنی مرضی سے متولی نامزد کر دے ورنہ ہر متولی کی اولاد اکبر متولی ہوتا رہے گا، نیز وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بوقت وقف دونوں مکانات کا کرایہ اٹھارہ روپیہ رہا ہے، متولی ان میں سے دو روپیہ مسجد قلعہ والی کو ہر ماہ دیتا رہے گا، چاہے متولی اپنے جیب سے دیدے یا کرایہ کی آمدنی سے دیدے، ان حالات میں عشرت علی کا لڑکا یعقوب علی اب متولی ہے اور

اس کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ وقف کے مکانات کی تعمیر ومرمت کرا سکے، یا ترقی دے کر وقف کی آمدنی میں سے ہر حق دار کو حق پہنچا سکے، اور مسجد کو مسجد کا حق دے سکے اور عشرت علی کی اولاد میں سے اس وقت دولڑکے موجود ہیں اور اس وقت عشرت علی کے ان تمام اولاد کو وقف کا فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، ان حالات میں مذکورہ وقف کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** شرعی طور پر متولی پر لازم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وقف کی جائیداد کی ضائع ہونے سے حفاظت کرے، اور اگر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کی مرمت کرادیا کرے، اور اگر متولی خود وقف کی حفاظت ومرمت وغیرہ سے عاجز ہے تو اس پر لازم ہے کہ کسی باصلاحیت شخص کو تولیت کا ذمہ دار بنائے اور خود تولیت سے دستبردار ہوجائے ورنہ سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً خائن ثابت ہوگا، نیز اس وقت اگر مرمت کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے تو قابل رہائش مکان کو کرایہ پر دے کر اس آمدنی سے دوسرے مکان کی مرمت کرانا ضروری ہوگا، نیز اس میں فائدہ اٹھانے کا حق عشرت علی کی تمام اولاد کو برابر حاصل ہے، تنہا متولی حقدار نہیں ہے، نیز مسجد قلعہ والی کو کل اٹھارہ میں سے دو روپیہ کے تناسب سے آمدنی پہنچانا لازم ہے، ورنہ متولی سخت گنہگار ہوگا۔

**ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود و كذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به ويستوي فيه الذكر والأنثىٰ.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط المتولی، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٢٦، زکریا ٥/٣٧٨)

**ولو أبى أو عجز عمّر الحاكم بأجرتها يعني آجرها الحاكم من الموقوف عليه أو غيره وعمّرها بأجرتها ثم يردها بعد التعمير إلى من له السكنى الخ.** (البحر الرائق کوئٹه ٥/٢١٨، زکریا ٥/٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۵/۱۴۱۱ھ

# وقف علی الاولاد کا حکم

**سوال** [۷۶۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی کلن صاحب مرحوم نے اپنی حیات ۱۹۳۲ء میں ایک وقف نامہ علی الاولاد علی الخیر تحریر کیا اور انہوں نے اسی وقت اپنی تمام جائیداد کو اللہ جل شانہ کی ملکیت میں دیدیا اور اسی وقت سے خود جائیداد موقوفہ کے متولی ہو گئے اور وقف نامہ میں تحریر کر دیا کہ تاحیات میں خود متولی رہوں گا اور بعد میرے انتقال میری بیوی نمبر (۴) مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ ہوگی، مسماۃ چھوٹی کے انتقال کے بعد یا عقد ثانی کرنے کے بعد میری اولاد در اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن کا سلسلۂ تولیت جاری رہے گا جس میں سب سے پہلے میری اولاد ذکور اور اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد اناث متولی مقرر ہوگی اور جب میری اولاد ذکور اور اولاد اناث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو میری اولاد ذکور کی اولاد ذکور اور جب اولاد ذکور کی اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد اناث کا سلسلۂ تولیت جاری ہوگا اور ہر متولی وقف نامہ کی دفعہ ۵؍ کے مطابق وقف جائیداد کی آمدنی کو میرے وارثانِ شرعی کے درمیان بحصۂ شرعی تقسیم کرے گا۔

حاجی کلن صاحب نے چار شادیاں کیں جن میں پہلی بیوی سے بانو فاطمہ اور بسم اللہ پیدا ہوئیں، دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تیسری بیوی سے ایک لڑکی شاہجہاں پیدا ہوئی اس تیسری بیوی کے ساتھ ایک دختر نور جہاں جو اپنے پہلے شوہر سے پیدا تھی ساتھ میں آئی تھی، چوتھی بیوی سے غفران، ہاجرہ، صابرہ پیدا ہوئیں (ہاجرہ، صابرہ وقف نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوئیں) بانو اور شاہجہاں کا انتقال حاجی کلن صاحب کی حیات میں ہو گیا تھا، بانو نے اپنے انتقال پر ایک پسر عبدالسلام چھوڑا، (بانو کا انتقال وقف نامہ تحریر ہونے کے بعد ہوا) شاہجہاں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، اس کے بعد حاجی کلن صاحب کا انتقال ہوا اور بعد انتقال حاجی کلن صاحب کے ان کی چوتھی بیوی مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ بنی اس کے بعد مسماۃ چھوٹی کا انتقال ہو گیا، بعد انتقال مسماۃ چھوٹی کے فاطمہ بیگم وقف جائیداد کی

متولیہ مقرر ہوئی اوراب تک تولیت کا کام انجام دے رہی ہیں اس دوران مسماۃ بسم اللہ کا انتقال ہوگیا بوقت انتقال مسماۃ بسم اللہ نے مندرجہ ذیل وارثان چھوڑے، پسران: فاخر حسین،شاہد حسین،صابر حسین، ذاکر حسین،شاہد حسین،......دختران: بدرالنساء، خیرالنساء۔

اب ۲۷/ دسمبر ۱۹۸۸ء کوعبدالسلام پسر مسماۃ بانو کا انتقال ہوتا ہے اس نے صرف دو لڑکیاں زرینہ اورنفیسہ چھوڑیں۔

آج موجودہ وارثان شرعی حاجی کلن صاحب مرحوم ایک نظر میں اس طرح ہیں:

دختران حاجی کلن صاحب مرحوم: فاطمہ،نور جہاں،غفرانہ،ہاجرہ،صابرہ۔

نواسے: فاخر حسین،زاہد حسین،صابر حسین ،ذاکر حسین،شاہد حسین۔

نواسی: بدرالنساء، خیرالنساء۔

پرنواسی: زرینہ،نفیسہ

لہٰذا از روئے شرع مندرجہ بالا حاجی کلن صاحب مرحوم کے وارثان شرعی کو کتنے کتنے سہام ملنے چاہئیں، تفصیل سے وضاحت فرمائی جائے۔

نوٹ: وقف نامہ ۱۹۳۲ء کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حاضر خدمت ہے۔

المستفتی: صابرہ بیگم دختر حاجی کلن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف نامہ کی شرائط پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ منسوخ نہیں ہوگا بلکہ مرنے والے کا حصہ اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو جائے گا، لہٰذا جو حضرات وارث چھوڑ کر گذر گئے ہیں ان کے حصے ان کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو جائیں گے۔

الحاصل أن الواقف إذا وقف علی أولادہ وأولاد أولادہ وعلی أولاد أولاد أولادہ و علی ذریتہ ونسلہ و طبقة بعد طبقة و بطنا بعد بطن تحجب الطبقة العلیاء السفلیٰ علی أن من مات عن ولد انتقل نصیبہ إلی ولدہ (إلی قولہ) وترک ولدا و ولد ولد، أو اسفل من ذٰلک استحق ما کان یستحقہ أبوہ لوکان حیا الخ.

(الأشباه ديوبندی ص: ۲۱۸، جديد زكريا ص: ۳۷۴ مطبوعه كراچی ۱/ ۱۸۰)

**لو وقف على أولاد الظهور دون أولاد البطون فماتت مستحقة عن ولدين أبوهما أبوهما من أولاد الظهور هل ينتقل نصيبها لهما فأجبت نعم: ينتقل نصيبهما لهما لصدق كونهما من أولاد الظهور باعتبار والدهما المذكور.** (شامی، كتاب الوقف، قبيل فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر، زكريا ۶/۶۹۵، كراچی ۴/۴۶۷)

**وكل ولد يحدث له بعد هذا الوقف قبل حدوث الغلة وولد الولد أبدا ومن مات منهم قبل حدوث الغلة تسقط حصته و من مات بعد ذٰلک استحق سهمة ويكون ذٰلک لورثته والبطن الأعلى والبطن الأسفل في ذٰلک على السواء.** (فتاویٰ عالمگیری، زكريا قديم ۲/۳۷۶، جديد ۲/۳۶۱)

مذکورہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ بانو کی موت کے بعد بانو کا حصہ بانو کے لڑکے عبدالسلام کو ملے گا اس کے بعد عبدالسلام کی لڑکیوں کو ملے گا، اسی طرح بسم اللہ کی وفات کے بعد اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملا کرے گا، اور شاہجہاں چونکہ لاولد فوت ہوئی ہے اس لیے اس کا حصہ باپ کی طرف منتقل ہوکر باپ کے ورثہ کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۰۵)

## اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟

**سوال** [۷۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے دادا منشی جان محمد صاحب اور داری محترمہ بلقیس جہاں بیگم نے اپنی اولادوں کی سکونت اور آرام کے واسطے اپنی کچھ صحرائی اور سکنائی جائیدادیں وقف علی الاولاد کی تھیں، میرے دادا اور دادی کے بطن سے آٹھ بچے تھے جس میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تفصیل حسب ذیل ہے:

محمد سلطان، محمد عرفان، محمد نعمان، محمد فرقان، محمد ریحان، سردار جہاں، گوہر جہاں، کوثر جہاں، ان آٹھوں اولادوں کے لیے واسطے سکونت آٹھ مکان سب کو الگ الگ نمبر کے حساب سے اپنی حیات میں ہی تقسیم کر دیئے تھے، اور سب لوگ اپنے اپنے نمبر اور حصہ کے مکانوں کے بطور متولی قابض چلے آرہے ہیں، اس کی تفصیل وقف نامہ کی دفعہ ۷/ اور ۸/ میں درج ہے۔

(۲) میرے دادا نے وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے بطن کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ و نمبر کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر (بڑی اولاد) مقرر ہوگی اور ہمیشہ اولاد اکبر کو اولاد اصغر پر ترجیح دی جائیگی، اور یہ سلسلہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔

میری گذارش ہے کہ الحمد للہ میرے والد محمد عرفان صاحب باحیات ہیں ان کے پانچ بچے تین لڑکے اور دو لڑکیا ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں: مراد عرفان، شبلی عرفان، شمشاد عرفان، اور دو لڑکیاں: ناہید بیگم، حسیس بیگم، میرے والد کے بڑے لڑکے مراد عرفان کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ان کی اہلیہ موجود ہیں، میری ایک بہن حسیس بیگم کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ میرے والد الحمد للہ بقید حیات ہیں، میرے والد کے مکان کا ان کے بعد از روئے وقف نامہ کون متولی ہوگا، ہم دو بھائیوں میں سے یا بڑے بھائی جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کا لڑکا یعنی میرے والد کا پوتا، اس مکان موقوفہ میں کس کو سکونت رکھنے اور متولی کے حق کو انجام دینے کا حق حاصل ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ کے تینوں گوشوں پر غور کیا گیا اور وقف نامہ میں جو یہ شرط لگائی گئی ہے کہ واقف کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر مقرر ہوا کرے گی، اس شرط کے پیش نظر اور قانون شریعت کے پیش نظر اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر متولی کی موت کے وقت اس کی زندہ اولادوں میں سے جو ولد اکبر ہوگا وہی اگلا متولی ہوگا، اس لیے عرفان کی زندگی میں اس کا بڑا

لڑکا جوفوت ہوگیا ہے عرفان کی موت کے فوت شدہ لڑکے کی اولاد کی طرف تولیت منتقل نہ ہوگی، بلکہ عرفان کی موت کے وقت جو اولادیں زندہ رہیں گی اور ان زندہ اولادوں میں جو بڑا لڑکا ہوگا وہی اگلا متولی بنے گا۔

**وقف على ولده و أولادهم و نسلهم لايدخل ولد من كان أبوه مات قبل الوقف لكونه خصص أولاد الولد الموقوف عليه فخرج المتوفى قبله.**

(الأشباه قديم ص: ۲۱۳، جديد زكريا ص: ۳٦۸)

**وقف على أولاده و أولاد أولاده و ذريته على أن يبدأ بالبطن الأعلىٰ ثم و ثم، قلنا: لاشيئ للبطن الثاني مادام واحد من الأعلىٰ فلو مات واحد من البطن الثاني و ترك ولدا مع وجود الأعلىٰ ثم انقرض الأعلى فلا مشاركة له مع البطن الثاني لأنه من الثالث فإذا انقرض الثاني شارك الثالث.** (الأشباه قديم ص: ۲۱۳، جديد زكريا ص: ۳٦۸)

**وحاصل جواب السبكي أن ما اختص المتوفى وهو النصف مقسوم بين أولاده الثلاثة، ولاشيئ لولدي ابنه المتوفى في حياته ومن فات من الثلاثة عن غير نسل رد نصيبه إلى إخوته فيكون النصف بينهما.** (الأشباه قديم ص: ۲۱۲، جديد زكريا ص: ۳٦٦)

**لو وقف على ولده ...... لايدخل ولد ولده إن كان له ولد لصلبه فإن لم يكن له ولد لصلبه استحقه ولد الإبن، فإذا ولد للواقف ولد رجع من ولد الإبن.** (الأشباه قديم ص: ۱۱۹، جديد زكريا ۲۱۵)

**ومن مات من أهل الوقف قبل استحقاقه لشيئ من منافع الوقف وله ولد استحق ولده ماكان يستحقه المتوفىٰ لوكان حيا، لكن الأرجح اختصاص الأخ، ويرجحه أن التنصيص على الإخوة وعلى الباقين منهم كالخاص.** (الأشباه قديم ص: ۲۱۲، جديد زكريا ص: ۳٦۳-۳٦۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

# واقف کی شرط کی پابندی لازم ہے

**سوال** [۷۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درخواست ہذا کے ساتھ وقف نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے، براہ کرام مندرجہ ذیل مذکور حقائق کی روشنی میں از روئے شرع حق تولیت کس کو پہنچتا ہے، تحریر فرمائیں؟

(۱) مسماۃ بستی بیگم بنت شیخ امین الدین زوجہ مولوی بشیر الدین نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک قطعۂ مکان واقع محلّہ مغلپورہ اول مرادآباد، مؤرخہ ۹/۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وقف علی الاولاد معہ بیس روپیہ سالانہ مصرف خیر کے نام رجسٹری کرائی تھی۔

(۲) مسماۃ بستی بیگم مقرہ تاحیات اپنی موقوفہ کی متولیہ رہیں، اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

(۳) بعد واقفۂ وفات واقعہ مذکورہ ان کے تنہا پسر مسمیٰ حمید الدین وحقیقی نواسہ مسمی افتخار احمد از روئے شرائط وقف ۴/ یک ساتھ متولیٔ مکان موقوفہ ہوئے۔

(۴) پسر واقفہ مسمی حمید الدین کا دخل وقبضہ مکان موقوفہ پر تاحیات ان کی رہا اور وہ لاولد ۱۹۶۵ء میں فوت ہوئے بعدہٗ ان کی زوجہ مسماۃ نور جہاں بیگم مکان موقوفہ میں رہائش رکھتی تھیں اور ۱۹۶۸ء میں وہ بھی وفات پاگئیں۔

(۵) یہ کہ واقفہ کا نواسہ مسمی افتخار احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلا گیا تھا اور وہ بھی لاولد تھا باوجود اس کے کہ شرائط وقف ۵/ کے تحت اس کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے باضابطہ طور پر مکان موقوفہ کا متولی مقرر کردے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ بھی ۱۹۹۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

(۶) یہ کہ ایسی صورت حال میں سلسلۂ تولیت از روئے شرط ۸/ خاندانِ مقرہ کو منتقل ہوگئی۔

(۷) یہ کہ شجرۂ خاندان مقرہ بستی بیگم حسب ذیل ہے، سائل مسماۃ بستی بیگم کا سب بڑا پوتا ہے۔

نوٹ: مسماۃ بستی بیگم مجھ سائل کے والد کی حقیقی پھوپھی تھیں، یعنی سائل کی دادی ہوئیں، مجھ سائل کے دو حقیقی بھائی و سات چچیرے بھائی حیات ہیں اور سائل مسماۃ بستی بیگم واقفہ کے پوتوں میں سب سے اکبر ہے، مزید یہ کہ سائل کے مورث اعلیٰ اور مولوی بشیر الدین کے والد دو علاحدہ خاندن سے تعلق رکھتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر سائل کا سوال مبنی برصدق ہے تو موقوفہ جائیداد کے بارے میں فقہاء کرام نے ایک اصل اور ضابطۂ شرعی بیان کیا ہے وہ یہ کہ

**شرط الواقف کنص الشارع.** (الأشباہ والنظائر قدیم ص:۱۷۰، جدید زکریا ص: ۳۰۰)

یعنی شارع کی نص کے مشابہ واقف کی شرائط کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا واقفہ بستی بیگم مرحومہ نے اپنے وقف نامہ علی الاولاد میں جو دفعات وشرائط تحریر کیں ہیں ان میں دفعہ ۵/ سے اولاد اکبر کا متولی ہونا ثابت ہوتا ہے، دفعہ ٦/ سے واضح ہوتا ہے کہ افتخار احمد کو لاولد ہونے کی صورت میں چار علماء کرام حنفی المذہب کو متولی سمجھا جائیگا، ان سہ دفعات وشرائط کے مدنظر حسب سوال سائل اولاد اکبر واحد حسین عثمانی ہیں اور افتخار احمد مرحوم نے اپنی زندگی میں کسی کو متولی بھی مقرر نہیں کیا ہے، نیز سلسلۂ خاندانی مقرہ واقفہ میں واحد حسین عثمانی ہوتے ہیں، لہٰذا تولیت کا حق واحد عثمانی کو ہی ان کے سوالات اور واقفہ مقرہ کی دفعات وشرائط کی روشنی میں شرعاً ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| کتبہ: الطاف الرحمٰن بچھرایونی | الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ |
| --- | --- |
| ۳/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ | ۳/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ |
| مدرسہ حیات العلوم مرادآباد | (الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۳۲) |

# تولیت میں واقف کی شرائط کا حکم

**سوال** [۷٦۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں میرے دادا مرحوم چھوٹے ولد بادا اللہ شیخ روغن گر محلہ باڑہ شاہ صفا نزد دلال

مسجد مرادآباد نے ایک مکان جس میں چار کمرے اور چار دوکانیں ہیں محلہ کسرول جھبوا کا نالہ کے سامنے واقع بذریعہ وقف نامہ ۱۹/ جولائی ۱۹۳۲ء میں رجسٹری ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں کرائی اور اس کی رجسٹری سب رجسٹرار صاحب سے مرادآباد میں کرائی تھی، نمبر ایک جلد نمبر ۵۹۶/ کے صفحات نمبر ۲۳۱-۲۳۳ میں سلسلہ نمبر ۲۰۵۷ وقف نامہ علی الاولاد ونسل درنسل کردیا تھا، چھوٹے مشکور نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ میری ہی نسل میں سے متولی رہے گا، دیگر برادری کے یا دیگر قوم کا متولی نہ ہوگا، میری نسل ختم ہوجائے تو میرے رشتہ دار اور خاندان کا متولی ہوگا، میرے رشتہ داران کے بعد میری برادری کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کرلیے جائیں، میری برادری ختم ہوجائے تو ایسی صورت میں محلّہ کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کردیئے جائیں، میرے محلّہ والے متولی نہ بننا چاہیں تو ایسی شکل میں مدرسہ شاہی مسجد کو متولی بنایا جائے، اور باہتمام منتظم شاہی مدرسہ متولی مذہب اہل سنت والجماعت مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہوگا، غیر قوم یا مذہب کا کوئی متولی نہ ہوگا، اور جو متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کردیا ہے، کہ اس مکان میں میرے متولی سکونت کرتے رہیں گے، سکونت کے بعد اس مکان کی جتنی آمدنی ہوگی اس کے چار حصے کرکے ایک حصہ کارخیر میں خرچ ہوگا، ایک حصہ مکان کی مرمت میں خرچ ہوگا، دو حصے میری دختران اور نواسیوں کو دیتا رہے گا، نواسیوں کے بعد کسی اور آمدنی نہیں دی جائے گی وقف نامہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا متولی عبدالرحمٰن رہے گا، عبدالرحمٰن جس کو چاہے گا اس کو متولی مقرر کردے گا، بعد عبدالرحمٰن ذکور پسر اکبر اس کا متولی بنے گا، اسی طرح سے سلسلۂ نسل درنسل بطن دربطن چلتا رہے گا کسی غیر قوم کا متولی نہ ہوگا، وقف نامہ کی رو سے تحریر لکھی گئی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ چھوٹے مرحوم کی نسل حیات ہے، پوتے پڑپوتے حیات ہیں، وقف نامہ میں چھ نام درج ذیل ہیں:

(۱) نسل درنسل بطن دوبطن۔

(۲) رشتہ داران حیات ہیں۔

(۳) خاندان حیات ہے۔

(۴) میری برادری حیات ہے۔

(۵) محلّہ والے حیات ہیں۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد حیات ہے۔

اس لیے علماء دین ومفتیان کرام سے مؤبانہ التماس ہے کہ مسئلۂ ذیل کے بارے میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف نامہ اورسوالنامہ کو بار بار پڑھا گیا، وقف نامہ میں واقف کی طرف سے جو شرائط وقیودات لکھی جاتی ہیں ان کی رعایت اوران کی پابندی کرنا بعد والوں پر لازم ہو جاتی ہے اوروقف نامہ میں خاص طور پر دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی:

(۱) مذکورہ موقوفہ جائیداد کی آمدنی کا مصرف کیا ہوگا؟

(۲) جائیداد موقوفہ کا متولی کون ہوگا؟

ان دونوں باتوں میں سے آمدنی کے بارے میں وقف نامہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ چار حصہ کر کے ایک حصہ کارخیر میں خرچ ہوگا اور دوسرا حصہ مرمت وغیرہ میں خرچ ہوگا، اور دو حصے واقف کی دونوں لڑکیوں کو دیئے جائیں گے، اور وصولی کی رسید بھی حاصل کی جائیگی، اور دونوں لڑکیوں کی صلبی اولاد یعنی مرحوم کے نواسے اور نواسیوں کو دختران کے بعد ملا کریں گے، اور نواسے اور نواسیوں کے بعد نیچے کی اولاد کو نہیں دیا جائیگا، بلکہ یہ آمدنی مدرسہ شاہی کو ملا کرے گی، لہٰذا واقف کی اس شرط کی پابندی بعد والوں پر نہایت ضروری ہوگی، سوالنامہ میں سائل نے اس بات کو واضح نہیں کیا ہے کہ نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اگر نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا دختران زندہ ہیں تو آمدنی کے چار حصوں میں سے دو حصے ان کو ملتے رہیں گے، اور اگر نواسے اور نواسیاں موجود نہیں ہیں تو آمدنی کے چار حصہ کر کے دو حصہ مدرسہ شاہی میں پیش کر دینا لازم وواجب ہوگا، اب سائل خود دیکھ لے کہ دختران یا نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں، اور واقف نے دوسری شرط زیادہ اہمیت سے یہ لکھی ہے کہ تولیت کی ذمہ داری واقف کے بعد واقف کے چھوٹے بیٹے عبدالرحمٰن کو حاصل رہے گی، اور عبدالرحمٰن

کے بعد عبد الرحمٰن کی اولاد یا عبد اللہ کی اولاد میں سے جس کو عبد الرحمٰن باصلاحیت اور اہل سمجھے اس کو متولی بنائے گا، اور سوالنامہ میں سائل نے لکھا ہے کہ واقف کا پوتا زندہ ہے اگر واقف کا پوتا باصلاحیت امانتدار ہے اور وقف جائیداد کی آمدنی کو واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کریگا اور دیانتداری اور خوف خدا اس پر غالب ہے اور خاندان کے لوگ اس کو متولی بنانے میں مطمئن ہیں تو وہ متولی بن سکتا ہے، مگر خاندان کے اہم دیندار لوگوں کے مشورہ سے جیسا کہ وقف نامہ میں واقف نے اس طرح شرط لگائی ہے۔

**شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.** (در مختار مع الشامي، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچی ٤/٤٣٣، ٦/٦٤٩)

**لأن شرط الواقف معتبر فيراعىٰ كالنص وعليه الفتوىٰ.** (مجمع الأنهر قديم ١/٧٤٣، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱ھ

## وقف علی الاولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟

**سوال** [۷۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شیخ محمد عبد الہادی عرف محمد جان خلف منشی عبد الحکیم صاحب مرحوم قوم شیخ اپنے پیشہ زمینداری وٹھیکہ داری محلہ شیدھی سرائے مرادآباد اپنی تمام جائیداد ہائے صحرائی و سکنائی مندرجہ دستاویز ہذا فاتیسی مبلغ نو ہزار اٹھانوے روپیہ کچھ آنہ کا بذریعہ خریداری ونیز بذریعہ خود بلا شرک غیر کے مالک اور قابض ہوں، اور مذکورہ جائیداد اس وقت تمام قسم کے مؤاخذ ہائے شرعی وقانون سے پاک ہے، میں نے مندرجہ دستاویز کی بابت یہ تجویز کیا کہ میں ان تمام جائیدادوں کا اپنی حیات میں شریعت کے احکام کے مطابق ایسا انتظام کردوں جس

کی آمدنی سے میں اور میری زوجہ اور اولا دنسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن اور اگر میری کوئی اولاد پیدا نہ ہوتو میرے بھائی منشی عبدالباری صاحب مرحوم کی لڑکی نایاب بیگم اور اس کی اولاد اور اس کے شوہر کی پرورش و پرداخت ہوتی رہے، اور خیراتی امور بھی انجام پاتے رہیں، اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی نایاب بیگم کی نسل میں بھی کوئی اولاد مذکر موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد ہٰذا کی کل آمدنی خدا کی راہ میں خیراتی امور میں خرچ ہوئے تاکہ خوشنودیٔ خدا اور رسول ہو، مجھے اور میرے وارثین کو ثواب اخروی ملتا رہے، لہٰذا میں حسب ایکٹ نمبر ۱۹۱۳/۶ء آج کی تاریخ سے تمام جائیداد مذکورہ دستاویز ہٰذا کے تحت تمام متعلقات وتوابعات سے تمام حقوق داخلی وخارجی کے اور بغیر کسی استثناء کے حق آمدنی کو اپنی ذات اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد در اولاد نسلا بعد نسل کی پرورش و پرداخت کے واسطے اور نیز انجام دہی خیراتی امور کے واسطے جن کی تصریح ذیل میں ہے وقف کرتا ہوں، اور اپنے قبضہ اور ملکیت سے نکال کر اللہ کی ملکیت میں دیتا ہوں، اور آج کے بعد میں اور میرا کوئی وارث اس کا مالک نہیں رہا۔

شرائط ومقاصدِ وقف جن پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے گا۔

(۱) اپنی زندگی میں خود متولی رہوں گا، مجھ کو اپنے زمانۂ تولیت میں جائیداد موقوفہ میں تصرف کرنے اور ان کے متعلق ہر طرح کے انتظامات کرنے اور ان کی آمدنی اپنی مرضی سے اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کرنے اور خیراتی امور میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور کسی بھی شخص کو اس میں دخل اندازی کا حق نہ ہوگا۔

(۲) میرے بعد میری زوجہ اختری بیگم متولیہ ہوں گی اور ان کو میری طرح تمام جائیداد کو اپنے تصرف میں رکھنے کا اور ان کے متعلق ہر طرح انتظامات کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ جائیداد موقوفہ کہ آمدنی حسب ذیل طریقہ سے خرچ کریں:

(۳) اس کے بعد میں اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد از قسم اناث جائیداد ہائے موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی۔

(۴) اگر خدانخواستہ میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو یا میری زوجہ کی حیات میں کوئی اولاد

موجود نہ رہے تو متولیہ میری بھتیجی نایاب بیگم مقرر ہوگی۔

(۵) اور میری بھتیجی کے انتقال پر اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگی۔

(۶) اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی کی نسل میں کوئی اولاد ذکور موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد مذکورہ کا متولی مذہبی، دیانت دار، اہل سنت والجماعت میں سے کوئی شخص بحکم عدالت مجاز مقرر ہوگا، جو کمیٹی کی نگرانی میں جس کو عدالت مقرر کرے گی تولیت کی خدمت انجام دے گا، اور اب عبد الہادی کے اولاد ختم ہونے کے بعد واقف کی شرائط کے مطابق عبد الہادی کی اکلوتی بھتیجی نایاب بیگم کو متولیہ بنا دیا گیا تھا، ۸۷ء کو نایاب بیگم کا انتقال ہو گیا اور نایاب بیگم کی نسل میں کوئی اولاد ذکور وانا ث بھی باقی نہ رہی اور نہ اس کا شوہر البتہ عبد الحکیم کے بھائی اور عبد الہادی واقف کے تایا عبد الرحیم کی دوسری نسل میں عبد الساجد ولد عبد الاحد ولد عبد الرحیم موجود ہیں، ان کے علاوہ اس نسل میں بھی اب کوئی دیگر فرد حیات نہیں ہے، یعنی عبد الساجد کے علاوہ عبد الہادی کے کنبہ میں اب کوئی فرد موجود نہیں ہے تو ان حالات میں مذکورہ وقف نامہ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عبد الساجد ولد عبد الاحد، عبد الہادی کی جائیداد کا متولی از روئے شرع بن سکتا ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب واقف کی نسل ختم ہونے کے بعد نایاب بیگم کی نسل بھی ختم ہو چکی ہے تو واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد موقوفہ کا متولی اہل سنت والجماعت میں سے عدالت مجاز کے حکم سے کمیٹی کی نگرانی میں کوئی مذہبی دیانتدار شخص ہی ہو سکتا ہے، عبد الساجد ولد عبد الاحد محض خاندانی ہونے کی بنیاد پر مذکورہ جائیداد کا متولی شرعاً نہیں بن سکتا، کیونکہ واقف کی شرائط واغراض کی مخالفت جائز نہیں ہے، نیز واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد کی کل آمدنی دیانتدار اور متولی کی نگرانی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنی واجب ہوگی۔

**القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لاينفذ لقول العلماء شرط الواقف كنص الشارع.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰، جديد

زکریا ۳۰۰، شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا ۶/۶۴۹، کراچی ۴/۴۳۳)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة الخ.** (شامی کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)　فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۷۰)

## وقف علی الاولاد میں واقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا

**سوال** [۷۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منیراً بنت نجابت علی مرحوم نے اپنی ایک آراضی ۱۸۹۰ء میں وقف علی الاولاد کیا اور کچھ حصۂ آمدنی قبرستان اور مسجد وغیرہ کے لیے وقف کیا، اور وقف نامہ میں بصراحت لکھا کہ اس آراضی کا متولی میرے خاندان کا لائق آدمی رہے گا، اور ۱۸۹۰ء سے خاندان سے ہی متولی ہوتے رہے اب ایک شخص گلزار عابد خاں ولد ابّن خاں ساکن شیدی سرائے مرادآباد نے عدالت میں یہ دکھا کر کہ منیراً کے خاندان میں کوئی زندہ نہیں ہے اس آراضی کا ۱۹۹۰ء میں متولی بن گیا جبکہ منیراً کے خاندان میں نرینہ اولاد پڑپوتے سلیمان، محبوب حسین، سلطان حسین وغیرہ موجود ہیں، تو گلزار حسین کا متولی بننا ازروئے شرع جائز ہے یا حسب تحریر وقف نامہ ناجائز ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟ کرم ہوگا۔

المستفتی: محبوب حسین ولد علی حسین گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ صورت میں منیراً بنت علی مرحوم کا وقف علی المقابر اور اس کی ولایت اپنی اولاد کے حق میں کرنا جائز ہے اور جب تک واقف کی لائق اولاد موجود رہے گی دوسرا کوئی بھی شخص اس آراضیٔ موقوفہ کا متولی نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا مسئولہ

صورت میں گلزار عابد خان کا متولی بننے کی کوشش کرنا شرعاً نا جائز ہے، وہ متولی نہیں ہوسکتا ہے۔

**شرط الواقف كنص الشارع.** (شامی، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی ديو بند ص: ٨٥)

**ومراعات غرض الواقفين واجبة.** (شامی زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

**ولو جعل الولاية لأفضل أولاده وكانوا في الفضل سواء تكون لأكبرهم سنا ذكرا كان أو انثىٰ ولو لم يكن فيهم أحد أهلا لها فالقاضي يقيم أجنبيا إلى أن يصير أحد منهم أهلا لها فترد إليه.** (هندية، الباب الخامس في ولاية الوقف زكريا قديم ٢/٤١١، جديد ٢/٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۸ھ

## وقف علی الاولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں رہائش اختیار کرنے کا حق کس کو ہے؟

**سوال** [۷۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فیاض حسین ولد محمد بخش ومسماۃ عزیزن زوجہ فیاض حسین کا ایک مکان پختہ واقع محلّہ تمبا کو والان مراد آباد میں ہے، فیاض حسین کی کوئی اولاد نہیں ہے، عزیزن نے اپنے بھائی منشی عظیم الدین کے لڑکے جناب عین الدین عرف مونے میاں کو گود لے کر اپنی اولاد کی طرح پرورش کی اور شادی بھی کی، مکان کو ہر طرح کے ضرر وشرر سے محفوظ رکھا، بلا اکراہ و اجبار برائے راحت ورہائش اپنے واپنے پسر متبنیٰ مذکور، برائے حصول ثواب اخروی وقف علی الاولاد ۱۴؍۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو تحریر لکھ کر رجسٹری آفس میں رجسٹری کرادی، اس تحریر میں فریق اول فیاض حسین تا حیات متولی رہیں گے، اور ان کو تا حیات سکونت واختیارات کرائے پر دینے کے ہر طرح کے حاصل ہوں گے، کوئی شخص حساب لینے یا کسی طور پر دخل دینے کا مجاز نہ ہوگا، فریق اول کے بعد ان کے پسر عین الدین عرف مونے میاں کو متولی ہونے کا حق حاصل

ہوگا، اور جو اختیارات فریق اول کو حاصل ہوں گے وہ اختیارات عین الدین عرف مونے میاں کو حاصل ہوں گے، عین الدین عرف مونے میاں کے بعد ان کی اولاد ذکور میں جو شخص قابل تولیت بموجب تولیت نامہ ہوگا وہ متولی نسل در نسل بدلتا رہے گا، اور ہر متولی کو اپنی حیات میں متولی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

عین الدین عرف چھوٹے میاں نے دو شادیاں کی، پہلی بیوی کا انتقال ۱۹۴۶ء کو ہوا، اس وقت یہ تحریر نہیں لکھی گئی تھی ان سے ایک لڑکا اظہر الدین ولد عین الدین عرف مونے میاں و ایک لڑکی فریدہ خاتون تھی شادی کے بعد اظہر الدین مکان کے بالائی منزل میں رہتے ہیں، عین الدین عرف مونے میاں نے ۱۹۴۷ء میں نسیمہ خاتون سے دوسری شادی کی ان سے چار لڑکے (۱) ضیاء الدین (۲) صغیر الدین (۳) نوید الدین (۴) عبید الدین۔

چھ لڑکیا: نوشاد جہاں، انور جہاں، کوثر جہاں، منور جہا، ثروت جہاں، کشور جہاں (یہ طلاق شدہ ہیں) اور ضیاء الدین اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔

عین الدین کا انتقال ۱۹۷۵ء کو ہوا اور تمام ذمہ داریاں عین الدین کے پسر ضیاء الدین نے سنبھالیں والد کا کاروبار سب بہنوں کی شادیاں، بھائیوں کی شادی، پڑھائی تمام اخراجات کی ذمہ داری آج تک انہوں نے ہی سنبھال رکھی ہے، ۱۹۷۵ء میں والد کے انتقال کے بعد سب نے مل کر والد کے مال و متاع میں بٹوارہ کر کے اپنے اپنے حصے لے لیے، ۱۹۸۳ء میں اظہر الدین ولد عین الدین کا انتقال ہوگیا، ان سے دو لڑکے مظہر الدین، اظہر الدین اور تین لڑکیا: غزالہ پروین، سیما پروین، فوزیہ پروین ہیں، اس تفصیل کے بعد درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) دین و شریعت اور وقف نامہ کی روشنی میں اس وقت وقف ہذا کا متولی کس شخص کو ہونا چاہیے؟

(۲) خاندان بڑا ہے مکان چھوٹا ہے اس وجہ سے کیا مکان کو تقسیم کیا جاسکتا ہے تاکہ اپنا اپنا حصہ بنوا کر رہا جاسکے؟

(۳) کیا متولی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو مکان میں رہنے سے منع کرے اور خالی کرنے

کے لیے کہے؟

(۴) اگر مکان تقسیم کیا جائے تو اس کو کس طرح سے کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) عین الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کا بیٹا اظہر الدین وقف نامہ کی شرائط کے مطابق متولی رہا اور اب اظہر الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کے لڑکوں میں جو زیادہ دیانت دار متبع شریعت ہوگا اس کو تولیت کا حق پہنچے گا۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

**شرط الواقف كنص الشارع.** (شامی، زکریا ٦٤٩/٢، کراچی ٤٣٣/٤)

(۲) مکان جب چھوٹا ہے اور خاندان بڑا ہے تو اس مکان کے اوپر منزلہ بنا کر کے الگ الگ رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے مگر اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ٣٨٧/١، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٥)

**إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه.** (هدايه، اشرفی دیوبند ٢/ ٦٤٠، هنديه، زكريا قديم ٢/ ٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦)

(۳) جب مکان واقف کی اولاد کے علاوہ کسی اور کے پاس کرایہ پر نہیں ہے بلکہ صرف واقف کی اولاد ہی اس مکان میں رہتی ہے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ واقف کی اولاد میں سے کسی

کو رکھے اور کسی کو رہنے سے منع کردے، بلکہ اس مکان سے فائدہ اٹھانے کا سبھی کو حق ہے۔

(۴) اس کا جواب نمبر۲ رمیں آ گیا ہے۔

**نعم لأن للناظر التصرف فی الوقف بما فیه الحفظ والمصلحة وحیث عرض المتولی المشروط له.** (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف الباب الثالث فی أحکام النظائر ۱/ ۲۲۱، مکتبه میمنیه مصر بحواله فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ۱۴/ ۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۶)

## وقف علی الاولا د جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا

**سوال** [۷۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شارق شکیل کو ایک قطعہ مکان اور باغ دو کانیں وراثت میں ملیں یہ مکان میری دادی کو ان کے والد کی وراثت میں ملا تھا، جس کو میرے والد مرحوم نے تعمیر کر دیا تھا، اس مکان کو حافظ مہربان علی صاحب (میری دادی کے والد) نے تقریباً ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد کر دیا تھا، ان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا جس کی وجہ سے اس وقف نامہ کو اس وقت کے عالموں کو دکھایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وقف نامکمل ہے اس وقت مجلس میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بتایا کہ:

(۱) اس وقف میں فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس وقف کی آمدنی کو صرف واقف کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اور انوار النساء کی پرورش اور شادی وغیرہ میں صرف کرنے کو لکھا ہے، جو کہ ان کی حیات میں ہی پوری ہوگئی۔

(۲) وقف میں علی الخیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی وقف کی آمدنی کا کوئی حصہ اللہ کی راہ میں صرف کرنا لکھا ہے یہ وقف صرف اپنی اولادوں تک محدود ہے علی الخیر کا اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، لہٰذا اس وقف کو ختم کر کے سبھی وارثانِ مہربان علی جن میں ان کا ایک بیٹا چار بیٹیاں ایک پوتا ایک پوتی حیات تھے، ان سب لوگوں کی موجودگی میں مہربان علی کی وراثت کا حصہ بنالیا گیا۔

(۳) وراثت کی تقسیم میں مذکورہ مکان کا آدھا حصہ اور ایک دوکان میری دادی کے حصہ میں آئی اور آدھا مکان اور ایک دوکان دادی کی بہن کے حصہ میں آئی، ایک دوکان مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی، دو دروازوں والی دوکان ایک پوتا امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں کے حصہ میں آئی۔

(۴) اس تقسیم کے بعد میرے والد اور دادا نے مکان پر قابض کرایہ داروں کو روپیہ دے کر مکان خالی کرایا، اور میرے والد نے اس مکان کو تعمیر کرائی، میری دادی کی بہن کے حصہ کو بھی میرے والد نے روپیہ دے کر خرید لیا دو دروازوں والی ایک دوکان میرے دادا نے مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور روشن جہاں سے خرید لیا جس کی رجسٹری موجود ہے، ایک دوکان جو مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی تھی اسے بھی روپیہ ادا کر کے خرید لیا، یہ ساری تقسیم علماء اور خاندان کے بزرگ حضرات اور وارثان مہربان علی کی موجودگی اور سہمتی سے ہوئی جس کے کچھ گواہان آج بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اس جائیداد کے مسئلہ میں آپ کی رائے جاننے کا خواہشمند ہے:

(۱) کیا جس وجہ سے میری معلومات کے مطابق اس وقف کو ختم کر کے وارثت میں تقسیم کیا گیا ہے صحیح ہے یا اس وقف کو ختم کرنے کی دیگر وجوہ بھی ہیں؟

(۲) جن لوگوں کو اس وقف میں متولی بنایا تھا انہوں نے علماء کی موجودگی میں اس وقف کو ختم کر کے وراثت میں تبدیل کرلیا، اور اپنے حصہ کی جائیداد کو فروخت کر دیا تو کیا یہ وقف پھر بن سکتا ہے؟

(۳) کیا یہ وقف دوبارہ سے قائم ہوسکتا ہے تو ہماری کیا حیثیت رہے گی؟

(۴) کیا اس وقف علی الاولاد کو ختم کر کے وراثت میں شامل کیا گیا تو یہ تقسیم وراثت صحیح ہوئی؟

(۵) کیا میری دادی اور ان کی بہن کو وراثت میں صحیح حق مل گیا؟

مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اس وقف کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ وقف ختم کرنے اور وراثت تقسیم کرنے میں وہ پیش پیش تھے اور وہ وراثت

کے ذریعہ ملی دوکانوں کو میرے دادا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں؟

المستفتی: شارق شکیل رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف کی تین قسمیں ہیں: (۱) وقف علی اللہ جیسا کہ مساجد مقابر وغیرہ کا وقف ہوتا ہے، اسی طرح مدارس کا وقف (۲) وقف علی الفقراء: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی جائیداد کی آمدنی کو فقراء پر خرچ کرنے کے لیے وقف کیا جائے اور فقراء و مساکین پر خرچ کا سلسلہ جاری رہے (۳) وقف علی الاولاد: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مالک جائیداد کو یہ خطرہ ہے کہ اس کے بعد اولاد جائیداد کو خرد برد کر کے ختم کر دے گی اس سے بچنے کے لیے اس طریقہ سے وقف کیا جاتا ہے کہ جائیداد کو فروخت کرنا، ہبہ کرنا وغیرہ جائز نہیں ہوگا، اور کسی شخص کو مالک بنانا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ اولاد ان جائیداد میں رہائش اختیار کر کے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا جائیداد کو کرایہ وغیرہ پر دے کر اس کی آمدنی اولاد کے درمیان ان کے تناسب کے حساب سے تقسیم ہوتی رہے گی، اس طرح سے وقف کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، اور وقف علی الاولاد کے لیے وقف علی الخیر اور فی سبیل اللہ وغیرہ کی قید لگانا مشروط نہیں ہے، لہٰذا مورث اعلیٰ جس نے وقف علی الاولاد کیا تھا وہ وقف اپنی جگہ درست تھا، اور بعد میں اسے میراث بنا کر تقسیم کرنا درست نہیں تھا، اور اس کے بعد جس طریقہ سے کسی سے کسی نے خریدا کسی نے کسی کو فروخت کیا کسی کو دوسرے سے وراثت میں ملا یہ سب چیزیں اس ایک غلطی پر موقوف ہیں جس میں وقف کو ختم کر کے میراث بنالیا گیا ہے، اب اس الجھاؤ کو کس طریقہ سے ختم کیا جائے وہ خود اصحاب معاملات جانیں۔

**عبارة المواهب في الوقف على نفسه وولده و نسبه و عقبه جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم و ثم جاز عند الثاني وبه يفتي.** (شامی، کتاب الوقف، فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر، کراچی ٤/٤٦٧، زکریا ٦/٦٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۶ھ

# وقف علی الاولاد کی جائیداد کی تقسیم

**سوال** [۷۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نواب ساجد خاں کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں پانچ لڑکے، پانچ لڑکیاں ہیں، ترکہ میں وقف علی الاولاد دادا الٰہی جائیداد ہے اس میں کس وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟

المستفتی: محمد اویس، میاں سرائے سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو جائیدادیں وقف علی الاولاد کی گئی ہیں، ان کو فروخت کرنا جائز نہیں، صرف ان کی آمدنی وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم ہوا کرے گی، اگر وقف نامہ میں آمدنی تقسیم ہونے کے بارے میں کوئی شرط اور تفصیل نہیں لکھی ہے، بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ میری اولاد کے درمیان اس کی آمدنی تقسیم ہوا کرے گی، تو ایسی صورت میں اولاد ذکور وا ناث سب کو برابر آمدنی کا حصہ ملتا رہے گا، اور سوالنامہ میں درج ہے کہ پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں موجود ہیں، لہٰذا مذکورہ جائیداد کی آمدنی دس حصوں میں تقسیم ہو کر ہر لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ملا کرے گا۔

**رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثىٰ لأن إسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة فى الذكر والأنثىٰ.** (قاضيخان فى هامش الهندية ۳/ ۳۱۹)

**وصحح قاضيخان دخول البنات فيما إذا وقف على أولاده و أولاد أولاده وهو المعمول به الآن، ولا يفضل الذكر على الأنثىٰ فى القسمة بينهم.** (مجمع الأنهر قديم ۱/ ۷۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۸۶)

# وقف علی الاولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ

**سوال** [۷۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدوی کے والد کو انتقال ہوئے قریب پانچ سال کا عرصہ ہوا ہے، ان کے پسماندہ گان میں فدوی کی والدہ تین بہنیں اور فدوی خود موجود تھے، ایک سال قبل ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے، والد کے انتقال کے وقت والد کا ایک اوقافی پلاٹ ۴۰×۳۵ نزول پر حاصل کیا ہوا تھا، جس پر والد صاحب اپنے اخراجات سے ایک کمرہ ۱۰×۸ تعمیر کروا کر رہ رہے تھے، پھر فدوی اس پلاٹ کے مابقیہ حصہ پر اپنے اخراجات سے اس تعمیر میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے ہوئے قابل رہائش شکل دی، کل تعمیر اینٹ مٹی اور ٹین پوش پر مشتمل ہے، اس پلاٹ اور جملہ مکان کے جملہ ٹیکس واجبات فدوی اپنے ذاتی اخراجات سے ادا کرتا آرہا ہے، مرحومہ بہن اور ان کی اولاد عرصۂ دراز سے اس مکان میں رہتے آرہے ہیں، چونکہ وہ مطلقہ تھیں، مرحومہ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی جو بالغ ہیں موجود ہیں، والد کی اس میراث سے ایک بہن اپنا حصہ طلب کر رہی ہے، میراث کی تقسیم بموجب شرع تفصیلاً عرض کردیں؟

المستفتی: محمد معروف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث مرحوم کی جائیداد وترکہ بوقت وفات موجود ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا، نیز یاد رکھئے کہ اوقافی نزول کی زمین پر صرف حق رہائش حاصل ہوتا ہے، فروختگی کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

$\frac{۴۰}{۸}$

مرحوم میــــــــــــــــــــت

| بیوی | لڑکا | لڑکی | | لڑکی | لڑکی |
|---|---|---|---|---|---|
| $\frac{۱}{۵}$ | ۱۴ | ۷ | ۷ | ۷ | ۷ |

مذکورہ مکان اور دیگر ترکہ ۴۰/سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۵/اور لڑکے کو ۱۴/ اور لڑکیوں کو ۷/۷/ملیں گے، اور مرحومہ لڑکی چونکہ باپ کی وفات کے وقت زندہ تھی اس لیے باپ کی وارثہ ہوجائے گی، اور اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، اور بعد میں لڑکے نے جو کچھ ذاتی پیسہ سے تعمیر کی وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا، کیونکہ خرچ کرتے وقت دیگر ورثاء سے اس کی اجازت نہیں لی ہے، ہاں البتہ دیگر ورثاء بخوشی اس خرچہ کو مجریٰ کرانے پر راضی ہوجائیں،تو کیا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۲۲/۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ

## وقف علی الاولاد میں مذکر ومؤنث سب شامل ہوتے ہیں

**سوال** [۷۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے ترکہ میں کافی جائیداد چھوڑی اور جائیداد کی آمدنی بھی چھوڑی، لیکن زید نے اپنی وفات سے پہلے ایک وقف نامہ وقف علی الاولاد لکھا اس میں کہیں مذکر ومؤنث کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ زید کی کوئی لڑکی نہیں تھی ،صرف تین لڑکے تھے، لیکن آگے چل کر زید کے لڑکوں کے لڑکیاں بھی ہوئیں، اب زید کے پوتے موجود ہیں اور وہ زید کی جائیداد پر قابض ہیں تو کیا ان پوتیوں کو اس جائیداد میں سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اولاد ذکور واناث سب وقف میں حقدار رہوں گے،اور مذکورہ صورت میں جب مذکر ومؤنث کا ذکر نہیں ہے اور وقف علی الاولاد ہے تو اس میں پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی شریک ہوجائیں گی اور آمدنی میں سے میراث کے طریقہ سے ”**للذکر مثل حظ الانثیین**“یعنی لڑکے کو لڑکی کا ڈبل ملے گا۔

**وبيان ذلك أن عبد القادر لما توفى انتقل نصيبه إلى أولاده الثلاثة وهم علي و عمر و لطيفة، "للذكر مثل حظ الانثيين" فلعلي خمساه ولعمر خمساه وللطيفة خمسه وهذا هو الظاهر عندنا.** (الأشباه قديم ص: ٢٠٦، جديد زكريا ص: ٣٥٧)

**رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوى فيه الذكور والأنثىٰ.** (قاضيخان كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد زكريا جديد ٣/ ٢٢٤، وعلى هامش الهندية زكريا قديم ٣/ ٣١٩، هنديه، قديم ٢/ ٣٧٣، جديد ٢/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۱ھ

# وقف علی الاولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟

**سوال** [۷۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب حاجی کلن نے اپنی دو جائیدادوں (ایک مکان مسکونہ واقع محلہ گل شہید پختہ باغ، ایک دوکان کاروبار کپڑا، بازار منڈی چوک مرادآباد) کی بابت ایک وقف نامہ ۱۹۳۲ء میں علی الاولاد وعلی الخیر کیا تھا اس کے بعد تین مکانات حاجی کلن نے اور خریدے اور سال ۱۹۳۵ء میں پہلے وقف نامہ کا ذکر وترمیم کرتے ہوئے دوسرا وقف نامہ علی الاولاد وعلی الخیر کر دیا، وقف نامہ میں واقف نے اپنی دختر مسماۃ بانو کو بھی تحریر کیا تھا مگر حکم خداوندی کہ بانو کا واقف کی حیات میں ہی ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنا ایک پسر عبد السلام چھوڑا، دونوں وقف ناموں کی نقول سوال کے ساتھ ہمرشتہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں حاجی کلن (واقف) نے اپنے انتقال پر مسماۃ چھوٹی بیوہ اور پانچ لڑکیاں: فاطمہ، غفورن، ہاجرہ، صابرہ، بسم اللہ، (ایک لڑکی نور جہاں بھی جو مسماۃ چھوٹی اپنے ساتھ لائی تھی) اور ایک نواسہ عبد السلام کو وارث چھوڑا۔

۱۹۵۵ء میں چھوٹی بیوہ کا انتقال ہوگیا اس نے اپنے انتقال پر اپنے بطن کی چار لڑکیوں کو: غفورن، ہاجرہ، صابرہ، نورجہاں (جو پہلے شوہر سے ساتھ لائی تھی) اور اپنے سوکن کے بطن کی دولڑکیاں فاطمہ اور بسم اللہ کو وارث چھوڑا۔

۱۹۶۶ء میں بسم اللہ نے اپنے انتقال پر شوہر حامد حسین، چار لڑکے فاخر حسین، زاہد حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دولڑکیاں: بدرالنساء، خیرالنساء کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۸ء میں عبد السلام نے اپنے انتقال پر دولڑکیاں زرینہ خاتون ونفیسہ خاتون کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۹ء میں مسماۃ فاطمہ کا لاولد انتقال ہوگیا، ورثاء میں تین حقیقی بہنیں، غفورن، فاخرہ، صابرہ، سوتیلی بہن نورجہاں، پانچ بھانجے: فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دوبھانجیاں: بدرالنساء، خیرالنساء، دوپوتیاں: زرینہ خاتون، نفیسہ خاتون دختران عبدالسلام ان کی وارث ہوئیں، ۱۹۹۳ء میں زاہد حسین نے اپنے انتقال پر چار لڑکے: افتخار حسین، اسرار حسین، شہزاد انور، جاوید انور، ۶ رلڑکیاں: زاہدہ یاسین، عابدہ بیگم، ممتاز جہاں، پروین جہاں، عشرت جہاں، مشرف جہاں، وارثان چھوڑے۔

۱۹۹۵ء میں مسماۃ صابرہ نے اپنے انتقال پر شوہر عبدالرحمٰن تین لڑکے اقبال انور، کمال انور، جلال انور، تین لڑکیاں: شہناز انور، نشاط انور، نگار انور وارث چھوڑے۔

نوٹ: بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبدالرحمٰن واقف کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور یہ وقف علی الاولاد ہے تو وقف میں کون کون حصہ دار ہوگا اور کتنا کتنا حصہ ملے گا اور کون کون محروم رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسماۃ چھوٹی چونکہ اولاد کے دائرے میں داخل نہیں ہے اس لیے اس سے سلسلہ جاری نہ ہوگا بلکہ وصیت واقف کی وجہ سے چھوٹی صرف اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاسکتی تھی، اس کے بعد اس کی اولاد یا ورثاء میں آمدنیٔ وقف کا حق جاری نہ

ہوگا، بلکہ صرف حاجی کلن ہی کی اولاد میں سلسلہ جاری رہے گا، نیز بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبدالرحمٰن بھی واقف کی اولاد میں داخل نہیں ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی بسم اللہ اور صابرہ کے توسط سے مذکورہ وقف کی آمدنی میں حصہ دار نہیں ہوں گے، جن کا حق ۸/صفر ۱۴۱۴ھ کے لکھے ہوئے فتوے میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

## اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی

**سوال** [۷۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش و قادر النساء نے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دیا اور تولیت کے حقوق پیارے جان کو دیدئے پھر پیارے جان اس جائیداد کے متولی رہے، دفعہ ۳/ میں لکھا ہے کہ پیارے جان متولی کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی، اور جب تک پیارے جان کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا ہر متولی کے بعد پیارے جان کی نسل اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہوں تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر رہا کرے گی، اور اس متولی پر لازم ہوگا کہ مثل پیارے جان کے جائیداد موقوفہ کی آمدنی............الخ

اس دفعہ کی روشنی میں بتلائیے کہ پیارے جان کی ایک ہی لڑکی فضیل النساء تھی جو کہ پیارے صاحب کی حیات میں انتقال کر گئی تھی، اس کی اولادوں میں دو لڑکے: بڑا لڑکا ثروت حسین اور شوکت حسین ہیں، تو پیارے جان کے انتقال کے بعد دفعہ ۳/ کی رو سے بڑا لڑکا ثروت حسین متولی ہوگا یا نہیں؟

**المستفتی**: ثروت حسین محلہ مغل پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: چونکہ مذکورہ وقف نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر متولی

کی اولاد ذکور موجود نہ ہو تو اولادِ اناث کو تولیت ملے گی، لہٰذا مسئولہ صورت میں واقعتاً اگر متولی کی اولاد ذکور موجود نہیں ہے تو اولادِ اناث یعنی نواسے کو متولی بنایا جا سکتا ہے، اور حسب شرائط واقف متولی کی لڑکی کا بڑا لڑکا اس کا متولی بننے کا مستحق ہوگا۔

**شرط الواقف کنص الشارع، وفی الشامیة: أی فی المفهوم: والدلالة ووجوب العمل به.** (الدر المختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩، قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قدیم ص:١٧٠، جدید زکریا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۷۷)

# وقف علی الاولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ

**سوال** [۷۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اکبر حسین ولد عبد الحکیم نے کچھ جائیداد موقوفہ سے متعلق مدرسہ شاہی سے مفتی ریاض الدین صاحب پھر مفتی شبیر احمد صاحب پھر مفتی سلمان صاحب سے مختلف اوقات میں فتاویٰ حاصل کیے، اور ان ہی جائیداد سے متعلق جامعہ نعیمیہ اور مظاہر علوم سہارنپور سے اور مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی سے جوابات حاصل کیے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ مفتیان کرام کے جوابات کا الگ الگ حکم ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ جائیدادِ موقوفہ کے تمام وقف نامے، تولیت نامے، اور مفتیان کرام کی طرف سے لکھے ہوئے تمام جوابات پر غور فرما کر صحیح رہنمائی، شریعت کی روشنی میں پیش فرمائیں تاکہ الگ الگ فتویٰ کا حکم بھی معلوم ہو جائے، اور ہم شریعت کے مطابق عمل بھی کر سکیں، تمام کاغذات سوال کے ساتھ ہم رشتہ ہیں۔

**المستفتی:** اکبر حسین ولد عبد الحکیم، ساکن محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سائل کے پیش کردہ تمام کاغذات جن میں وقف نامہ اور تبدیل تولیت نامہ اور بعد کے خرید کردہ جائیداد کے وقف کی شرائط اور مختلف دارالافتاء سے حاصل کردہ تمام جوابات بغور دیکھے گئے، سائل کے مختلف سوالات میں تولیت نامہ اور وقف نامہ میں خلط ملط بھی ہے، اب تمام کاغذات کی روشنی میں جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ واقف نے ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کے بارے میں وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس میں واقف نے خود شرط نمبر آٹھ میں لکھا ہے کہ میں اس وقف کو کسی وقت مسترد ومنسوخ نہ کرسکوں گا، لہٰذا یہ وقف علی الاولاد ہمیشہ وقف علی الاولاد ہی رہے گا، لہٰذا جن جائیداد کے بارے میں ۱۹۴۴ء میں وقف علی الاولاد کردیا تھا ان کو نہ وقف علی اللہ میں تبدیلی کرنا جائز ہوگا اور نہ وقف علی الفقراء میں تبدیل کرنا جائز ہوگا، اور نہ ہی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اس وقف علی الاولاد کی آمدنی میں سے جس طرح جتنا اکبر حسین کو ملے گا اتنا ہی اکبر حسین کی بہن شاہین اختر کو ملے گا، لیکن شاہین اختر کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور یہی بات مدرسہ شاہی سے حاصل شدہ فتویٰ ۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ اور ۹ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کا حاصل ہے، اور ۲۶ر ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے لکھے ہوئے فتوے کا حاصل بھی یہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں واقف نے دو کام کیے: ایک کام تو یہ کیا کہ اپنے بہنوئی ننھے ولد علی بخش کے ضعیف العمری کی وجہ سے اپنے بھتیجے عبدالحکیم کو نامزد کردیا اور یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ محض تولیت کی تبدیلی کی وجہ سے نفس وقف اور شرائط وقف اور وقف علی الاولاد کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اس لیے آمدنی کے مصارف اپنی جگہ بدستور باقی رہیں گے، اور مصارف میں تبدیلی جائز نہ ہوگی، اور تولیت میں تبدیلی جائز ہے، یہی مظاہر علوم سہارنپور کے فتوے کا حاصل بھی ہے، دوسرا کام ۱۹۵۷ء میں واقف نے یہ کیا ہے کہ اس نے کچھ نئی جائیداد خریدی ہے اور ان نئی جائیدادوں کے بارے میں وقف علی الاولاد کی کوئی صراحت نہیں ہے بلکہ ان کا متولی عبدالحکیم کو بنانے کا ذکر ہے، اور عبدالحکیم کے بعد اس کے اولاد ذکور میں سے پسر اکبر کے متولی بنتے رہنے کا

ذکر ہے، اور اولاد کے درمیان اس کی آمدنی کے تقسیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ مرمت اور دیگر کارِ خیر میں خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کے اپنے صرفہ میں لانے کا ذکر ہے، اس لیے بعد کے خرید کردہ جائیداد میں سے شاہین اختر اور اس کی اولاد کو نہیں ملے گا، بلکہ ضروری اخراجات کے بعد بقیہ پیسہ متولی اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے، اور نہ ہی ان جائیداد کا متولی شاہین اختر ہوسکتی ہے، اور سائل نے ۱۴۰۵ھ میں مفتی ریاض الدین صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مدرسہ شاہی سے جو جواب حاصل کیا ہے وہ جواب اور پھر ۱۹۸۵ء میں جامعہ نعیمیہ سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۰۹ھ ۵/ ربیع الثانی کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب، ان تمام جوابات کا تعلق بعد کے خرید کردہ جائیداد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ان جوابات کے سوال میں سائل نے جو لکھا ہے وہ بعد کے خرید کردہ جائیداد کے مطابق ہی ہے، ۱۹۴۴ء میں وقف کردہ جو جائیداد ہے اس سے ان سوالات اور جوابات کا تعلق نہیں ہے، اگرچہ بعض سوالات میں خلط ملط کردیا گیا ہے، مفتیان کرام کو سوالات کی عبارت کے ذریعے سے واقعہ کی گہرائی تک پہنچنے میں کافی دشواری ہوئی ہے، اور ۱۵/ شوال ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۱۲ھ ۹/ ربیع الثانی کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ دوسرا جواب، اور ۲۱/ رجب ۱۴۰۴ھ میں مفتی حبیب الرحمٰن سے حاصل کردہ جواب کا پہلا جز، اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب، ان تمام کا تعلق ۱۹۴۴ء میں کیا ہوا وقف علی الاولاد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کو وقف علی الاولاد کے طور پر وقف کردیا گیا تھا، اور ان کے مصارف بھی متعین کردیئے گئے تھے تو ان جائیداد کے وقف کی نوعیت اور وقف کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، لہٰذا تمام مفتیان کرام کا لکھا ہوا فتویٰ اپنی اپنی جگہ پر درست ہے، سائل نے پہلے کے وقف اور بعد کے وقف کو مخلوط کرکے سوال کیا ہے اس لیے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ایک جائیداد کے متعلق مختلف مفتیان کرام کے مختلف انداز سے الگ الگ جوابات ہیں، بلکہ تمام جوابات اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء میں جو وقف علی الاولاد کیا ہے اس میں تبدیلی بھی جائز نہیں ہے اور اس کی آمدنی کے مصارف میں

تبدیلی کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اس کی آمدنی میں شاہین اختر اکبر حسین کے برابر کی شریک ہوگی، پھر ان دونوں کی وفات کے بعد ان دونوں کی اولاد میں ان دونوں کا حق منتقل ہوتا رہے گا، اور ۱۹۴۴ء کے بعد جن جائیداد کو وقف کیا گیا ہے ان کی آمدنی میں شاہین اختر یا اس کی اولاد شریک نہیں ہوں گی اور مختلف دارالافتاء سے لیے گئے فتاویٰ کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۳۳/۷۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۲۳ھ

## وقف علی الاولاد میں شرعی ورثاء کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے

**سوال** [۷۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۴۱ء میں ہمارے نانا ننھے بخش نے ۱۱۵ر گز آراضی وقف علی الاولاد کی اور اس آراضی میں رہنے کے لیے گھر بھی بنایا اور ننھے بخش کے انتقال کے بعد اس زمین کی متولیہ ان کی بیوی اور ہماری نانی بھولی تھی، اور بھولی نے بعد میں ہماری والدہ سعیدہ اور بڑے بھائی شریف کو متولی بنا دیا تھا، اس کے بعد ہمارے بڑے بھائی کے سالے عبدالعلی عرف منا اور اس کی بیوی کو رہائش کے لیے ہماری والدہ نے اسی گھر میں ایک کوٹھری دیدی، جس میں یہ کئی سال تک رہائش پذیر رہے، اور اب تقریباً ۱۵ر سال پہلے انہوں نے لالباغ میں اپنا مکان بنالیا تھا، اور اس کوٹھری کو انہوں نے تالا لگا رکھا ہے اور اس وقت اس کا متولی ننھے بخش کی اولادوں میں سے صرف میں تنہا ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کوٹھری پر شرعاً کس کا حق ہے، اور کیا عبدالعلی کے لیے اس کوٹھری کو جو اب بوسیدہ ہوکر ڈھانے کے قریب ہے اس کے اوپر قبضہ کرکے مالکانہ طور پر تعمیر کرنے کا حق ہے، جبکہ اس کا میں متولی ہوں اور میری طرف سے اس کی اجازت نہیں۔

المستفتی: رئیس احمد پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ کے بڑے بھائی کے سالے عبدالعلی اور

ان کی بیوی آپ کے نانا کی اولاد میں شامل نہیں ہیں، اور مذکورہ جائیداد وقف علی الاولاد ہے اس لیے متولی کی اجازت کے بغیر اس میں عبدالعلی اوراس کی بیوی وغیرہ کو رہنے کا بھی حق نہیں ہے اور متولی کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال کے لیے اس کو تعمیر کرنا اوراس کا قبضہ نہ چھوڑنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، كتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥)

**شرط الواقف كنص الشارع.** (شامی زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قديم ص:٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۱۹ھ

## واقف کی اولاد کا موقوفہ علی الاولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا

**سوال** [۷۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا مکان وقف علی الاولاد کردیا، وقف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس وقف شدہ جائیداد میں کسی کا تصرف اور اثر نہیں ہوگا اور یہ وقف اللہ کی ملکیت میں ہے اس میں زوال نہیں ہوسکتا، اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ واقف نے خود اس وقف شدہ مکان پر دوسری منزل تعمیر کردی ہے، تو یہ دوسری منزل وقف ہوگئی یا وقف نہیں مانی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اگر بغرض وقف بنایا ہے تو وقف میں داخل ہوگی اور اگر اپنی ملکیت کے لیے بنایا ہے تو ناجائز ہے، اب بہتر صورت یہ ہے کہ اس منزلہ کو بھی وقف ہی کردے، ورنہ اس کی اجرت حاصل کرکے وقف میں شامل کردے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وقف کے مکان کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنا ملبہ وہاں سے علاحدہ کرکے لے جائے، اور وقف

کے مکان پر کوئی نقص بھی نہ آنا چاہیے۔

**فإن بنى للوقف فوقف و إن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر الخ.**

(شامی، کتاب الوقف، مطلب: في حكم بناء المتولي وغيره، کوئٹه ٤/ ٤٧٠، کراچی ٤/ ٤٥٥، زکریا ٦/ ٦٧٩)

**واستفاده من الأشباه: ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر (من قيمته) قلعها وإلا ضمن له قيمتها.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٤٤، جديد زكريا ص: ٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۶۱)

# وقف علی الاولاد شیٔ کی بیع

**سوال** [۷۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد وقف ہے اس وقف نامہ کو توڑ کر اس کا بیع نامہ ایک صاحب نے کرایا ہے، جس کو وقف کے متولی ودیگر مالکان جائیداد نے روپیہ لے کر بیع کیا تھا، اس جائیداد کے خریدار جو کہ اب مالک جائیداد ہیں کرایہ داروں سے دوکان خالی کرنے کو کہہ رہے ہیں، جائیداد کا کرایہ برابر جمع ہو رہا ہے کیا نئے بنے مالک کے کہنے پر پرانے کرایہ دار کو دوکان خالی کر دینا چاہیے یا نہیں؟ کیا نئے مالک کو دوکان خالی کرانے کا حق ہے؟

وقف نامہ وقف علی الاولاد ہے وقف کرنے والے کی اولاد نے بیع نامہ کیا ہے وقف علی اللہ رب العالمین نہیں ہے، کیا اولاد کو بیع کرنے کا حق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب بھی کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملکیت ہو جاتی ہے اور منافع بندوں کے لیے ہوتے ہیں جب ایک مرتبہ وقف تام ہو جائے تو

اس کی بیع ہبہ جائز نہیں، اسی طرح اس میں وراثت بھی نہیں چل سکتی، اب مسئلۂ مذکورہ میں جب جائیداد وقف علی الاولاد ہے تو متولی اور مالکان وقف کو شئ موقوف کا بیچنا ہی جائز نہیں ہے، بیع صحیح نہیں ہوئی، اس کی واپسی لازم ہے، جس کی بناء پر نئے مالک کی ملک کا تحقق ہی نہ ہوا، لہٰذا اس کو دوکانیں خالی کروانے کا حق حاصل نہ ہوگا، اور اس کے کہنے پر دوکانداروں پر دوکانیں خالی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۵)

**وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعة إلى العباد، فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث.** (هدايه، كتاب الوقف اشرفي ديوبند ۲/۶۳۷، عينى قديم ۲/۹۸۵، جديد اشرفيه ديوبند ۶/۸۸ هنديه زكريا قديم ۲/۳۵۰، جديد ۲/۳۴۶، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۶/۲۰۴، كوئٹه ۵/۴۱۹، زكريا ۶/۱۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
| --- | --- |
| احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ | ۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ |
| ۱۴۱۹/۳/۱۹ھ | (الف فتویٰ نمبر: ۵۶۸۹/۳۳) |

# وقف علی الاولاد جائیداد کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبدالرشید نے ایک مکان جس کا وقف نمبر A/178 ہے وقف علی الاولاد کیا جس کی اس وقت کی کل آمدنی ۲۷؍روپئے میں سے تین روپئے شہتوت والی مسجد کے مصرف خیر میں صرف کرنے کو لکھا تھا، لیکن عبدالرشید کے لڑکے کی بہوا ور پانچ پوتیوں نے اس وقف مکان کو بدست محمد حسین عرف للا کو فروخت کردیا، اب محمد حسین چاہتا ہے کہ اس مکان میں جو مسجد کا حق بنتا ہے وہ پورا مسجد کو دیدے، مجھے اپنی آخرت کا پورا خیال ہے، لہٰذا قانون شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ مسجد کا کتنا حق بنتا ہے، مکان مذکورہ کی آراضی موقع پر دوسوبیس گز ہے، جو کہ لب سڑک ہے، یہ مکان وقف بورڈ میں آج بھی اندراج ہے اوراس مکان کی آمدنی میں سے ۲۰؍جنوری ۱۹۵۰ء سے ۲۰؍جنوری ۲۰۱۳ء تک مسجد کو کچھ نہیں ملا، واقف عبدالرشید کا انتقال ۳۱؍جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوگیا یعنی گیارہویں دن، اس سوال میں کچھ بھی چھپایا نہیں گیا ہے، اللہ میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کی جائیداد کو بیچنا جائز نہیں ہے اور سوال نامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک اس کی آمدنی ۲۷؍روپئے سالانہ رہی اوران ۲۷؍روپیوں میں سے تین روپیہ شہتوت والی مسجد کے لیے ہوا کرے گا، تواس تناسب سے ۲۲۰ روپیوں میں سے ۹؍گز مکمل اورایک گز کے چھٹے حصے کی آمدنی مسجد کو ملنا ضروری اورلازم ہے اس لیے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ مسجد کا حق ضائع ہونے نہ دیں۔

**فإذا تم و لزم لا یملک و لایملک وتحته فی الشامیة: أی لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة، کراچی ۴/ ۳۵۱-۳۵۲، زکریا ۶/ ۵۳۹)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة کراچی ۴/ ۴۴۵، زکریا ۶/ ۶۶۵)

**شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة.** (الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا دیوبند ۶/ ۶۴۹-۶۵۰، کراچی ۴/ ۴۳۳، قواعد الفقه اشرفی ص: ۸۵، الأشباه والنظائر قدیم

ص: ۱۷۰، زکریا جدید ص: ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۴؍۱۴۳۴ھ

# وقف علی الاولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جائیداد وقف علی الاولاد ہے اور وہ جائیداد غیر مسلم کے پاس ۴۰؍ سال سے ہے، اوراس کا کرایہ بھی پانچ سال سے نہیں آرہا ہے اور کچھ جائیداد مسلم بھائیوں کے پاس بھی ہے، اوراس کا کرایہ بھی کسی کے پاس دس سال سے ہے اور کسی کے پاس ۶/۵؍ سال سے ہے تو اس صورت میں کیا اس جائیداد کو بیچا جاسکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟ اگر اس کو بیچ کر دوسری جگہ لے لیں تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور وقف کی جائیداد سے موقوف علیہم کو کچھ نہیں مل رہا ہے اور نہ ہی کرایہ داروں سے خالی کرانا بآسانی ممکن ہے تو مناسب قیمت میں فروخت کرکے دوسری جگہ مناسب جائیداد خرید کر موقوف علیہم پر وقف کردینا جائز ودرست ہوگا۔

**والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لايفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف و شروطه، كراچی ٤/ ٣٨٤، زكريا ٦/ ٥٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۰۷)

# ۳ باب ولایۃ الوقف

## کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟

**سوال** [۷۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی وقت میں ایک مسجد، ایک خاندان کے لوگوں کی آراضی میں اپنے یا اور لوگوں کے تعاون سے بنائی یہ ایک پرانی بات ہے، ہماری یادداشت کے مطابق اس خاندان کے علاوہ سبھی لوگوں کا تعاون برابر جاری ہے، لیکن وہ ہمیشہ سے اپنی تولیت کے دعویدار بنتے چلے آرہے ہیں، اور آج تک ان ہی کے خاندان میں تولیت چلی آرہی ہے، آج اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو اعتراض ہے کہ متولی بناتے وقت نمازیوں سے بھی رائے لینی چاہیے، اس پر انہوں نے صاف طور پر یہ کہہ کر نمازیوں کی بات مسترد کردی کہ اس میں ہم کو کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا حق وراثت ہے، اب نمازیوں کا سوال یہ ہے کہ کیا تولیت میں حق وراثت جائز ہے، اگر جائز ہے تو گذارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی صحیح صحیح وضاحت فرمائیں، اس بات پر کچھ لوگوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی کیا یہ جائز ہے؟ نیز چند علماء دین نے اس مسجد میں نماز نہ ہونے کا مسئلہ بتایا کہ مسجد ہذا میں نماز پڑھنا بس سر کا پھوڑنا ہے۔

**المستفتی**: مسعود الحسن رشیدی، مسجد مولویان سہس پور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب تک واقف کے خاندان میں تولیت کے لائق کوئی شخص موجود ہوگا اس وقت تک اسی کو متولی بنایا جائیگا، واقف کے خاندان والوں پر کسی اجنبی کو مقدم نہیں کیا جائیگا، ہاں ان کے خاندان میں کوئی بھی شخص تولیت کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اجنبی شخص کو متولی بنانا درست ہے، البتہ آج کل کے زمانہ کے اعتبار سے متولی کو چاہیے کہ وہ اپنی

ماتحتی میں ایک کمیٹی بنالے اور امور مسجد کے بارے میں اس کمیٹی سے مشورہ لیا کرے، یہی بہتر شکل ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۷۹، جدید مطول ۹/۵۲۱ امداد الفتاویٰ ۲/۷۲۶)

**ولا یجعل القیم فیه من الأجانب ما وجد فی ولد الواقف و أهل بیته من یصلح لذٰلک، فإن لم یجد فیهم من یصلح لذٰلک فجعله إلی أجنبی.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لا یجعل الناظر من غیر أهل الوقف، زکریا دیوبند ٦/٦٣٧-٦٣٨، کراچی ٤/٤٢٤، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیة بیروت ١٢/٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۳ھ

# واقف کے ورثاء کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا

**سوال** [٧٦٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منیرن بنت نجابت علی نے ۱۹؍ بیگھہ ۶؍ بسوا، ۱؍۶۰ ۲۵۰-۱ ؍۱۵۱ کی آراضی ۷؍ اپریل ۱۸۹۰ء کو مصرف خیر کے لیے وقف کی اور اس کی شرائط خمسہ میں سے شرط ۴؍ یہ ہے کہ میرے خاندان اور اولاد میں سے لائق شخص متولی ہوتا رہے گا، اور اس متولی کو خود بھی یہ اختیار ہوگا کہ میرے خاندان سے لائق شخص کو متولی مقرر کیا کرے، اور ان شرائط کے ساتھ یہ جائیداد وقف ہوتی ہے اور ابھی واقف کے خاندان میں فلاں فلاں لوگ موجود ہیں ان تمام وارثین کی موجودگی میں کچھ فراڈ قسم کے لوگوں نے ایک خفیہ کمیٹی بنا کر اپنے آپ کو مذکورہ جائیداد کا متولی ثابت کرنے کے لیے مرادآباد کے سی او صاحب سے غلط بیانی سے کام لے کر لکھوا لیا ہے، پھر لکھنؤ وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرالیا ہے، نیز جامعہ نعیمیہ کے نائب مفتی مختار احمد نعیمی اور دوسرے شخص مقبول حسین نعیمی انہوں نے سی او صاحب سے غلط بیانی سے تصدیق لکھوالی ہے اور گلزار عادل کو ذمہ دار ثابت کیا ہے، اور ان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے پر محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کی تصدیق کی ہے اور یہ سب خفیہ طور پر ہوا ہے، وارثین کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں ہوئی،

تو کیا شرعاً اس طرح کی کمیٹی تشکیل دینا جائز ہے، جبکہ ہم فلاں فلاں سب وارثین موجود ہیں، اس لیے ہم فلاں فلاں وارثین دھوکہ دے کر متولی بننے والوں کو ہرگز اس جائیداد کے قریب بھی آنے نہیں دینا چاہتے، تو کیا شرعی طور پر ہماری موجودگی میں خفیہ طور پر ایسے فراڈ قسم کے لوگوں کو متولی بننے کا حق ہے، شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد معروف سنبھلی گیٹ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ اور وقف نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ واقف کے خاندان میں وارثین کی موجودگی میں کسی بھی شخص کو خود متولی بننے کا حق نہیں ہے، نہ گلزار عادل کو متولی بننے کا حق ہے اور نہ ہی محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کا کسی کو حق ہے، اور نہ ہی جامعہ نعیمیہ کے کسی مفتی کو اس ناجائز تولیت کی تصدیق کرنے کا حق ہے، بلکہ واقف کے وارثین میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ خود اس کے متولی بننے کا حق رکھتے ہیں، لہٰذا واقف کے وارثین کو خبر نہ دے کر جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے وہ شرعی طور پر فراڈ کمیٹی ہے، ایسی فراڈ کمیٹی کو جائیداد موقوفہ کا ذمہ دار بننے کا کوئی حق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو تولیت سے فوراً علاحدہ کردیا جائے، نیز ایسے خائن لوگوں کو شرعی متولی بنانا جائز بھی نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو کمیٹی سے فوراً علاحدہ کرکے غرض واقف اور شرائط واقف کے مطابق واقف کے وارثین مذکورہ موقوفہ جائیداد اپنی تولیت میں لے لیں۔

**لیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/١٠١، ٤٤/٢٠٧، ٤٤/٢٠٩، البحر الرائق زکریا دیوبند ٥/٣٧٨، کوئٹه ٥/٢٢٦)

**إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن ولاشک فیه.** (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٢، قدیم ١/٧٦٢، شامی، مطلب: یأثم بتولیة الخائن، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق زکریا ٥/٤١١، کوئٹه ٥/٢٤٥)

**فإن کان فی نزعه مصلحة یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن**

**الوقف**. (بزازیه، زکریا جدید ۳/ ۱۳۴، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۲۵۳)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، کراچی ۴/ ۴۴۵، زکریا ۶/ ۶۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

# واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟

**سوال** [۷۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اولادِ واقف میں بیٹے اور پوتے ہیں کون متولی ہوگا؟ مقدم کون ہوگا؟

المستفتی: محمد خدا بخش، گوبند پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر واقف نے کسی کے متولی ہونے کی تعیین کردی ہے تو وہی متولی ہوگا اور اگر متعین نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں واقف کے خاندان میں جو متقی پرہیزگار اور امانتدار ہوگا وہی تولیت کا حقدار ہوگا بیٹا پوتا کی کوئی تخصیص نہیں اور اگر خاندان میں امانت دار کوئی نہیں ہے تو جائیداد موقوفہ سے قریب رہنے والوں میں جو امانتدار شخص ہو اسی کو متولی بنانا چاہیے، اس لیے کہ خائن کی تولیت جائز نہیں۔

**ولا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/ ۵۷۸، کراچی ۴/ ۳۸۰، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۲۶ زکریا ۵/ ۳۷۸، هندیه، الباب الخامس، زکریا قدیم ۲/ ۴۰۸، جدید ۲/ ۳۸۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۶۵)

# باشرع متولی پر الزام لگا کر تولیت سے ہٹانا

**سوال** [۷۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ محمد یاسین صاحب کو بانی مسجد نے مسجد تعمیر کر کے وقف کرتے وقت متولی مقرر کیا تھا اور اسی زمانہ سے آج تقریباً ۲۰/۲۵/ سال کا عرصہ ہو رہا ہے کہ وہ تولیت کی ذمہ داری دیانتداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور حساب وکتاب میں کبھی کسی طرح کی کمی زیادتی یا خیانت کی بات سامنے نہیں آئی اور اب بھی کسی قسم کی خلاف شرع بات ان سے ثابت نہیں ہے، لیکن ابھی کچھ دنوں سے کچھ لوگوں کا محمد یاسین سے نظریاتی اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا اور اس اختلاف کے نتیجے میں ان لوگوں نے محمد یاسین صاحب کو خائن بدعقیدہ وغیرہ کے الفاظ سے بدنام کرنا شروع کر دیا ہے، اور بلا وجہ ان کو مسجد کی تولیت سے معزول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور محمد یاسین صاحب باضابطہ متولیٔ وقف ہیں، تو کیا اس طرح بلا وجہ کسی مسلمان پر جھوٹے اور غلط الزامات لگا کر مجروح کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ان کے خلاف مقدمہ بازی کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ پریشانی میں ہیں، اور نماز روزہ اور باشرع ہونے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے، اور یہ بات بھی واضح رہے کہ حساب وکتاب اور تولیت کی ذمہ داری میں کوئی کمی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں محمد یاسین صاحب کو پریشان کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

(۲) اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد یاسین صاحب کی دفاع میں اگر مقدمہ کے نام سے چندہ کیا ہوا پیسہ خرچ کریں تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) ایسا متولی جو کہ صوم وصلاۃ کا پابند اور متبع شریعت ہو اس سے مال وقف میں کسی قسم کی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو تو ایسے متولی کو معزول کرنے کی کوشش کرنے کا شرعاً کسی کو حق نہیں ہے، نیز کسی مسلمان پر بے بنیاد اور غلط الزامات

لگانا اور بلا وجہ اس کو بدنام کرنا اور جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر اس کو پریشان کرنا سخت ترین گناہ ہے احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی اس بدعملی سے باز آکر تائب ہونا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۵۰)

**عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: المسلم أخو المسلم لایخونه ولایکذبه ولایخذله، کل المسلم علی المسلم حرام، عرضه و ماله ودمه، التقویٰ هٰهنا.** (ترمذی شریف، باب ما جاء فی شفقة المسلم علی المسلم، النسخة الهندیة ۲/۱۴، دار السلام رقم: ۱۹۲۷، مسند بزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۵/۳۳۵، رقم: ۸۸۹۱)

**لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایة المستحقین حتی یثبتوا علیه خیانة.** (در مختار علی الشامی، کتاب الوقف، مطلب: لیس للقاضی عزل الناظر، زکریا ۶/۶۵۶، کراچی ۴/۴۳۸-۴۳۹)

**(۲)** مقدمہ کے عنوان سے جو چندہ جمع کیا گیا ہے اس کو دفاعی مقدمہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۴۹، جدید مطول ۱۰/۲۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۴۴/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

## فاسق مسجد کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

**سوال** [۷۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اونچی مسجد دھامپور وقف ۱۱۹؍ کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری جو پیشہ سے وکیل ہے اور کبھی مسجد مذکور میں نماز پڑھنے تک نہیں آتا اور اس کی بیوی مذہباً ہندو ہے، کیا ایسا شخص کسی وقف جائیداد خاص طور پر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری بننے کا مستحق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو آدمی غیر مسلم ہندنی کو بیوی بنا کر رکھتا ہے شرعاً

وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، نیز باوجود قدرت کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا بھی فسق ہے، ایسا شخص شرعاً کسی مسجد یا دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں ہے، اہل مسجد پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کا سکریٹری ہرگز نہ بنائیں، نیز جو شخص ذمہ دار بننے کی خواہش کرتا ہو اس کو بھی سکریٹری یا رکن کمیٹی بنانا جائز نہیں ہے۔

**عن أبی موسیٰ قال: دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم أنا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یارسول الله! أمرنا علی بعض ماولاک الله عز وجل وقال الآخر: مثل ذلک، فقال: إنا والله لا نولی علی هذا العمل أحدا سأله، ولا أحدا حرص علیه.** (صحیح مسلم، الإمارة، باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیه، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۰، بیت الأفکار رقم: ۱۷۳۳)

**ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۵۷۸/۶، کراچی ۳۸۰/٤، البحر الرائق کوئٹه ۲۲٦/٥ زکریا ٥/۳۷۸، هندیه، الباب الخامس، زکریا قدیم ۲/٤۰۸، جدید ۲/ ۳۸۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/۲۰۷)

**وطالب التولیة لا یولی.** (الدر المنتقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ٦۰۳، قدیم ۱/ ۷٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۵۶/۲۴)

## جو شخص مسجد کا حساب وکتاب نہ دے اس کو متولی بنانا

**سوال** [۷۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عرصۂ دراز سے ایک مسجد کی دیکھ بھال اور نگرانی کررہا تھا، مسجد کی آمد وصرف کا

حساب بھی وہ اپنے پاس رکھتا تھا، اس درمیان جب جب بھی مصلیانِ مسجد نے زید سے مسجد کے حساب سے متعلق رابطہ کیا وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا، تین سال قبل مصلیانِ مسجد نے مسجد کا حساب سمجھنے کے لیے زیادہ اصرار کیا تو زید نے نہ صرف مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا بلکہ مسجد کی ضروریات کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو دیانتدار ہو مسجد کی ضروریات کا اچھی طرح انتظام کرسکتا ہو، اور آمد وخرچ کا حساب صحیح طریقے سے رکھ سکتا ہو، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت اگر صحیح ہے تو زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، کمیٹی والوں کو چاہیے کہ زید کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مسجد کا ذمہ دار بنالیں جو دیانتدار ہو اور حساب وکتاب صحیح طور پر کرتا ہو اور مسجد کی ضروریات کا انتظام اچھی طرح کرتا ہو۔

**وینزع وجوبا لو غیر مامون أو عاجزا أو ظهر به فسق وفی الشامی: ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن وکذا تولیة العاجز لأن المقصود لایحصل به .**

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/ ۵۷۸، کراچی ۴/ ۳۸۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/ ۲۰۷، البحر الرائق کوئٹہ ۵/ ۲۲۶، زکریا ۵/ ۳۷۸، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۶۰۲، مصری قدیم ۱/ ۷۶۲، بزازیه زکریا جدید ۳/ ۱۳۴، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲ھ

## تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے

**سوال** [۷۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی درگاہ کے سجادہ نشیں کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو متولی یا سجادہ نشیں نہیں بنایا تھا، اور نہ کسی کے لیے کچھ وصیت کی تھی، کچھ آراضی درگاہ کے نام وقف بھی سجادہ نشین صاحب کے نام تھی، اور بکر نے سوچا بھائی زید حافظ قرآن بھی ہے اور سید بھی ہے، بھلے ہی لڑکا ہے آگے چل کر ہوشیار ہوجائے گا، سجادہ نشیں کے نام سے ایک فرضی وصیت نامہ زید کی سجادہ نشینی کے لیے مشتہر کردیں، اور زید سے یہ اقرار لے لیں کہ درگاہ کا سجادہ نشیں ہو جانے کے بعد آپ ساری بقیہ آراضی اور جملہ سامان درگاہ کے نام وقف کردیں، چنانچہ اور بکر نے زید سے گفتگو کی، زید نے حلفیہ کہا کہ میں سجادہ نشیں ہونے کے بعد آراضی وجملہ سامان درگاہ کو درگاہ کے نام وقف کروں گا۔

چنانچہ وہ وصیت نامہ جعلی تیار ہوا، اور زید کو سجادہ نشیں وصیت نامہ کی رو سے قرار دیا گیا، جملہ آراضی جو سجادہ نشین متوفی کے نام تھی، زید کے نام منتقل ہوگئی، جب زید نے دیکھا کہ میں بالکل مالک ومختار ہوگیا تو وہ آراضی درگاہ کے نام وقف نہ کی، اور یہ کہ وہاں کا سامان اور زرنقد خفیہ طریقے سے اپنے آبائی مکان کو روانہ کرنا شروع کردیا، جب بکر نے یہ حالت دیکھی تو بکر نے زید سے کہا کہ بھائی اس بقیہ آراضی کو آپ حسب وعدہ وقف کردیں، تب زید نے صاف انکار کردیا کہ میں مالک ومختار ہوں، میں وقف نہیں کروں گا، نہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے، قرآن کریم کو اٹھانے اور قسم کھانے لیے تیار ہوگئے، زید مرید بھی برابر کررہے ہیں اور ہماری مسجد کے امام بھی ہیں، کیا ایسے پیر سے بیعت ہونا اور اس کو امام بنانا شرعی اعتبار سے درست ہے؟ براہ کرم جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے تو سوالنامہ میں درج شدہ شخص شرعاً سخت خائن ہے، ایسے خائن شخص کو فوراً تولیت سے علاحدہ کردینا تمام مسلمانوں پرلازم ہے، اور ایسا خائن شخص شرعاً فاسق ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گمراہی کا

باعث ہوگا، جولوگ بیعت ہوچکے ہیں، سلسلۂ بیعت اس سے ختم کردیں، نیز اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۳/۱۳۶)

**ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به** . (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زكريا ديو بند ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/٢٠٧، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٦، زكريا ٥/٣٧٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٢، مصری قديم ١/٧٦٢، بزازيه زكريا جديد ٣/١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/٢٥٣)

**إن كراهة تقديمه كراهة تحريم.** (شامی مصری ١/٥٢٣، زكريا ٢/٢٩٩، كراچی ١/٥٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۸۵)

## متولی کا نااہل کو جانشیں بنانا

**سوال** [۷۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا جانشیں ومتولی اور درگاہ کا سجادہ نشیں ومتولی تھا، زید اس مسجد ودرگاہ کا واحد باختیار جانشیں ومتولی حسب دستور سابق بذریعۂ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کردیا گیا تھا، اس کو اپنی جانب سے مناسب شخص کو اپنی جگہ اپنی حیات میں متولی وجانشیں مسجد کیلئے اور سجادہ نشیں ومتولی درگاہ مقرر کرنے کے اختیارات حاصل تھے، کہ بموجب اپنے اختیارات کسی دیگر شخص کو بذریعۂ تولیت نامہ منتقل کرے اور یہی دستور وطریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا، لہٰذا زید متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ نے بعمر ۷۶/سال ضعیف العمری، پیرانہ سالی، لاغری، کولہے کی ہڈی کریک ہوجانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری کی بناء پر وجہ سے اپنی

حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق اپنے حقوق واختیارات استعمال کرتے ہوئے جو کہ بذریعۂ تولیت نامہ اس کو حاصل تھے، مؤرخہ ۱۹۷۰/۱۲/۳۱ء کو اس مسجد و درگاہ مذکورہ کا اپنی جانب سے باضابطہ سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ اور جانشیں ومتولیٔ مسجد مذکور مقرر کردیا۔

جیسا کہ صاف طور سے واضح ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد و درگاہ مذکور کے جانشیں ومتولیان اور سجادہ نشیں ومتولیان بموجب تولیت نامہ ایک دوسرے کو اس طرح حقوق واختیارات منتقل کرتے چلے آئے ہیں، یعنی ایک شخص جو بذریعۂ تولیت نامہ منصب پر فائز تھا، اپنے اختیارات وحقوق بموجب تولیت نامہ دیگر مناسب شخص کو منتقل کرتا چلا آرہا ہے، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولی و جانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ مذکور بموجب تولیت نامہ مؤرخہ ۱۹۷۰/۱۲/۳۱ء باضابطہ حسب دستور سابق قائم ہے، قدیم وقف مسجد و درگاہ سے متعلقہ قدیمی وقف نامہ زمانۂ قدیم سے فساد میں برباد ہوگیا، اس لیے وقف کا نام نامعلوم ہے، اس لیے واقف کی نیت کا معلوم ہونا ناممکن ہے، اسی لیے عرصۂ دراز سے منصب پر فائز متولیان وجانشین مسجد اور سجادہ گان ومتولیان درگاہ مذکور نے اول ہی سے کسی تولیت نامہ میں واقف کا نام وقف نامہ کا ذکر اور وقف کی شرائط اور نیت کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف بذریعۂ تولیت نامہ وسابقہ دستورِ منصبِ مسجد و درگاہ مذکور صاف طور سے واضح ہوتا ہے، یہی دستور اب تک چلا آرہا ہے، تولیت نامہ محفوظ ہے، لیکن قدیمی وقف نامہ عرصۂ قدیم سے ہی فساد میں برباد ہوچکا ہے، واقف کا نام اور واقف نے وقف نامہ کس تاریخ میں اور کس سن کو تحریر کیا تھا اور وقف نامہ کا دستاویزی حوالہ نمبر کیا تھا، چونکہ ان سب باتوں کا علم نہیں ہے اس وجہ سے حکومت کے دفتر سے قدیمی وقف نامہ مہیا نہیں کیا جاسکتا، کیا زید کا منتخب کردہ شخص مسجد و درگاہ کا متولی وسجادہ نشیں روبشریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، رحمٰن بلڈنگ، بلبلی خانہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر تولیت نامہ میں متولی کو اپنی حیات میں جانشین

بنانے کے اختیارات کی صراحت موجود ہے، تو زید کا کسی لائق با صلاحیت معاملہ فہم وامانت دار شخص کو جانشیں بنانا صحیح ہے، وہاں کی قوم اگر اس سے زیادہ با صلاحیت والے شخص کو مقرر کردے تو قوم کا مقرر کردہ شخص زیادہ اولیٰ وافضل ہوگا۔

**مرض المتولي و فوض التولية إلى غيره جاز (إلى قوله) والباني للمسجد أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار إلا إذا عين القوم أصلح مما عينه (إلى قوله) أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته إن كان التفويض له عاما صح و إلا فلا.** (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۰۳، مصری قدیم ۱/۷۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۳۶)

# رشوت دے کر اپنے نام تولیت کرانا

**سوال** [۷۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھوٹے نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اور مکان کا کچھ حصہ وقف کردیا، جس میں تا حیات خود متولی بنے رہنے کی صراحت کی، اور شیخ چھوٹے کے انتقال کے بعد اپنے لڑکے محمد نور کو متولیٔ جائیداد ہونے کی صراحت کی اور اس بات کی بھی وضاحت کی کہ محمد نور کے بعد اس کی اولاد متولی ہوتی رہے گی، وغیرہ، پھر محمد نور پاکستان چلے گئے جہاں ان کی اولاد میں عبد السمیع و مسماۃ شمشادی پیدا ہوئے، محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے چند سال بعد محمد نور کا انتقال ہو گیا پھر محمد نور کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین نے نیلام کردیا، یہ نیلام شیخ محمد رفیق مرحوم نے خریدا جس کی خریداری کے جملہ کاغذات مکمل طور پر شیخ محمد رفیق کی اولاد محمد عمر ومحمد شفیق کے پاس موجود ہیں، اب ۴۵/ سال گذر جانے کے بعد محمد اسلام ولد عبد السلام نے یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اتر پردیش لکھنؤ کے دفتر کو رشوت دے کر اپنا نام تولیت میں درج کرالیا۔

**(۱)** تو دریافت یہ کرنا ہے کہ محمد اسلام ولد عبد السلام جبکہ شیخ محمد نور کی نسل میں سے نہیں ہے، اور وقف نامہ میں محمد نور کے بعد ان کی نسل سے متولی ہونا درج ہے، تو محمد اسلام ولد عبد السلام کا رشوت دے کر سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اتر پردیش سے اپنے کو متولی بنوانا شرعاً کیسا ہے؟

**(۲)** نیز محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین کا نیلام کرنا اور اس نیلام کو شیخ محمد رفیق کا خریدنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جبکہ محمد اسلام ولد عبد السلام محمد نور کی اولاد میں داخل نہیں ہے تو اس کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، نیز رشوت دے کر اپنے نام سے تولیت حاصل کر لینا جائز نہیں ہے، ایسے شخص کو متولی بننے کا حق نہیں ہے، شریعت میں بے نفس اور امانت دار شخص کو متولی بنانے کا حکم ہے۔

**لایولی إلا أمین قادر بنفسه (إلی قوله) من طلب التولیة علی فسق استحق العزل.** (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨- ٥٧٩، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٢٢٦، زکریا ٥/ ٣٧٨)

**(۲)** شیخ محمد رفیق کا مذکورہ نیلام کو خریدنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اور شیخ محمد رفیق کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۹۱، جدید ڈابھیل) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۹ھ

## واقف کی شرط کے خلاف اولادِ اناث کی مذکر اولاد کو متولی بنانا

**سوال [۷۶۶۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب غلام محمد صاحب مرحوم نے اپنی جائیداد وقف ناموں کے ذریعہ وقف

کردی، ایک وقف نامہ وقف فی سبیل اللہ کے لیے تحریر کیا اور دوسرا وقف نامہ وقف علی الاولاد کے لیے تحریر کیا اور انتظام وقف کے لیے جو شرائط وقف نامہ میں اپنی طرف سے تحریر کیں وہ مختصراً اس طرح ہیں:

(۱) تا حیات خود میں واقف متولیٔ جائیداد موقوفہ مذکورہ رہوں گا، اور آمدنی موقوفہ کو اپنی رائے سے صرف کروں گا۔

(۲) بعد وفات مجھ واقف کے میرا پسر غلام سبحانی و میرا داماد حافظ عظمت علی متولی جائیداد موقوفہ و مذکورہ رہیں گے اور بعد وفات متولیان مذکور (ہر متولی) کے ان کی اولاد میں جو پسر کلاں اور لائق تولیت ہوگا وہ متولیٔ موقوفہ ہوگا۔

(۳) اگر متولیان مذکور کی اولاد سے کوئی پسر (خورد و کلاں) لائق تولیت نہ ہوں تو دیگر پسران کی اولاد سے جو دو شخص لائق تولیت ہوں گے وہ متولیٔ موقوفہ ہوں گے۔

(۴) اگر کسی پسران کی اولاد سے کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر لڑکیوں کی اولاد میں سے جو کوئی لڑکا لائق تولیت سمجھا جائے وہ متولی مقرر ہوگا، جس کو ارکانِ انجمن قوم پنجابیان یا چار شخص معزز اہل برادری مقرر کریں گے۔

(۵) اگر خدانخواستہ اولاد پسران و دختران واقف سے بسلسلۂ ذکور و اناث کوئی باقی نہ رہے تو آمدنی موقوفہ مذکورہ کو اصحاب انجمن قوم یا معزز اہل برادری مقررہ مدوں میں خرچ کریں گے۔

چنانچہ بموجب شرائط وقف غلام حضرت صاحب تا حیات وقف کے متولی رہے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے غلام سبحانی اور عظمت علی صاحب مرحوم نے تولیت کے فرائض مشترکہ طور پر انجام دیئے، ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد عظمت علی صاحب منجھلے فرزند انصار علی صاحب اور غلام سبحانی صاحب کے فرزند کلاں غلام سلطانی صاحب وقف کے متولی ہوئے، کیونکہ عظمت علی کے بڑے بیٹے اسرار احمد صاحب بیرون ملک تھے جب وہ ہندوستان آگئے تو انصار علی صاحب اپنے برادر کلاں کے حق میں تولیت سے دستبردار ہو گئے، اور اسرار احمد صاحب اور غلام سلطانی صاحب متولی رہے، اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد چونکہ ان کی

کوئی اولاد ملک میں نہیں تھی، اور عظمت علی صاحب کی اولادوں میں سے بھی کوئی لائق تولیت نہ تھا تو غلام حضرت صاحب کے دوسرے پسر غلام جیلانی مرحوم کے فرزند غلام مصطفیٰ بجائے اسرار احمد صاحب وقف کے متولی وقف بورڈ کی طرف سے مقرر کردیئے گئے، غلام مصطفیٰ اور غلام سلطانی ہر دو حضرات وقف کی تولیت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

غلام سلطانی صاحب کا حال میں انتقال ہوگیا اور ان کے پسر کلاں عرفان احمد جو بموجب وقف نامہ متولی ہونے کے زیادہ مستحق اور لائقِ تولیت ہیں، وقف بورڈ کے سامنے ان کی درخواست زیرِ غور ہے، غلام حضرت صاحب مرحوم کی دوسری لڑکی کے صاحبزادے امتیاز احمد نے بھی وقف کی تولیت کے لیے درخواست گذاری ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وقف نامہ کی شرائط کی رو سے عرفان یا ان کے دوسرے برادران خورد تولیت کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۲) اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد جب وقف غلام حضرت صاحب کی اولاد اناث میں تولیت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور وقف نامہ کی شرائط ۳؍ کے مطابق دیگر پسر کی اولاد میں سے غلام مصطفیٰ صاحب متولی ہوگئے، تو کیا پھر سے یہ سلسلۂ تولیت دوسری اولاد اناث کی طرف منتقل ہوسکتا ہے، جبکہ واقف کے پسران کی اولاد میں موجود ہیں اور لائق تولیت ہیں؟

(۳) اگر واقف کی اولاد اناث میں دوبارہ سے تولیت کا سلسلہ منتقل ہوسکتا ہے تو وہ غلام مصطفیٰ صاحب جو اسرار احمد صاحب (جو اولاد اناث کے سلسلے میں سے تھے) کے انتقال کے بعد متولی مقرر ہوئے تھے بجا ہونا چاہیے، کیونکہ موجودہ درخواست گذار امتیاز احمد صاحب واقف کی اولاد اِناث میں سے ہیں، اور غلام مصطفیٰ صاحب کے متولی مقرر ہوتے وقت ان کے حق میں حلفنامہ کے ذریعہ اپنا حق چھوڑ چکے ہیں جبکہ اسرار احمد صاحب کے بعد ان کی جگہ امتیاز احمد صاحب اپنے کو متولی مقرر ہونے کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔

(۴) کیا وقف نامہ کی شرائط کے مطابق غلام سبحانی و غلام سلطانی صاحب مرحوم کی اولاد میں تولیت کا حق ختم ہوگیا ہے، براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات وقف نامہ کی شرائط کے مطابق عنایت فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں گے؟

المستفتی: عرفان احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف نامہ کی شرائط میں یہ بات صاف الفاظ میں مذکور ہے کہ واقف کی اولاد ذکور کی موجودگی میں یا اولاد ذکور کی مذکر اولاد کی موجودگی میں واقف کی اولاد اناث کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، اور جب واقف کی اولاد ذکور کی مذکر اولاد موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے اولاد اناث کی مذکر اولاد کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، لہٰذا عرفان احمد واقف کی اولاد ذکور کی اولاد میں سے موجود ہے، اس لیے امتیاز احمد کو تولیت حاصل نہیں ہوگی اور عرفان احمد کو چھوڑ کر امتیاز احمد کو تولیت کا حق دینا شرط واقف کی خلاف ورزی ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا وقف بورڈ کو اس شرط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

**إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة …… زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

**لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنص الشارع وعليه الفتوىٰ.**

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤، مصری قديم ١/٧٤٣)

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ اولاد میں صلبی اولاد کے پوتے پڑپوتے وغیرہ سب علی الترتیب شامل ہوتے ہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ صلبی لڑکوں کے نہ ہونے کی حالت میں پوتے پڑپوتے اولاد میں شامل نہیں ہیں، بلکہ علی الترتیب پوتے پڑپوتے بھی شامل ہوتے ہیں۔

**لأن ولد الولد اسم لمن ولده ولده وابنته ولده (إلى قوله) فإذا قال على ولدي فإن ولد البنت لايدخل في ظاهر الرواية لأن اسم الولد يتناول ولده لصلبه وإنما يتناول ولد الابن لأنه ينسب إليه عرفا.** (شامی زكريا ديوبند ٦/٦٩٠، كراچی ٤/٤٦٤)

**ومن وقف على أولاده دخل في ذٰلک أولاد الأولاد ماتناسلوا.** (فقه السنة ٣/٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۶ھ

# وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے

**سوال [۷۶۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش ومسماۃ رحمت النساء بنت چھٹن نے ایک وقف نامہ ۱۷/ مئی ۱۹۳۸ء میں لکھا جس میں پیارے خاں کے لڑکے کو اپنے بعد متولی مقرر کیا تھا، قادر خان کے ایک لڑکے پیارے خاں اور ایک لڑکی پیاری اولاد اناث میں سے ہیں، پیارے خاں کا انتقال ہوگیا ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا، ایک لڑکی تھی رفیقن وہ اپنے والد پیارے خان کے سامنے مرگئی اس وقت مسماۃ پیاری دختر قادرخان ومرحومہ رفیقن کے لڑکے زندہ ہیں وقف نامہ میں یہ لکھا ہے کہ پیارے خان متولی کے بعد اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد مذکورہ میں متولی مقرر ہوگی، مذکورہ بالا تحریر کے تحت جب واقف کی اولاد اناث زندہ ہیں تو کیا پسر کی لڑکی کی اولاد متولی ہوسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** شریعت محمدیہ میں وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر ہی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، فقہ کا جزئیہ ہے:

**شرط الواقف کنص الشارع.** (قواعد الفقه اشرفی ص:۸۵، رقم: ۱۵۲)

لہٰذا حسب سوال واقف نے جبکہ اس کی وضاحت وقف نامہ میں کی ہے، کہ پیارے خان کی جب اولاد ذکور واناث نہ رہے تو پیاری جو کہ دختر قادر بخش کی ہیں ان کو حق تولیت پہنچے گا، ان کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگا اس لیے اس دفعہ کا چونکہ وقف نامہ میں تذکرہ ہے اس لیے اب جبکہ پیارے خاں مرحوم کی اولاد ذکور واناث نہیں ہیں تو حق تولیت شرعاً قادر بخش کی بیٹی پیاری کو پہنچتا ہے، اور وقف نامہ کی تفصیل کے مطابق ہی جملہ امور پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۰۷۸)

# وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا

**سوال** [۷۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ثروت شخص نے دلی میں ایک چار منزلہ عمارت بنائی اس میں تہ خانہ بھی ہے، کل پانچ منزل ہو گئے، اس میں سے ایک منزل اپنے کارِ خیر کے لیے متعین کرلیا، باقی منزلیں لڑکوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور جس منزل کو اپنے کارِ خیر صدقۂ جاریہ کے لیے متعین کیا ہے اس کے لیے ایک تحریر لکھ دی کہ میرے لڑکوں میں سے فلاں لڑکا اس کا متولی رہے گا، اور اس کے مرنے کے بعد مرکز نظام الدین کے ذمہ دار علماء اس کے متولی رہیں گے، اور اس کی آمدنی مساجد ومدارس ضرورت مند علماء وصلحاء اور اہم کار خیر میں خرچ ہوتی رہے گی، اس کے بعد وہ سرمایہ دار ۱۹۹۹ء میں وفات پا گئے اور ان کے وفات پانے سے لے کر کے آج تقریباً ۱۴؍سال تک وہ منزل یونہی خالی پڑی ہوئی ہے اور جو لڑکا متولی ہے اس کو اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں ہے، شروع میں اس جگہ کو تقریباً ۷۰؍۸۰؍ ہزار روپئے ماہانہ کرایہ دار لینے کو تیار تھے، اور بڑھتے بڑھتے اب اس کا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ لاکھ ہے اور ڈیڑھ، سوا لاکھ روپئے ماہانہ کرایہ پر لینے کے لیے لوگ تیار ہیں، لیکن جو لڑکا متولی ہے وہ اجازت نہیں دیتا اور آج تک چودہ سال میں اس منزل کا کرایہ ایک کروڑ سے زیادہ ہو جاتا جو کار خیر میں خرچ ہو سکتا تھا، کوئی اچھی مسجد بھی بن جاتی، اور مدارس اور دیگر کارِ خیر میں بڑی بڑی رقم مرحوم کی طرف سے خرچ کی جاتی اور ان کو ثواب پہنچتا لیکن مذکورہ لڑکے کے متولی ہونے کی وجہ سے یہ سلسلہ جام ہو گیا ہے اب حضرات مفتیان کرام سے یہ سوال ہے کہ جس لڑکے کو والد نے متولی بنایا تھا اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کو ہٹا کر کے وارثین میں سے کسی دوسرے ایسے لڑکے کو متولی بنایا جا سکتا ہے جو مذکورہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر صدقۂ جاریہ کا مناسب سلسلہ جاری کر دے، امید ہے کہ شرعی حکم کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمائیں گے تاکہ والد کو پہنچنے والا ثواب جو رکا پڑا ہے وہ جاری ہو جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف کی ملکیت بندہ کے حق سے نکل کر اللہ کی ملک ہو جاتی ہے اور متولی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے جس پر مصالح وقف اور غرض واقف کا بجالانا ضروری ہوتا ہے تاکہ واقف کا مقصد پورا ہوتا رہے لیکن شخص مذکور چونکہ غافل ہے، اور صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جاری ہونے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے جس بنا پر واقف کا مقصد بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا ہے، اس لیے محلّہ یا خاندان کے بااثر افراد مذکورہ شخص کو برطرف کر کے کسی ایسے دوسرے لڑکے کو متولی بنادیں جو صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جواب تک جاری نہ ہوسکا اس کو جاری کرے اور واقف کے مقصد کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہو۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

**شرط الواقف كنص الشارع.** (شامی زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/ ٤٣٣)

**القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضی.** (شامی زکریا ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠)

**للقاضی أن يعزل الذی نصبه الواقف إذا كان خيرا للوقف......** (هنديه، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ٢/ ٢٠٩، جدید ٢/ ٣٨٠)

**ليس للسلطان ولا للقاضی أن يدخل عليه فی ذٰلک إلا أن لايصلح لذٰلک فكان الشرط باطلا ويوليها غيره وينزعها من يده.** (تاتارخانية زکریا ٨/ ٥٦، رقم: ١١١٩٤)

**إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف فإن كان فی نزعه مصلحة يجب عليه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف.** (بزازيه زکریا جدید ٣/ ١٣٤، وعلی هامش هندية ٦/ ٢٥٣)

**إن تصرف القاضی فی الأوقاف مقيد بالمصلحة ويجب الإفتاء والقضاء لكل ما هو أنفع للوقف وحيث رأى القاضی المصلحة فی عزله لتعطيل مصالح الوقف بذٰلک فقد صح عزله.** (تنقیح الفتاویٰ الحامدية ١/ ٢٠٨، محمودیه ڈابھیل ١٤/ ٣٦٦)

**قال في الأسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل المقصد وكذا**

**تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به.** (طحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۵٤٤، البحر الرائق زکریا ۵/ ۳۷۸، کوئٹه ۵/ ۲۲٦، شامی کراچی ٤/ ۳۸۰، زکریا ٦/ ۵۷۸)

**ولو كان خائنا تنزع منه ويوليه غيره.** (مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ٤ ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

## متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟

**سوال** [۷٦٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو مسجد چندہ سے بنی ہو اور متولی یہ کہے کہ مسجد ہم نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے جبکہ تمام محلّہ کی اس میں قربانی ہے تو یہ قول متولی کا کیسا ہے؟

**المستفتی:** محمد عرفان سلیم پور گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوال مذکور میں متولی کا یہ کہنا کہ مسجد میں نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے اس سے مراد اگر آخرت کا فائدہ ہے تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ حدیث

**"من بنى لله مسجدا بنى الله له فى الجنة مثله".** (صحيح مسلم، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۵۳۳)

کا مصداق ہوگا، اور اگر دنیاوی فائدہ مراد ہے تو مسجد کو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے مخصوص کرنا درست نہیں اور متولی کا قول غلط ہے حتی کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں اپنی جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے، کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔

**وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه لو مدرسا وتحته**

**فی الشامية: (وليس له) قال فی القنية: له فی المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره قال الأوزاعی له أن يزعجه وليس له ذٰلک عندنا أی لأن المسجد ليس ملكا لأحد.** (در مختار مع الشامی، كتاب الصلاة باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب: فيمن سبقت يده إلى مباح، زكريا ٢/ ٤٣٦-٤٣٧، كراچی ١/ ٦٦٢، هنديه زكريا قديم ١/ ١٠٨، جديد ١/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

# وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا

**سوال** [۷۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ادریس واقف نے ۱۹۶۰ء میں اپنی کل جائیداد وقف علی الخیر کر دیا اور تا حیات خود ہی متولی رہے اور اپنے بعد اپنی دونوں بیویوں کو متولی قرار دیا، پھر بیویوں نے اپنے بعد کے لیے واقف کی شرط کے مطابق واقف کے نواسے اور پوتے افضال احمد ولد محمد جان کو متولی بنادیا، پھر افضال احمد نے نجمہ (جو واقف کی بھتیجی اور گود پالی لڑکی تھی) کو متولیہ بنادیا، جواب تک متولیۂ کل جائیداد ہے۔

دفعہ ۷/ میں واقف نے لکھا ہے کہ جائیداد مذکورہ کا متولیانہ انتظام کر کے باقاعدہ اس کی آمدنی ومصارف کا حساب رکھوں گا اور منہائی خرچ خانگی ومرمت وانتظام وغیرہ اور بعد ادائیگیٔ کل ٹیکس وغیرہ جو رقم بچے گی اس کو بکار خیر خرچ کرتا رہوں گا، اور ہر متولی اسی طرح عامل رہے گا۔

دفعہ ۸/ میں لکھا ہے کہ اس طرح جائیداد کی خالص آمدنی میں سے غرباء ومساکین کی امداد کی جائیگی، نیز منڈی ہلدوانی میں لڑکیوں کے مسلم اسکول کو (اگر کوئی قائم ہو جائے) رقم سالانہ دی جایا کرے گی، اگر کسی وقت ہلدوانی اور مرادآباد میں مندرجہ بالا قسم کے اسکول نہ ہوئے تو متولی دوسرے اسکولوں میں زیر تعلیم غریب مسلم طالبات کو وظائف دیا کریگا، ہلدوانی

کے مسلم اسکولوں کے علاوہ متولی دیگر جگہ پر بھی مسلم اسکولوں کو سالانہ رقم دے سکتا ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ واقف محمد ادریس کی وقف کردہ جائیداد مذکورہ شرائط کے مطابق وقف علی الخیر رہے گی اور شرط کے مطابق خرچ کیا جائیگا یا اسے اب موجودہ متولیہ وقف علی الاولاد کرسکتی ہے، جیسا کہ وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر کو بدل کر وقف علی الاولاد کروالیا ہے، تو وقف علی الاولاد کروالینے کی وجہ سے واقف کی تمام اولاد کو اس میں سے آمدنی ملے گی یا صرف متولیہ کی اولاد کو آمدنی سے حصہ ملے گا، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس وقف شدہ جائیداد کو وراثت کے طور پر تقسیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں۔

المستفتی: اخلاق احمد قدوائی نگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف نامہ کی دفعات اور شرائط کو بغور پڑھا گیا اس میں متولی نے صاف لفظوں میں واضح کردیا ہے کہ مذکورہ جائیداد وقف علی الخیر ہے اور اس وقف میں ترمیم کا حق خود متولی کو بھی نہیں تھا، جیسا کہ متولی نے لکھا ہے اس لیے بعد میں لے پالک لڑکی نجمہ نے جو وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر سے وقف علی الاولاد کی طرف منتقل کرلیا ہے، یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی متولیہ کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، اور جیسا کہ وقف نامہ کے اندر منشاء وقف کے خلاف عمل ہونے کی صورت میں یا مناسب متولی کی تلاش کے لیے ہلدوانی کے جج کا مشورہ لازم قرار دیا گیا ہے، اس لیے جج کے سامنے موجودہ متولیہ کے خلاف تحریراً اپیل کرکے اس متولیہ کو معزول کردیا جائے، اور مسلمانوں کے پانچ دیانتدار افراد کے ساتھ جج صاحب کی زیر سرپرستی تولیت کی تشکیل دی جائے، اور اس کے بعد مذکورہ جائیداد جس طرح وقف علی الخیر تھی اسی طرح وقف علی الخیر کی طرف منتقل کردی جائے، اور ہلدوانی مرادآباد میں مسلم لڑکیوں کے اسکول میں خرچ کرنے کی جو شرائط ہیں ان شرائط کے تحت طالبات کے مذکورہ اسکولوں میں خرچ کیا جائے اور مرادآباد محلّہ اصالتپورہ میں بنات القریش کے نام سے اسکول چل رہا ہے، اور یہ اسکول کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور فی الحال

بھی چل رہا ہے، ہلدوانی میں مسلم لڑکیوں کا اسکول ہے، تو اس (بنات القریش) میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور اگر ہلدوانی میں نہیں ہے تو اس جائیداد کی آمدنی بنات القریش اصالت پورہ مرادآباد میں اور غریب مسلمانوں میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی شکل دینا ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی اس جائیداد کو فروخت کرنا اور اس میں مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے، بلکہ جس متولی کی سرپرستی میں وقف نامہ کی شرائط کے خلاف عمل ہوا ہے اس کو برطرف کردینا لازم ہے۔

**وفي البزازية: إن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن ولاشک فيه.** (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، مصری قديم ١/ ٧٦٢، شامی، مطلب يأثم بتولية الخائن، زکريا ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق زکريا ٥/ ٤١١، کوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازيه زکريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلی هامش الهندية ٦/ ٢٥٣)

نیز یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وقف نامہ میں متولی نے کہا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، لیکن سوال میں متولی کے نواسہ اور پوتا کا تذکرہ ہے، یہ کہاں سے آئے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ<br>
۴؍ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ<br>
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۸)

الجواب صحیح<br>
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ<br>
۱۴۲۳/۲/۴ھ

# حسب مصالح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم وتعمیر کرنا

**سوال** [۷۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر میں مسافر خانہ، مدرسہ، قبرستان وغیرہ دیگر عوامی مسلم فلاحی تعمیرات قائم کرتی ہے اور افراد کے بجائے رہبر اصول دستور وضوابط مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کو مابعد کارکنان کے لیے اس شرط کے ساتھ قابل پابندی قرار دے کر اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتی ہے کہ حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد کے منتظمین کو حاصل رہے گا، تو کیا

مذکورہ بالا قسم کی عمارتوں میں توسیع و تعمیر و ترمیمات ضروریہ کو یہ کہہ کر روکا جاسکتا ہے کہ یہ کارروائی منشاء واقف کے خلاف ہے، ضرورتِ سوال یوں پیش آئی کہ موجودہ گورنمنٹ نے اکثر فلاحی عمارتوں کو اگر کسی نے وقف میں درج کرادیں تو جائیداد موقوفہ قرار دیدیا ہے اور لفظ منشاء واقف مخالفین بطور حربہ استعمال کرسکتے ہیں جبکہ واقفِ موجودہ ادارہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد علاؤ الدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مذکورہ وقف جائیداد میں تعمیر و ترمیم کی نہایت ضرورت ہے اس کے بغیر منافع بہت دشوار ہیں اور اس جماعت کے بانی ارکان نے حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد منتظمین کو دے رکھا تھا تو اب ان عمارتوں میں تعمیر و توسیع و ترمیمات ضروریہ ان کی منشاء کے خلاف نہیں ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۳۳، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۱۴، جدید مطول ۹/۴۸۶)

**کما فی الشامیة فی الخیریة: قد صرحوا بأن الإعتبار فی الشروط لما هو الواقع لا لما کتب فی مکتوب الوقف.** (الشامی، کتاب الوقف مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۳؍۱۴۱۷ھ

## وقف علی الاولاد مکان کو متولی کا فروخت کرنا یا کرائے پر دینا

**سوال [۷۶۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب الطاف حسین مرحوم نے اپنی ایک جائیداد مکان وقف علی الاولاد کیا اور اپنی حیات تک خود متولی رہے اور اپنے انتقال کے بعد اپنی لڑکی اشفاق جہاں اور اس کے بعد اس کی لڑکی عابدہ بیگم کو متولی قرار دیا، عابدہ کے بعد اس کی اولاد ذکور واناث میں سے جو پسر

اکبر ہوگا یا بڑی دختر ہوگی متولی ہوتے رہیں گے۔

(۱) اس وقت اس مکان کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں کیا اشفاق جہاں متولیہ اس مکان موقوفہ کوفروخت کرسکتی ہیں؟

(۲) کیا متولیہ اشفاق جہاں اس مکان کو اپنی اولاد کو کرایہ پر دے سکتی ہیں اور جو آمدنی ہوگی وہ کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۳) جو اولادیں اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں وہ رہنے والوں سے کرایہ لے سکتی ہیں یا نہیں؟

(۴) اس وقت اس مکان موقوفہ کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں اور عابدہ بیگم کا انتقال ہوچکا ہے تو اب اشفاق جہاں کے بعد متولی کون ہوگا؟

نوٹ: اس مکان میں اس وقت اشفاق جہاں اور ان کی اولادوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی رہتی ہیں اور تین لڑکیاں اور ایک لڑکا باہر رہتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) اشفاق جہاں متولیہ کے لیے اور اسی طرح بعد میں آنے والے کسی بھی متولی کے لیے مذکورہ مکان موقوفہ کوفروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

**والمعلوم بالوقف من شرطه عدم البيع و نحوه.** (فتح القدير، كتاب

الوقف، دار الفکر ٦/٢٠٤، زکریا ٦/١٩٠، کوئٹہ ٥/٤١٩)

**(۲) اشفاق جہاں متولیہ اپنی اولاد کو مکان موقوفہ کرایہ پر دے سکتی ہے، اور جن لوگوں پر آمدنی خرچ کرنے کے لیے واقف نے شرط لگائی ہے وقف نامہ کی شرط کے مطابق ان مستحقین پر آمدنی کا تقسیم ہونا لازم ہے۔**

**رجل وقف داره علی قوم بأعیانهم وجعل آخره للفقراء فآجر المتولی الدار من الموقوف علیهم جازت الإجارة.** (عالمگیری، الباب الخامس فی ولایة الوقف، زکریا قدیم ٢/٤٢١، جدید ٢/٣٨٨)

**فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله أن یجعل ماله حیث شاء ما لم یکن معصیة.** (شامی زکریا ٦/٥٥٩، کراچی ٤/٣٦٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٣١-١٣٢)

**(۳) جب اشفاق جہاں متولیہ خود موجود ہیں تو آمدنی انھیں کو ملے گی، اشفاق جہاں کی موجودگی میں اشفاق جہاں کی ان اولادوں کو جو اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں آمدنی کا حصہ نہیں ملے گا، ہاں البتہ ماں جو چاہے اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو دے سکتی ہے، وہ اس کے اختیار میں ہے، البتہ اشفاق جہاں کے مرنے کے بعد مکان میں رہنے والی اولادوں سے مکان میں نہ رہنے والی اولادیں اپنے حصوں کا کرایہ وصول کرسکتی ہیں۔**

**ولو قال أرضی هذه صدقة موقوفة علی أولادی یدخل فیه البطون کلها لعموم اسم الأولاد ولکن یکون الکل للبطن الأول مادام باقیا فإذا انقرض یکون للثانی فإذا انقرض یکون للثالث والرابع والخامس فتشترک هذه البطون فی القسمة، والأقرب وإلا بعد فیه سواء.** (عالمگیری، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الثانی زکریا قدیم ٢/٣٧٤، جدید ٢/٣٦٠)

**لو قال علی أولادی یدخل فیه البطون کلها لعموم إسم الأولاد ولکن یقدم البطون الأول، فإذا انقرض فالثانی ثم من بعدهم یشترک جمیع البطون فیه علی السواء قریبهم و بعیدهم.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب لو قال علی أولادی بلفظ الجمع، زکریا دیوبند ٦/٦٩٧، کراچی ٤/٤٦٩)

(۴) جب عابدہ بیگم کا انتقال اشفاق جہاں متولیہ کی موجودگی میں ہو چکا تو وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اشفاق جہاں کی مذکر اولادوں میں جو سب سے بڑا زندہ ہے اسی کو تولیت حاصل ہوگی، لیکن آمدنی ذکور واناث کے درمیان ''وللذکر مثل حظ الانثیین'' کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک۔

**ولو جعل الولاية لأفضل أولاده وكانوا في الفضل سواء تكون لأكبرهم سنا.** (عالمگیری، الباب الخامس في ولاية الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۱۱، جدید ۲/۳۸۱)

**يعطيهم على قدر المواريث للذكر مثل حظ الأنثيين.** (تاتارخانية الفصل التاسع کوئٹہ ۵/۷۶۵، زکریا ۸/۸۲ رقم: ۱۱۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۴/۳۶) | ۱۴۲۳/۲/۱۴ھ |

# متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا

**سوال** [۷۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی دوکان ایک ہندو فوٹو گرافر کو دینا اور اس میں پوجا پاٹ ہونا جائز ہے یا نہیں، مسجد کے کرنٹ سے مسجد کے متولی صاحب اپنے گھر کی لائٹ اور ٹی وی چلاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز، مسجد کا پانی گھر میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، مسجد کی لکڑی گھر میں جلانا، مسجد کا گھنٹہ گھر میں چلانا جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کا چندہ اور کرایہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کا میٹر بند کرنا، حافظ قرآن کو جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ ثابت ہو جائے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**المستفتی:** سرفراز احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں جتنے امر لکھے گئے ہیں ان کا

ارتکاب کرنے والاسخت ترین خائن ہے، ایسا شخص فاسق ہے اس کو متولی بنانا جائز نہیں ہے اور علاقہ کے تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس شخص کو فوراً مسجد کی تولیت سے الگ کر کے کسی متبع شریعت متولی کا انتخاب کریں۔

**إن عزل القاضي للخائن واجب عليه و متقضاه الإثم بتركه و الإثم بتولية الخائن و لاشک فيه.** (مجمع الانهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمية بيروت ۲/۶۰۲، مصری قديم ۱/۷۶۲، شامی، مطلب: يأثم بتولية الخائن، زکريا ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۴۵، زکريا ۵/۴۱۱، بزازيه جديد ۳/۱۳۴، وعلی هامش الهندية ۶/۲۵۳)

نیز جھوٹ بولنا کسی کے لیے بھی عام حالات میں جائز نہیں ہے ہاں البتہ دو آدمی کے درمیان صلح کرنے کے لیے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے تو اگر مذکورہ حافظ نے صلح اور جوڑ پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور بعد میں جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا ہے تو وہ فاسق نہیں ہے۔

**عن أسماء بنت يزيد قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يحل الكذب إلا في ثلاث: يحدث الرجل امرأته ليرضيها و الكذب في الحرب، و الكذب ليصلح بين الناس.** (سنن الترمذی، باب ما جاء في إصلاح ذات البين النسخة الهندية ۲/۱۵، دار السلام رقم: ۱۹۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۱۸ھ

## متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال** [۷۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منشی محمد جان و بلقیس جہاں میرے والدین نے کچھ مکانات وغیرہ وقف علی الاولاد کیے اور ہر لڑکی لڑکے کا الگ الگ مکان مقرر کر دیا اس طرح اپنی جائیداد اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیئے گئے۔

واقف کے ایک فرزند محمد نعمان نے وقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے حصے کا وقف مکان وقف بورڈ سے اجازت بیع منسوب کر کے نہایت خفیہ اور رازدارانہ طریقے سے ایک شخص کے ہاتھ بیع قطعی کر دیا مجھ واقف کی دختر نے ان باتوں کی انکوائری کرائی اور مقدمہ لڑایا اور سیل پرمیشن جعلی ثابت کرا دی، وقف بورڈ لکھنؤ میں مقدمہ ہوا اور اس نے اجازت بیع کو جعلی بتایا اور کلکٹر کو خریدار کا قبضہ ہٹانے کا آرڈر دیا مکان خالی ہوگیا میں نے بورڈ سے معلوم کیا کہ اب نعمان جو Defaulter بن گئے ہیں ان کا اس مکان میں کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، وقف بورڈ نے صاف کہہ دیا کہ محمد نعمان کا اب ہرگز کوئی حق نہیں بنتا، اس سلسلے میں جناب عالی شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

المستفتیہ: گوہر جہاں محلہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس کی خیانت ثابت ہوجائے اس کی تولیت باقی رکھنا جائز نہیں ہے، جب محمد نعمان کی طرف سے خیانت ثابت ہوگئی اب اس کو کبھی متولی نہیں بنایا جاسکتا اور اس کے فروخت کر دینے کے بعد جتنا نقصان ہوا اور مقدمہ کا صرفہ اور خرچہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس کے حق میں سے وصول کیا جائیگا اس کے بعد وقف کی آمدنی میں سے اس کا جو حق بیٹھتا ہے وہ اس کو ملے گا مگر خود متولی اور منتظم نہیں بن سکتا، بلکہ جو دیانتدار شخص متولی ہوگا، وہی اس کا حق اس کو دیتا رہا کریگا۔

**وقف علی نفر استولی علیہ ظالم لایمکن انتزاعہ من یدہ فادعی الموقوف علی واحد منہم أنہ باع من ہذا الظالم و سلمہ إلیہ وہو منکر فأرادوا تحلیفہم ذلک (إلی قولہ) کما أن الفتویٰ فی غصب منافع الوقف بالضمان نظراً للوقف وہو اختیار مشائخنا و متی قضیٰ علیہ بالقیمۃ تؤخذ منہ القیمۃ فیشتری بہا ضیعۃ أخریٰ فتکون وقفا الخ.** (ہندیہ، کتاب الوقف الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۴۹، جدید ۲/ ۴۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ ؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۹۳)

# متولی کو مسجد پر مالکانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں

**سوال** [٧٦٧٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) ایک شخص عرصۂ دراز سے مسجد کا متولی ہے اب دیرینہ تولیت کی بناء پر مسجد کے اندر مالکانہ تسلط کا اظہار کرنے لگا، وہ اس طرح کی نہ تو کسی کو مسجد کے چندہ کے اندر حق دار بناتا ہے، اگرچہ یہاں کی عوام چندہ بنیت ثواب دینا چاہتی ہے؟

(٢) اور نہ ہی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم ہونے دیتا ہے اور نہ ہی مسجد کا کوئی حساب وغیرہ مصلیوں کے سامنے رکھتا ہے، مصلیوں کے زبردست اصرار پر بھی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کو نہیں ہونے دیتا، عوام اس حالت سے کافی پریشان ہے۔

(٣) جب ہوش مند حضرات کہتے ہیں کہ صاحب تعلیم حدیث کے اجراء کے خاطر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جام شہادت نوش فرمائے اور اب موجودہ علماء حق اس کی تگ ودو میں پسینہ بہا رہے ہیں اور فرماتے ہیں نیز تجربہ بھی بتا رہا ہے کہ اس طریقۂ تعلیم سے عوام کے اندر چند ہی روز کے اندر دینی شعور پیدا ہو جاتا ہے، اور عوام آخرت سے متعلق اپنے مستقبل سے آگاہ ہو جاتی ہے، تو متولی صاحب کا جواب یہ ہوتا ہے کہ میں کسی عالم والم کی باتوں کو نہیں مانتا، اب عوام کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسا آدمی تولیت کا حق دار ہوسکتا ہے، یا کہ نہیں نیز اس آدمی کا شریعت کے اندر کیا درجہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق**: مسجد شرعی وقف ہے اس کا متولی امین وحفیظ ہوتا ہے اگر سوال نامہ میں شخص مذکور واقعی خائن اور املاک مسجد اور مسجد میں اپنا مالکانہ تصرف جما رکھا ہے، تو مسجد کی کمیٹی اور مسلمانوں پر کسی دیانتدار متبع شرع متولی مقرر کرنا اور ایسے متولی کو معزول کر دینا لازم ہے۔

**ولو كان خائنا شرع منه.** (الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٤، قليم ٧٦١/١)

**إن عزل القاضی للخائن واجب علیه و مقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن.** (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۶۰۲، مصری قدیم ۱/ ۷۶۲، کراچی ۴/ ۳۸۰، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۴۵، زکریا ۴/ ۴۱۱)

**(۲)** مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم باعث نجات اور قبولیت اور بڑی فضیلت ہے۔

**عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ: وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله، یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم إلا نزلت علیهم السکینة و غشیتهم الرحمة، وحفتهم الملائکة و ذکرهم الله فیمن عنده الحدیث.** (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، النسخة الهندیة ۲/ ۳۴۵، بیت الأفکار رقم: ۲۶۹۹)

**(۳)** اگر علماء کی دینی باتیں پیش کرنے کی وجہ سے مذکورہ جملہ استعمال کیا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفر تک پہنچ جاوے، اس لیے اپنے اس قسم کے جملوں سے توبہ کر کے باز آنا لازم ہے۔

**(إلی) رجل عرض علیه خصمه فتویٰ الأئمة فردها وقال "جه بار نامه فتویٰ أو رده" قیل: یکفر الخ.** (عالمگیری، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، زکریا قدیم ۲/ ۲۷۲، جدید ۲/ ۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
|---|---|
| احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ | ۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ |
| ۱۴۱۱/۱/۱۲ھ | (الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۸۹) |

# سود اور مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم

**سوال** [۷۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سہس پور محلہ قاضیان کی مسجد کی آٹھ بیگہ زمین آبادی کے لیے مبلغ ساڑھے تین لاکھ روپئے میں فروخت ہوئی خریداران نے مہتمم صاحب کو مبلغ اسی ہزار روپئے بطور بیع

نامہ دیا، مہتمم صاحب نے وہ روپیہ بینک میں جمع کردیا، اتفاق سے مہتمم صاحب ایک قتل کے مقدمہ میں مشکوک ہوگئے جس کی وجہ سے بیع نامہ نہیں ہوسکا، مہتمم صاحب نے خریداران سے کہا کہ تم اپنا روپیہ مع سود کے واپس لے لو اب ہمیں زمین نہیں بیچنی ہے، لہٰذا ان کو اسی ہزار روپئے کی رقم واپس کردی، اور سود کا روپیہ ان کو نہیں دیا، جو کہ مبلغ بارہ ہزار روپئے تھا، وہ روپیہ مہتمم صاحب نے نہ تو مسجد کو دیا اور نہ خریداران کو واپس کیا جب محلّہ والوں نے تقاضہ کیا تو انہوں نے صفائی سے منع کردیا کہ نہ تو مسجد کو دینا ہے اور نہ خریداران کو، مہتمم صاحب بے نمازی اور بے عمل ہیں، مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں لگا لیتے ہیں، یہ رقم دو سال تک بینک میں رہی اب آپ کی رائے کے محتاج ہیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟

المستفتی: واصف علی محلّہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** بائع (متولی مسجد) اور مشتری کی باہم رضا مندی سے معاملۂ بیع ختم ہوجانے کی وجہ سے بیع فسخ ہوگئی اور مشتری کی اصل رقم اس کو مل چکی ہے، اور مشتری کی بطور بیع نامہ دی ہوئی رقم سے جو سود کا بارہ ہزار روپیہ جمع ہوگیا ہے وہ بہر حال سود ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ٢٧٥]﴾

اس روپیہ کو شرعاً استعمال کرنے کا حق نہ متولیٔ مسجد کو ہے اور نہ مشتری کو بلکہ اس روپئے کو بلانیت ثواب غرباء ومحتاجوں میں اس نیت سے تقسیم کردینا کہ اس کے وبال سے محفوظ رہیں واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۲۱، ڈابھیل ۱۶/۴۴۴، ۴/۲۰۳ ڈابھیل ۱۶/۳۰۱، ایضاح النوادر ۱/۹۹)

**وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ١/٣٧، دار البشائر الإسلاميه ١/٣٥٩، رقم: ٥٩)

**جو متولی مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کرتا ہے اس کو شرعاً متولی رہنے کا حق نہیں**

ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی دوسرے شخص کو جو دیندار وامانت دار ہو متولی مقرر کرلیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۲۰۸، ڈابھیل ۱۴/ ۳۶۲)

**لایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر (إلی قوله) و أن الناظر إذا فسق استحق العزل ولاینعزل، کالقاضی إذا فسق لاینعزل علی الصحیح المفتی به.** شامی کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی زکریا دیوبند ۶/۵۷۸-۵۷۹، کراچی ۴/ ۳۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/ ۱۴۱۵ھ

## واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا

**سوال** [۷۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جگہ اس شرط پر مدرسہ دینیہ کو دی کہ وہ مدرسہ قائم کریں تا کہ ان کوان کے بزرگوں کو ایصال ثواب ہو، محلّہ کے لوگوں نے اس کو قبول کرلیا اور اس میں تقریباً پندرہ بیس ہزار روپئے مدرسہ کے لگا دیئے، اب وقف کرنے والے وہ جگہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدرسہ بناؤ تو لے لو ورنہ ہم نہیں دیں گے، محلّہ والے کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے ہم چاہیں مدرسہ بنوائیں یا مدرسہ کی آمد کا کوئی مکان تعمیر کرائیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان کو دی ہوئی جگہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

**المستفتی**: ریاست علی خان بدایوں، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب شخص مذکور نے اسی شرط پر اپنی جگہ مدرسہ کو دی ہے کہ اس میں مدرسہ ہی قائم کریں گے دوسرا کام نہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر مدرسہ کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، وقف کرنے والے کو اپنی غرض وقف کے خلاف

کرنے پر روک لگانے کا حق ہے، اور غرض وقف کے خلاف تصرف کرنے والے متولی اور ذمہ دار کوشرعی طور پر تولیت اور ذمہ داری سے برطرف کرنے کا حق ہے۔

**وفی الجواهر: القیم إذا لم یراع الوقف یعزله القاضی (وقوله) أن للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالأولی.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فیما یعزل بالناظر، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠)

**فإن کان فی نزعه مصلحة، یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف.**

(بزازیه زکریا جدید ٣/ ١٣٤، و علی هامش الهندیة ٦/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۳۳/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

❋❋❋

# ٤ باب بیوع الأوقاف

## وقف کی زمین فروخت کرنا

**سوال** [۷٦٧٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی کلن مرحوم ساکن گل شہید مرادآباد نے اپنی حیات میں خرید کردہ وتعمیر کردہ جائیداد کو۱۹۳۲ء و ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد وعلی الخیر کیا جس کی عبارت کو دونوں وقف ناموں میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

وقف کیا میں نے اور جائیداد ہائے موقوفہ کو اپنے قبضہ وملکیت سے نکال کر اللہ جل شانہ کے قبضہ اور ملکیت میں دیدیا میں نے اور آج کی تاریخ سے ہی میرا کوئی وارث یا جانشین مالک ان جائیدادوں کا نہیں رہا، اور وہ تمام جائیداد ملکیت اللہ جل شانہ میں داخل ہوگئیں اور اثر زوال سے محفوظ ہوگئیں، اوراب یا آئندہ مجھ کو یا میرے وارثان کو جائیداد ہائے موقوفہ کے جز یا کل کو یا ان کی آمدنی کو بذریعۂ بیع یا ہبہ، رہن دخلی یا ضمانت بکفالت یا بالعوض دین مہر یا کسی اور طریقہ پر منتقل کا یا کسی مطالبہ کے زیر بار کرنے کا حق اور اختیار نہیں رہا۔

اس وقت جائیداد ہائے موقوفہ کی آمدنی کرایہ وارثان شرعی کو کم آمدنی کرایہ ہونے کی وجہ سے کم مل رہا ہے ایسی حالت میں ورثاء اور متولیان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کیوں نہ ان تمام وقف جائیداد کو فروخت کر کے جدید جائیداد خرید کر زیادہ سے زیادہ کرایہ پر دی جائے خرید کردہ جائیداد کو وقف ناموں کے مطابق اس پر عمل کیا جائے، تاکہ ورثاء کو زیادہ سے زیادہ آمدنی کرایہ حاصل ہو اور اس کے مطابق مصارف خیر میں خرچ کیا جائے، لہٰذا متولی یا کوئی بھی وارث اس کام کو شرعاً یا اخلاقاً کرسکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن سرائے شیخ محمود مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** محض آمدنی کم ملنے کی وجہ سے وقف کی جائیداد فروخت کرکے دوسری جائیداد لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جو کچھ مل رہا ہے اس پر قناعت کرکے وقف کی جائیدا دکو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے۔

**والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع في الجملة، وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف وشروطه، کراچی ۴/ ۳۸۴، زکریا ۶/ ۵۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۰۲)

# زیادتیٔ آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا

**سوال [۷۶۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی زمین یا مکان کسی مدرسہ یا مسجد کے لیے وقف کی گئی جس سے وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ ہے اور اس سے بذریعۂ کاشت یا کرایہ آمدنی بھی ہورہی ہے لیکن اگر اس کو فروخت کرکے اس رقم سے کسی دوسری جگہ اچھی کوئی مکان یا دوکان بنا کر اس کو کرایہ پر چڑھایا جائے تاکہ پہلے کے مقابلے پر آمدنی زائد حاصل ہوسکے، یا پھر اس رقم سے اسی مسجد میں کوئی درسگاہ یا کمرہ اور اسی مسجد کا کوئی حصہ بنادیا جائے، تاکہ وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ بھی پورا ہوسکے، اور آمدنی بھی بڑھ جائے یا مدرسہ اور مسجد کی ضرورت بھی پوری ہوجائے، اس مقصد سے اس موقوفہ جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**المستفتی:** عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں موقوفہ زمین

اورمکان قابل انتفاع ہیں اس لیے محض نفع کی زیادتی کی غرض سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

**والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤)

**(وقوله) بل اتفق أنه أمکن أن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه مع کونه منتفعا به فینبغی أن لایجوز لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة.** (شامی کوئٹه ٣/٤٢٧، کراچی ٤/٣٨٨، زکریا ٦/٥٨٩، فتح القدیر، مطبوعه دار الفکر لبنان ٦/٢٢٨، کوئٹه ٥/٤٤٠، زکریا ٦/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

# ناقابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا

**سوال** [۷۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ میمونہ نے اپنی حیات میں تقریبا اپنی چار بیگھہ زمین مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی کے نام وصیت کردی تھی، مدرسہ اب تک اس پر قابض بھی ہے لیکن اس زمین کے قرب وجوار کے لوگوں سے اس زمین پر قابض ہونے کا سخت خطرہ ہے، وہ زمین فی الحال انہیں لوگوں کی کرایہ داری میں ہے، لیکن مدرسہ رحمانیہ کو کرایہ کے نام پر کوئی پیسہ نہیں دیتے ہیں، اب اس زمین کے مدرسہ کے قبضہ سے نکلنے کے خطرہ کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو کرایہ نہ ملنے کی بناء پر بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے، ان وجوہات کی بنا پر مدرسہ رحمانیہ کی منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس زمین کو بیچ کر واقف کے نام مدرسہ رحمانیہ میں کمرہ یا درسگاہ تعمیر کرادی جائے تاکہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، تو کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟ تحریر فرمائیں۔

نیز بتلائیں کہ اگر کوئی وقف ناقابل انتفاع ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کے عوض

دوسری زمین اس رقم سے خرید کر وقف قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور صاحب مہتمم جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جبکہ مذکورہ زمین موقوفہ مدرسہ رحمانیہ کے حق میں بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے تو منتظمہ کا مذکورہ فیصلہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

**والثاني أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح.** (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، مطبوعه کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳)

**وصح شرط أن يستبدل به أي بالوقف غيره أي يبيعه و يشتري بثمنه أرضا أخرىٰ إذا شاء عند أبي يوسف استحسانا لأن فيه تحويله إلى ما يكون خيرا من الأول أو مثله فكان تقريراً لا إبطالا فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها.** (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۲۲)

# مسجد کی زمین کو فروخت کرنا

**سوال** [۷٦۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک قطعۂ مکان کا مالک ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اس کے ورثاء میں صرف بھتیجے ہیں اس نے اپنی زندگی میں سلامتیٔ ہوش وحواس بھتیجوں کو نہ دے کر اپنا سارا حصہ مسجد کو وقف کر دیا ہے لیکن مسجد اس پر ابھی تک اپنا قبضہ ودخل نہیں کر سکی ہے، بھتیجے اس وقف پر راضی نہیں ہیں، کیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس وقف کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذاکر حسین، محلّہ دانگ محمد علی روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** سوالنامہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے، سوالنامہ میں مسجد کو وقف کرنے کا ذکر ہے، اور ۲۲/ رجب ۱۴۳۳ھ میں وقف نامہ کہہ کر اس کا جواب لیا گیا ہے، اوراب جبکہ وقف نامہ منگوایا گیا تو ثابت ہوا کہ وقف نامہ نہیں ہے بلکہ رجسٹری بیع نامہ ہے کہ مسجد نے مذکورہ مکان خریدا ہے لہٰذا مکان کا وہ حصہ جس کی رجسٹری مذکور ہے وہ شرعی طور پر مسجد کی ملکیت ہے، اور جن لوگوں کا قبضہ اس مکان پر ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کو قبضہ نہیں مل پا رہا ہے اور قابض لوگ اس کو خرید کر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں تو اس کی مناسب قیمت متعین کر کے مسجد اس کو فروخت کردے اور اس پیسہ کے ذریعہ سے مسجد کے لیے کوئی مناسب جائیداد خرید لی جائے جس سے مسجد کے لیے آمدنی کا سلسلہ جاری رہے، تو اس طرح کرنے کی ضرورتاً گنجائش ہے۔

**مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرىٰ خيرا وبالعكس لايجوز.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب: في شروط الاستبدال، كراچی ٤/٣٨٦، زكريا ٦/٥٨٦)

**مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لايجوز.** (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۷)

## تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا

**سوال** [۷۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی جائیداد وقف علی الاولاد ہو تو کیا اس کو بیچا جا سکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟

المستفتی: منصور احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** وقف کامل ومکمل ہوچکنے کے بعد اس کا فروخت کرنا ہبہ کرنا، گروی رکھنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں ہے، اگر فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والا سخت ترین گنہگار ہوگا اور عقد بیع فسخ کرنا لازم ہوگا۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

**فإذا تم و لزم لا يملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن.** (الدر المختار، كتاب الوقف مطلب: مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ كراچی ٤/٣٥٢، زكريا ٦/٥٣٩)

**إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه.** (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٦٤٠، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۸)

# موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک چوپال جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ وتعلیم ودینیات اردو لگ بھگ عرصہ پچاس ساٹھ برس پیشتر سے ہورہی تھی، جب کہ اس بستی میں کوئی مسجد ودینی مدرسہ نہیں تھا یہ جگہ چند لوگوں کی ملکیت تھی، جس کو ان لوگوں نے مستقل طور پر نماز پنج گانہ وجمعہ وتعلیم دینی کے لیے وقف کررکھا تھا، اب چند سال سے مسجد بھی اسی محلّہ میں قائم ہوگئی ہے جس میں نماز پنج گانہ و جمعہ ہورہا ہے، نیز زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے چونکہ اس چوپال کے بغل میں ایک پنڈت کامکان ہے جس کے دینیات کے سکھلانے میں حارج ہونے کا امکان تھا، نیز جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے ایک صاحب خیر نے اپنی مقبوضہ گرام سماج کی زمین کو وقف کردیا جس میں مدرسہ کی کچھ عمارت پختہ بلا چھت کے قائم ہے، اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اب مذکورہ چوپال خالی پڑی ہے جبکہ یہ طے ہوا تھا کہ یہ جگہ مدرسہ ہی میں وقف رہے گی اور مدرسہ کے ہی کام میں خرچ ہوگی، اب اس چوپال کے بیچنے کے بچار میں ہیں، مسلمان (بالخصوص جن لوگوں نے وقف کیا تھا ان میں بعض باحیات ہیں اور بعض فوت ہوگئے ہیں لیکن ان کے ورثاء) لہٰذا بالتفصیل واضح فرمائیں کہ اس موقوفہ چوپال جس میں برسہا برس سے پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ اور تعلیم دینیات ہوتی چلی آرہی تھی، بعدہٗ چند سالوں سے خالی پڑی ہے، اس کی بکری (فروختگی جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی رقم مدرسہ میں یا مسجد میں یا ان دونوں جگہوں میں سے کس جگہ استعمال کی جائے نیز اس کی فروختگی مسلم کے ہاتھ کی جاسکتی ہے یا غیر مسلم کے ہاتھ بھی کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد اسلم مدرسہ ضیاء العلوم سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب زمین ایک مرتبہ وقف ہوچکی ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی ملکیت ہوگئی اس کو بلا عذر شرعی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غرض واقف کے مطابق اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لانا لازم وضروری ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، وکان یقال له ثمغ وکان نخلا، فقال عمر: یا رسول الله! إنی استفدت مالا

**وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷٦٤)

**وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه .** (هدايه، كتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ٦٤٠، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۳٥٠، جدید ۲/ ۳٤٦، بدائع زکریا ٥/ ۳۲٦، فتاویٰ خانیة زکریا ۳/ ۱۹۹، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/ ۲۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۷)

# موقوف زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا

**سوال** [۷۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ اسلامیہ معارف العلوم قصبہ سہس پور بجنور یوپی ہند کی تقریباً ۳۰ رسال سے ایک موقوفہ زمین پڑی ہے اس سے مدرسہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تک کوئی پیسہ اس سے مدرسہ کو نہیں ملا اور آئندہ بھی اس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نہیں، اب مدرسہ کے ذمہ داران یہ چاہتے ہیں کہ اس موقوفہ زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے قریب کی ایک زمین لی جائے جس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچے گا، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

**المستفتی:** امیر احمد سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر موجودہ حالت میں موقوفہ زمین موقوف علیہ یعنی

مدرسہ کے لیے کسی قسم کے فائدہ کا باعث نہیں ہے اور اس سے کوئی پیسہ حاصل نہیں ہورہا ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو وہاں تعمیر کی ضرورت ہے تو ایسی بے فائدہ حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی پوری قیمت سے ایسی زمین خرید کر مدرسہ کے نام رجسٹری کردینا جائز ہوگا جس سے مدرسہ کو فائدہ اور آمدنی پہنچتی ہو، نیز اس کا خیال رکھنا لازم ہے کہ جو زمین خریدی جائے اس کی مدرسہ کے نام پر رجسٹری کروالی جائے نیز یہ بھی لازمی شرط ہے کہ یہ سارا کام کمیٹی کی متفقہ رائے سے ہو۔

**والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف وشروطه، کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۲۰)

# مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سرکار سے زمین خریدی کچھ مدت تک اس زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے بعد مسجد کے نام پر وقف کردیا، مسجد والے اس زمین کی پیداوار غلہ کو فروخت کر کے مسجد میں صرف کرتے رہے لیکن اب اس زمین کو فروخت کر کے محلّہ کی اس مسجد کی تعمیر کو مکمل کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے وہ وقف کی گئی تھی، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل دے کر وضاحت فرمائیں کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟

**المستفتی**: محمد یاسین گوپال پور بھاگل پور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر اس مسجد کی ملکیت میں نہیں دی ہے بلکہ اس مسجد کے نام سے وقف کیا ہے تاکہ اس کے منافع سے مسجد کو فائدہ پہنچتا رہے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کی رقم اسی مسجد ہی میں خرچ ہوتی ہو اس لیے کہ فروخت کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔

**إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| الجواب صحیح | کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ |
|---|---|
| احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ | ۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ |
| ۱۴۱۸/۳/۴ھ | (الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۰) |

# مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ سعیداً جولا ولد تھیں ۱۹۴۴ء میں اپنا ایک مکان مسجد نیازیان امروہہ کے لیے وقف کر دیا جو اس وقت منہدم ہو چکا ہے اس موقوفہ مکان کا سرکاری کاغذ جو سعیداً نے وقف کرتے وقت مسجد کے لیے لکھا تھا موجود ہے، بیس سال سے جو کرایہ دار اس میں رہتا تھا بیس سال سے اس نے اس کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا، کرایہ ۱۲؍روپیہ ماہانہ مقرر ہوا تھا کرایہ دار اس منہدم مکان کو ترک کر کے دوسرے مکان میں رہنے لگا یہ موقوفہ مکان ایسے چند مکانوں میں سے ایک ہے جن کا راستہ مشترک ہے، اسی درمیان شاہنواز نامی ایک شخص نے مسجد کے نمازیوں اور متولی سے پوچھے بغیر اس موقوفہ مکان کی تعمیر کرانی شروع کرادی، مسجد کے اکثر نمازیوں نے میٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مکان مذکور نہ تو شاہنواز صاحب کو دیں گے اور نہ گذشتہ کرایہ دار کو یہ مکان مسجد سے ہٹ کر ذرا فاصلہ سے ہے دونوں طرف (شاہنواز اور گذشتہ کرایہ دار) کے درمیان تنازع شدید ہے، مسجد کے اکثر نمازی متولی سمیت مکان

مذکور کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرکے اس کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا چاہتے ہیں کیا مسجد کے نمازی ایسا کرسکتے ہیں یعنی یہ مکانِ موقوف فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اگر یہ مکان فروخت نہیں ہوگا تو کوئی بھی اس کو اپنے قبضہ میں لے لے گا؟

المستفتی: محمد عبداللہ امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت کے بغیر شاہنواز کا اس موقوفہ زمین میں تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی پرانا کرایہ دار کے لیے جائز ہے بلکہ ذمہ داران مسجد ہی مسجد کی مصلحت اور منافع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں گے نیز اس کو فروخت کرکے اس کا پیسہ مسجد میں لگانا اس کے وجود کو وقف سے ختم کردینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد کے زیر تحت مکان یا دوکان کی شکل میں مسجد کی کل آمدنی کا ذریعہ بنایا جائے اور ذمہ داران مسجد پر اس کی حفاظت لازم ہے۔

**وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع، ليس له ذلك.** (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ۸/۶۶ رقم: ۱۱۲۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۹۲/۳۳)

## مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟

**سوال** [۷۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موتی مسجد ٹانڈہ کا ایک باغ ہے جو کہ وقف ہے مسجد کے پاس کوئی نقشہ آراضی لمبائی چوڑائی کا نہیں ہے وقف کرنے والا، ایک زمانہ ہوا، انتقال کر چکا ہے، سرکاری تحصیل کے نقشہ سے معلوم ہوا کہ کچھ آراضی وقف ہٰذا کی دوسرے کے قبضہ میں ہے، سابق متولی حاجی سبطہ نبی مرحوم نے عدالت میں دعویٰ کردیا مقدمہ مسجد کے حق میں طے ہو

گیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پنچایتی طور پر مسجد کو آراضی کا معاوضہ دلوا دیا جائے اور آراضی قبضہ دار سے خالی نہ کرائی جائے، قبضہ دار کے حق میں چھوڑ دیا جائے تو کیا از روئے شرع مقتدیان مسجد کو پنچایتی طور پر آراضیٔ مسجد کو چھوڑ دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ متولیٔ مسجد کو جو کہ وقف کرنے والوں کا پڑپوتا ہے کیا قبضہ دار سے زمین کا معاوضہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء النبی متولی مسجد موتی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مقدمہ میں کامیابی حاصل ہوجانے کے بعد اگر آئندہ وقف کی مذکورہ زمین کے ضائع ہوجانے اور دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا زمین ہی وقف کی شکل میں باقی رکھنا لازم ہوگا لہٰذا اگر بآسانی زمین ہی وصول ہوسکتی ہے تو معاوضہ وصول نہ کیا جائے، کیونکہ واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتی ہے۔

**صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ.** (شامی کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

لہٰذا زمین ہی واپس لے لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

# مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی موقوفہ آراضی جو کسی وقت قابل کاشت تھی اب اس کے چاروں طرف رائس ملز کے بن جانے سے قابل انتفاع نہیں رہی، اہل محلّہ کی خواہش ہے کہ اس آراضی کو

فروخت کر کے کسی اور جگہ آراضی خرید لی جائے، معلوم کرنا یہ ہے کہ اس طرح کی تبدیلی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ چونکہ آراضی کی مالیت تو رائس ملز کے درمیان واقع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے مگر کاشت ہونا بند ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہوگئی اور فروختگی کی صورت میں آراضی دوگنا بڑھ جائے گی، اور آمدنی بھی بہتر ہو جائے گی، امید ہے کہ جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔

**المستفتی:** مولانا عبدالغفور صاحب ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مذکورہ آراضی سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہورہی ہے تو اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی آمدنی کے لیے کوئی دوسری اچھی زمین خرید لینا اور مسجد کے نام وقف کر دینا جائز اور درست ہے، البتہ مسجد کی کمیٹی کی اجازت بھی اس میں لازم ہے۔

**والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز وعلى الأصح، إذاكان بإذن القاضي.** (شامی، كتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، كوئٹه ٣/٤٢٤، كراچی ٤/٣٨٤، زكريا ٦/٥٨٣، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٣، زكريا ٥/٣٧٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۲)

## مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا

**سوال** [۷۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ زمین جو مسجد کی ہے باپ دادا کے زمانہ سے متولی کے نام سے چلی آرہی ہے، متولی اس کو فروخت کر کے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرانا

چاہتا ہے آیا ایسی زمین فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: مسجد کی مذکورہ زمین بیکار پڑی ہے آبادی کے قریب ہے اور تالاب کے کنارے ہے اس آراضی سے لوگ مٹی کھودتے ہیں کچھ حصہ تالاب ہو گیا ہے تو اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد حاصل شدہ رقم سے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حامد علی، خادم ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین سے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین خریدنا جائز ہے جس سے مسجد کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے لیکن فروخت شدہ زمین کی قیمت اور پیسہ کو تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

**سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی بیعها و یشتری بثمنها أخریٰ قال نعم (إلی قوله) وإذا صار الوقف بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره.** (فتح القدیر، کتاب الوقف فصل و إذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه، دار الفکر بیروت ٦/ ٢٣٧، کوئٹه ٥/٤٤٧، زکریا ٦/٢٢٠، بنایة قدیم ٢/١٠٧، جدید اشرفیه دیوبند ٧/٤٥٩، هکذا فی البحر کوئٹه ٥/٢٥٢، زکریا ٥/٣٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۸ھ

## کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جاسکتا؟

**سوال** [۷۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تینتالیس سال قبل یعنی ۱۹۵۵ء میں پورے عوام الناس کی اتفاق رائے

سے چار گھڑ زمین تعمیر کے لیے خریدی گئی، ابھی تعمیر زیرغور رہی تھی، کہ عرصہ پانچ سال گذر گیا، دریں اثناء زید نے اپنی متنازعہ زمین میں سے ایک گھڑ زمین تعمیر مسجد کے لیے وقف کردیا جو مجوزہ چار گھڑ سے کافی دور الگ ہے، باتفاق رائے زید کی دی ہوئی زمین ایک گھڑ پر کچے گارے کی کھپڑاپوش مسجد تعمیر ہوگئی، تقریباً چالیس سال سے باقاعدہ پانچ وقت کی نماز واذان جمعہ قائم ہے دریں اثناء مجوزہ چار گھڑ مسجد کی زمین اتفاق رائے سے بکر کو ایک بیگھہ زمین کے بدلے دیدی گئی جس میں انہوں نے مکان تعمیر کرلیا، ایک بیگھہ زمین کی آمدنی مسجد موجودہ کے فنڈ میں آتی ہے اوراب چالیس سالہ قائم کی ہوئی کچی مسجد سے پچھّم تقریباً چالیس گز کی دوری پر جبریہ دوگھڑ زمین خرید کرایک پختہ مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے جو زیرتعمیر ہے، باربار ایسا کرنا کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے؟ اورکون سی مسجد صحیح ہوگی؟

المستفتی: محمد رستم علی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جوزمین مسجد کے لیےوقف ہوچکی ہےاوراس میں کچی تعمیر کرکے نمازیں بھی شروع ہوچکی ہیں وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کی رہے گی قیامت تک مسجد کے علاوہ اس زمین کوکسی دوسرے کام میں لانا جائزنہیں ہے، پختہ مسجد اسی زمین پر بنانی چاہیے۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق...... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى.** (در مختار، کتاب الوقف قبیل مطلب: فیما لو خرب المسجد او غیره، زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۱۹ھ

# مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم

**سوال** [۷۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر نیچر یال ضلع عادل آباد محلہ رحمت نگر میں ۱۹۸۴ء میں ایک دینی درسگاہ بچوں کی تعلیم کے لیے بنوائی گئی تھی، یہ درسگاہ جو سیمنٹ کے ٹین شیڈ سے بنائی گئی تھی، جامع مسجد کافی دور ہونے کے باعث ہم تمام اہلیان رحمت نگر اس میں پنج وقتہ نمازیں وجمعہ وغیرہ بھی ادا کرنے لگے اور آج تک مستقل ادا کررہے ہیں اور اس کا نام مسجد نورین دے دیا لیکن یہ عمارت شہر سے بالکل ہٹ کر متصل آبادی کے ایک نشیبی جگہ پر واقع ہے، جو ایک چھوٹی ندی کا ساحل بھی ہے قریب ہی گوداوری ندی واقع ہے، زیادہ بارش ہونے کی صورت میں طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور تقریباً ۴ رفٹ اونچائی تک ہوجاتا ہے پانی ختم ہونے تک دو تین دنوں تک اس میں نماز ادا نہیں کرسکتے، اس لیے اہلیان محلّہ ومصلیان مسجد کا ارادہ ہے کہ اس ٹین شیڈ کو صرف مدرسہ کی حد تک رکھ کر مسجد کہیں اندرون محلّہ اونچے مقام پر تعمیر کرلیں اس پریشانی کے باعث اس عمارت جس کا نام مسجد نورین دیدیا گیا ہے یہ مدرسہ میں منتقل کرکے دوسری جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر عمارت مذکورہ کو مدرسہ میں منتقل کرنا ناجائز ہے تو پھر اس پریشانی میں کیا کریں، جبکہ بارش کے ایام میں پانی مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کی عمارت متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ کئی دنوں تک ہم لوگ اس میں نماز بھی ادا نہیں کرسکتے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید مصطفیٰ علی رحمت نگر ضلع عادل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اگر مذکورہ عمارت مسجد کی نیت سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ ضرورت کی بناء پر وہاں نماز کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں ذمہ داران نے اس کو ہمیشہ کی مسجد میں تبدیلی کی نیت کی ہے بلکہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے جمعہ وپنج گانہ نماز

اس میں ادا کی جارہی ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہے اس کو دوسری ضروریات کیلئے منتقل کرنا جائز ہوگا لیکن اگر تعمیر کے وقت مسجد کی نیت کی گئی ہے یا بعد میں مسجد میں منتقل کرنے کی نیت کی جاچکی ہے تو پھر اس کو کسی دوسری چیز میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ مسجد ہی رہے گی اب لوگ خود اس بارے میں خود غور فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

**لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلك لم يصدق.**

(در مختار، كتاب الوقف قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۰)

# تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں ایک پرانی مسجد ہے جس کی پرانی عمارت کو توڑ کر از سرنو بنانے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے مگر غربت کی وجہ سے بستی والوں کو اتنی مالی قدرت نہیں ہے کہ باہمی چندہ دے کر اسے جدید بنا سکیں، اس لیے مسجد کے متولی صاحب نے ساری بستی والوں سے مشورہ کرکے مسجد کی وقف زمینوں میں سے دو زمینوں کو بیچ دیا اور اسی روپیہ سے تجدید کے کام کو شروع کیا، مذکورہ دونوں زمینوں کو ایک مسلمان نے وقف کیا تھا، جن کا بہت برس پہلے انتقال ہو چکا ہے، اور حال میں مرحوم کی نہ کوئی اولاد باقی ہے نہ کوئی ہم عمر نہ کوئی ایسا شخص جس سے ہم یہ بات معلوم کرسکیں کہ مرحوم نے دونوں زمینوں کو عدم فروخت کی شرط پر وقف کیا تھا، یا مطلقاً مسجد کی اعانت کے لیے وقف کیا تھا، پھر دونوں زمینوں میں سے ایک زمین مسجد سے بہت دور ایک پہاڑی بستی میں تھی، جس کی کوئی رجسٹری وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھی صرف زبانی ہبہ مسجد کے نام تھا، وہاں کے لوگ اسے خالی پاکر آباد کرتے تھے، اور ہر سال کچھ غلہ مسجد

کو دیتے تھے، اگر کبھی اس کو آباد کرنے والے یا ان کے بعد ان کی اولاد اپنی زمین ہونے کا دعویٰ کرے اور ہماری ہونے کا انکار کردے تو ہم اس زمین کو واپس لینے میں ناکام ہو جائیں گے۔

اسی طرح اگر انہوں نے اسے بیچ ڈالا تب بھی کوئی چارہ نہیں، کیونکہ زمین کی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے، اور قوت بازو بھی وہاں کار آمد نہ ہوگی، اس لیے ہم نے اسے آباد کرنے والوں کے ہاتھ بیچ دیا اور دوسری زمین جو ہم نے بیچی تھی وہ ایک مدرسہ کے قریب تھی مدرسہ کا میلا پانی اور بیت الخلاء کی نالی اس زمین کے کنارے پر ہے جس کی وجہ سے زمین سال بھر گندے پانی سے بھری رہتی ہے اور وہاں کھیتی وغیرہ کرنے کا بندوبست نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ سالہا سال سے بیکار پڑی ہوئی تھی، اس لیے ہم نے مدرسہ والوں کے ہاتھ زمین کو بیچ دیا انہوں نے خرید کر اسے میلے پانی کیلئے چاہ بنا دیا تو دونوں زمینوں کو بیچ کر ہمیں ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ملا جو سارا روپیہ تجدید کے کام میں صرف ہو گیا صرف بیس ہزار روپیہ اب تک باقی ہے، جو بقیہ کام میں خرچ ہوگا، اب ہم خدام اس ارشاد گرامی کے انتظار میں ہیں کہ:

(۱) مذکورہ علت پر ہمارا ان دونوں زمینوں کو بیچنا جائز ہوا یا نہیں اور اس روپیہ کو تجدید کے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہوا تو اب اس جبرِ نقصان کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ایک لاکھ روپیہ کو باہمی چندہ سے جمع کرنا بستی والوں کی طاقت سے باہر ہے؟

(۳) اس جدید مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اندرونی صحن کی آدھی تعمیر اسی روپیہ سے ہوئی ہے، اور بقیہ آدھا صحن اب تک پرانا ہے، اور جب پورا صحن اسی روپیہ سے بنے گا تب ادائے نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(۴) بقیہ روپیہ کو تجدید کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں یا اور کچھ کرنا ہے؟

المستفتی: مسٹر محمد کرامت علی متولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱-۲) جن دو زمینوں کا سوالنامہ میں ذکر ہے ان میں سے پہلی والی زمین سے مسجد کے منافع کا سلسلہ جاری تھا، لیکن کاغذی اور سندی

اعتبار سے مسجد کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لیے زمین کے بارے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ذمہ داران مسجد سرکاری طور پر اس زمین کو رجسٹری کرالیتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اس زمین کو فروخت کردیا گیا، لہٰذا اب اہل مسجد پر لازم ہے کہ جتنے پیسے میں اس زمین کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر کی ہے اتنے پیسے میں دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرالیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس زمین کے منافع مسجد کے لیے آتے رہیں، اگر فی الحال گنجائش نہیں ہے تو آئندہ دیر سویر یہ کام کرنا اہل مسجد پر لازم ہے۔

اور دوسری زمین کی حیثیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد کے منافع سے خارج ہوچکی ہے، تو ایسی زمین کے بارے میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین مسجد کے نام سے خرید کر رجسٹری کرالی جائے جس سے مسجد کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہے، مگر یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس پیسہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کردیا گیا، لہٰذا اب ذمہ داران مسجد پر یہ بات لازم ہے کہ دیر سویر مسجد کے نام سے چندہ جمع کرکے اتنے پیسہ سے دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرالیں جتنا پیسہ فروخت شدہ زمین کا مسجد کی تعمیر میں خرچ ہوچکا ہے۔

(۳) جب یہ بات طے کرلی جائے گی کہ وقف شدہ زمین کی قیمت جو مسجد میں لگائی گئی ہے اتنی قیمت کی دوسری ایسی زمین مسجد کے نام خرید کر رجسٹری کرادی جائے گی جو مسجد کے لیے نفع مند ہو اور اس کے منافع مسجد کے لیے ہوں اور یہ بات باضابطہ تحریر میں بھی آجائے اور اس سلسلے میں کوشش بھی شروع کردی جائے تو تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی۔

(۴) جو روپیہ بچا ہوا ہے اس کو آگے کی تعمیر میں خرچ نہ کیا جائے، بلکہ زمین خریدنے کے لیے باقی رکھا جائے

**والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلق المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم**

**وأبقى و أغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكن ولايخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره.** (شامي، كتاب الوقف مطلب في شروط الاستبدال، كراچی ٤/٣٨٦، زكريا ٦/٥٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۹۴/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۹ھ

# تعمیری ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا

**سوال** [۷۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری مسجد (مسجد قریشیان) کا ایک مکان ہے جس کو مسجد نے خریدا ہے اور اس کا بیعنامہ بحیثیت متولی متولی مسجد کے واسطے مسجد کے نام ہے اب کمیٹی تعمیری ضرورت کے پیش نظر اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے، تو کیا اس کو فروخت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مکان خریدا ہوا ہے، وقف نہیں ہے اور فروختگی کے لیے اعلان کرنا ضروری ہے یا خاموشی سے بیچنا صحیح ہے؟

(۲) اس مکان کو پہلے مکان مالک نے زید کے ہاتھ فروخت کیا مگر ایفائے وعدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بیع کا معاملہ ختم ہوا اور مسجد کے نام چندہ کے ذریعہ سے کمیٹی نے خریدا تو کیا یہ خریدنا صحیح ہے؟

(۳) اس مکان پر زید قابض ہے مسجد نے نہ اس کو کرایہ پر رکھا ہے اور نہ ہی اس کو کرایہ کی رسید دی جاتی ہے اور زید مکان خالی نہیں کر رہا ہے، تو ایسی شکل میں مسجد کی کمیٹی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۴) کمیٹی مسجد اس مکان کو مسجد کے لیے اپنے آپ کو جھگڑا سے بچا کر اس زید کی خاطر کل مالیت کی تہائی رقم لے کر اس کو فروخت کر سکتی ہے، جبکہ دوسرے خریدار کل مالیت کی نصف یا اس سے بھی زیادہ رقم دینے کیلئے آمادہ اور تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ مکان ہمارے نام فروخت کرو ہم مسجد کے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم دیں گے، اب کمیٹی تہائی پر

فروخت کرسکتی ہے یا اس سے زائد رقم دینے والے کے ہاتھ فروخت کرنا یا مکان عدالت کے ذریعہ سے خالی کرا کر بڑی رقم سے بیچنا ضروری ہے؟

(۵) بعض ممبران کمیٹی کہتے ہیں کہ عدالت کی کیا ضرورت ہے، مسجد کا مکان ہے کون پریشان ہوگا اور بعض مصر ہیں اب کونسی راہ اختیار کی جائے؟

(۶) اگر کمیٹی مسجد اپنے آپ کو جھگڑے یا عدالت کی پریشانی سے بچا کر مسجد کا مکان بہت کم قیمت میں فروخت کردے یا مسجد کی آراضی کی دیکھ بھال نہ کرے تو کیا اللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی کیا اس کے لیے کوئی زبردست وعید ہے؟

المستفتی: کمیٹی مسجد قریشیان، محلّہ رانڈ ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) جب مسجد نے اس کو خریدا ہے تو بوقت ضرورت مسجد اس کو فروخت بھی کرسکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ کم قیمت میں فروخت نہ کیا جائے جس سے مسجد کا نقصان ہو، نیز فروخت کرنے کے لیے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قیمت بڑھانے کے لیے اعلان کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

**لابأس ببيع من يزيد الخ.** (هدايه، كتاب البيوع باب البيع الفاسد فصل فيما يكره، اشرفی دیوبند ۳/۶۶)

(۲) زید کے ساتھ معاملہ ختم ہو چکنے کے بعد اگر مسجد نے خریدا ہے تو عقد صحیح ہو چکا ہے اور زید پر لازم ہے کہ مسجد کا مکان فوراً خالی کردے اگر زید نے صاحب مکان کی شرائط پوری نہ کرسکنے کی وجہ سے خریدا نہیں ہے، اور مسجد نے شرائط پوری کر کے خریدا ہے یا صاحب مکان نے اپنی طرف سے مسجد کے حق میں کچھ رعایت کی ہے پھر مسجد نے خریدا ہے تو یہ بیع بھی ''من یزید'' کے دائرہ میں داخل ہوکر صحیح ہوگئی ہے۔

**وأما إذا لم يركن أحدهما إلى الآخر فهو بيع من يزيد.** (هدايه، اشرفی دیوبند ۳/۶۶)

(۳) جب مسجد نے زید کو کرایہ پر نہیں دیا ہے تو زید کا اس مکان پر قبضہ جمائے رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بغیر إذنه.** (قواعد الفقه ۱۱۰)

(۴) پہلے کمیٹی کے لوگ اس کا خیال کریں کہ اگر اپنا مکان ہوتا تو اتنی کم قیمت میں فروخت کردیتے یا نہیں جبکہ مسجد کی جائیداد کی اپنی ذاتی جائیداد سے زیادہ حفاظت کرنا لازم ہے اس لیے کم قیمت اور مسجد کو نقصان پہنچا کر فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا لازم ہوگا۔

**فلایجوز بالأقل أی لایصح إذا کان بغبن فاحش.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: لایصح إیجار الوقف، کراچی ٤/٤٠٢، زکریا ٦/٦٠٨)

(۵) اگر عدالت کے ذریعہ خالی کرانے میں مسجد کا فائدہ ہے تو عدالت مجاز سے رابطہ قائم کرنا لازم ہوگا۔

(۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسجد کی جائیداد کے لیے عدالت کی کیا ضرورت ہے؟ تو نقصان کی صورت میں وہ اپنی ذاتی جائیداد کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں گے؟

(۷) اگر موجودہ کمیٹی کو مسجد کی جائیداد اور مالیت کی حفاظت از خود یا عدالت مجاز کے ذریعہ سے نہیں کرسکتی تو ان کو دست بردار ہونا چاہیے، اور جو لوگ اس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۷) | ۱۴۱۷/۳/۱۱ھ |

## مسجد کے پرانے ملبے کا حکم

**سوال** [۷۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی مسجد کی تعمیر نو کی جائے تو اس کے پرانے ملبے جیسے اینٹ روڑہ مٹی

وغیرہ کو کہیں بھی پھینکا جاسکتا ہے یا اس کے لیے کوئی شرط ہے؟

(۲) پرانے سامان میں سے لوہا چوکھٹ، کواڑ وغیرہ جو موجودہ تعمیر میں کام نہ آرہے ہوں تو کیا ان کو فروخت کرکے اس کا پیسہ موجودہ تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: صمد الٰہی محلہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) مسجد کے پرانے پتھر اینٹ روڑہ مٹی وغیرہ جو مسجد کے کسی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے وہ بھی قابل احترام ہیں، اس لیے ان کو ایسی جگہ پھینکنا کہ جس سے بے ادبی لازم آئے مناسب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو فروخت کردیا جائے کہ جو بیت الخلاء و پیشاب خانہ کے علاوہ عمارت کے دوسرے کام میں لے آئے اور اگر فروخت نہ ہوسکے تو ایسی جگہ پر ڈال دیں جہاں ناپاکی وغیرہ کی وجہ سے بے ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/ ۱۹۷، جدید زکریا ۹/ ۱۵۲)

**ولاترمی براية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد و كناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم.** (در مختار على الشامی، کتاب الطهارة کراچی ۱/ ۱۷۸، زکریا ۱/ ۳۲۲)

(۲) مسجد کی چوکھٹ، کواڑ وغیرہ متولی اور کمیٹی مسجد کی اجازت سے فروخت کرکے اس رقم کو مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے، لیکن لینے والے کو یہ ہدایت کردی جائے کہ اس کو بیت الخلاء و پیشاب گھر میں استعمال نہ کرے تاکہ سوء ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۷۳)

**ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج وقدمنا أنه لافرق بين المتولي والحاكم فى الإجارة والتعمير فكذا فى النقض قال فى الهداية: و إن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى مرمة صرفا للبدل إلى مصروف المبدل.** (البحر الرائق، کتاب الوقف، زکریا ۵/ ۳۶۷، کوئٹہ ۵/ ۲۱۹ تا ۲۲۰)

**ویصرف إلی عمارته إن احتاج و إلا حفظ إلی وقت الحاجة و إن تعذر صرف عینه یباع و یصرف ثمنه إلیها.** (ملتقی الأبحر، دار الکتب العلمیة بیروت ۹/ ۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۹۰)

## مسجد فروخت کردینا اور سامانِ مسجد اپنے کاروبار میں لگانا

**سوال** [۷۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک مسجد تعمیر کرائی جس میں مقامی و بیرونی چندہ جمع کیا گیا، مسجد کے نام پر اور ایک عرصہ تک تقریباً ڈھائی سال تک مسجد میں آذان ونماز برابر ہوتی رہی اور رمضان المبارک میں قرآن پاک بھی ہوا لیکن بعد میں یہ مسجد آپسی اختلاف کا شکار ہوگئی، مسجد میں اذان ونماز ہونی بند ہوگئی، اور مسجد ویران پڑی رہی، کچھ دن بعد زید نے یہ مسجد فروخت کردی اور مسجد کی اینٹ اور رقم سے اپنا مستقل کاروبار شروع کر دیا ہے، تو اس صورت میں شریعت زید کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شادی بیاہ میں شرکت کرنا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، اور اس کا چندہ لینا دوسری مسجد کے لیے کیسا ہے؟ اسکا شریعت کیا حکم دیتی ہے، کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور مدرسہ اسلامیہ عربیہ مفتاح العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب باقاعدہ مسجد بن چکی ہے، اور اس میں باقاعدہ نماز ہو چکی ہے، تو وہ شرعی مسجد بن چکی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، کوئی انسان اس مسجد کا مالک نہیں ہوسکتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد کی بیع ختم کر کے مسجد کو اپنی حالت میں لوٹانا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اگر متولی نہ مانے تو حکومت سے احتجاج کر کے

مسجد کو بحال کرانا لازم ہوگا۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلى قوله ولو خرب ما حوله و استغنٰى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة و به يفتى.** در مختار، كتاب الوقف قبيل فيما لو خرب المسجد أو غيره، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢)

نیز جب تک متولی مسجد کو نہ لوٹائے اس کا بائیکاٹ کرنا درست ہوگا۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [هود: ١١٣] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۸۳۶)

# مسجد کی زمین فروخت کرکے دوسری جگہ خریدنا

**سوال** [۷۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تقریباً چالیس سال قبل جب عام سرکاری زمین کی چک بندی ہوئی تھی، تو موضع نعمت پور کے کم وبیش چالیس کاشتکاروں نے مشترکہ طور پر اپنی مسجد کے اخراجات صف، لوٹے، تعاون امام وغیرہ کی غرض سے ساڑھے تین بیگھہ خام تہائی آراضی چھوڑوائی تھی، جو اسی بستی کی ۵۴؍ سالہ معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کی جنوبی دیوار سے بالکل ملحق ہے، مدرسہ مذکورہ کو اس زمین کی اپنی تعلیمی وتنظیمی شعبہ جات کی ترقیات کے لیے بہت اشد ضرورت ہے اس لیے کہ زمین مذکور کے علاوہ کوئی دوسری زمین مدرسہ کے آس پاس کسی بھی طرف نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر وتکمیل ہوسکے، کیونکہ مدرسہ کے مشرق میں سرکاری پختہ سڑک مغرب میں قبرستان شمال میں عام سرکاری راستہ ہے، بس یہی زمین ہے جو مدرسہ کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی ہے، اس میں فی الحال مسجد کی طرف سے بشکل ٹھیکہ کاشت ہورہی ہے جس سے مسجد کی

ضروریات اور مدرسہ کی حدود اربعہ میں گنجائش نہ ہونے کی مجبوری کی بناپر مدرسہ کی طرف سے مسجد کی اس زمین کے تبادلہ میں ایسی زمین جو مذکورہ زمین سے زیادہ قیمتی زیادہ پیداوار دینے والی یعنی آمدنی میں اضافہ کرنے والی ہو برائے مصارف مسجد مذکورہ کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اہل بستی متولئ مسجد اور ارباب مدرسہ باہم متفق ہوں؟

المستفتی: عبد الغفور سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد ومدارس کی وہ جائیداد جس کو مسجد یا مدرسہ نے ازخود خریدی ہے اس کو تو انفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین خریدے یا کسی اور ضروریات میں لگائے تو یہ جائز ہے، لیکن مسجد یا مدرسہ کی وہ جائیداد جس کو کسی شخص واحد نے دی ہے یا مشترک لوگوں نے دی ہے وہ وقف کے حکم میں ہو جاتی ہے، پس چک بندی میں جو جائیداد مسجد کو حاصل ہوئی ہے وہ بھی وقف کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اگر اس سے کسی بھی درجہ کا نفع مسجد کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی ہاں البتہ چک بندی کے موقعہ پر جن جن لوگوں کی زمین کا حصہ مسجد کی اس زمین میں آیا ہے ان سب لوگوں کی مرضی اور اجازت سے اس تبدیلی کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور یہ خیال رکھا جائے کہ نعمت پورہی سے تبادلہ والی زمین دی جائے، اور انفع بھی ہو اور یہ واقفین کی اجازت کے ساتھ مقید کرکے لکھا جارہا ہے، نیز دوسرے علماء سے بھی رائے معلوم کرلی جائے تو اچھا ہے۔

**مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة و علی عکسه لایجوز و إن کانت المملوکة أکثر مساحة و قیمة و أجرة لاحتمال خرابها فی أدون المحلتین لدنائتها وقلة رغبات الناس فیها.** (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹہ ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵، شامی کراچی ۳۸٦/٤، زکریا ٥٨٦/٦، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٥٧٦/٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵٦۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

## مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے رقم دوسری مسجد میں لگانا

**سوال** [۷۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۹۴۶ء میں شہر ناگپور سے دور ایک کھیتی کی زمین پر مسلمان بھائیوں نے ایک لے آؤٹ ڈالا اور اس میں بڑے بڑے پلاٹس ڈالے گئے، اس زمین پر مسلم آبادی بسانے کی غرض سے پلاٹ ڈالے گئے، اور ایک بڑا پلاٹ لے آؤٹ مالک نے مسجد کے لیے ایک شخص کے نام رجسٹری کردی، اس رجسٹری میں یہ تحریر ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت نہیں کرسکتے، لیکن افسوس کہ اس خطۂ زمین پر مسلمان آبادی نہیں بٹھائی جاسکی، ہوا یوں کہ یہاں پر دوسرے مذہب کے لوگوں نے پلاٹس خرید کر مکانات تعمیر کیے اور وہ لوگ یہاں آباد ہوگئے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس لے آؤٹ پر ایک پلاٹ مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے رکھا گیا لیکن آج تک یہاں مسجد تعمیر نہیں کی جاسکی، کیونکہ یہاں پر مسلم آبادی بہت کم ہے، اس پورے لے آؤٹ میں مشکل سے مسلمانوں کے رہائشی چھ سات مکانات ہیں، مسجد کی تعمیر کے مقصد سے رکھا گیا یہ پلاٹ زید کی نگرانی میں تھا، زید کے انتقال کے بعد اس پلاٹ کی نگرانی کا ذمہ زید کے رشتہ دار بکر کے ہاتھوں میں آگیا لیکن بکر کا انتقال بھی ہوگیا، اور فی الحال اس پلاٹ کی نگرانی کی ذمہ داری بکر کے بیٹے عمر کے ہاتھوں میں ہے، اس پلاٹ کی نگرانی اس کے ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی پہلے زید پھر بکر اور آج تک عمر کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی بڑھتی ضرورت اور بڑھتی قیمتوں کے اس دور میں اس پلاٹ پر دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بری نظر ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پلاٹ کو ان کے حوالہ کردیا جائے تاکہ یہ لوگ اس پلاٹ پر اپنی عبادت گاہ بنالیں، اس رمضان شریف کے آخری عشرہ میں غیر مذہب کے چند شر پسند عناصر نے ناجائز قبضہ کر کے اس پلاٹ پر ایک مورتی نصب کر کے پوجا پاٹ کرنا شروع کردیا تھا، لیکن عمر اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے کافی محنت اور

جدو جہد کے بعد اس پلاٹ کو کسی صورت میں ناجائز قبضہ سے آزاد کیا گیا۔

ایسے دشوار کن حالات میں مسجد کے اس پلاٹ کی نگرانی ایک دشوار کن مسئلہ بن گیا ہے مندرجہ بالا حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مسجد کے نام پر رکھے گئے اس پلاٹ کو فروخت کر دیا جائے اور اس سے حاصل ہوئی رقم کو کسی دوسری مسجد میں دیدیا جائے؟

المستفتی: عبدالمجید رنسورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں جو حالات پیش کیے گئے ہیں اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مذکورہ پلاٹ میں اب تک مسجد تعمیر نہیں کی گئی ہے، لہٰذا وہ پلاٹ شرعی مسجد کے دائرے میں نہیں آیا، اور بعد میں مسجد تعمیر کی بھی جائے تو خطرات سے خالی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت کر کے جہاں مسلمانوں کی آبادی کی کثرت ہے وہاں پر اس پیسے سے مسجد تعمیر کر لی جائے۔

**اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: والثاني أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا.**

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ۳۸۴/۴، زکریا ۵۸۴/۶)

**أفتى به الإمام أبو شجاع و الإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولاسيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذٰلک أو قافه يأكلها النظار أو غيرهم.** (شامی زکریا ۵۵۰/۶، کراچی ۳۶۰/۴)

**سئل شيخ الاسلام عن أهل القرية افترقوا و تداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم الخ.**

(هندیه، زکریا قدیم ۲/ ۴۷۹، جدید ۲/ ۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۲ھ

## مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر

**سوال** [۷۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس کا معاہدہ ہوا ہے، اور جس نے اس زمین کو لیا تھا اس کا تقریباً تین سال پہلے انتقال ہو گیا اس کی والدہ اور اس کے بھائی اس زمین پر مسجد بنوانا چاہتے ہیں تو کیا وہ مسجد بنوا سکتے ہیں، جبکہ اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، اور پیسہ زمین کا باقی ہے زمین والا کہتا ہے پہلے میرا حساب کرو، پھر مسجد بنواؤ جب تک میرا پیسہ ادا نہیں کرو گے مسجد بنانے کی اجازت نہیں دوں گا، تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی بشیر احمد صاحب محلّہ کسرول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: جب تک زمین والے کا پیسہ مکمل ادا نہ کیا جائے اس وقت تک اس کی رضامندی کے بغیر وہاں مسجد کا بنانا جائز نہ ہوگا، اگر بنالی جائے تو پیسہ ادا کرنے تک اس مسجد میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔

**لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۱۶ھ

# مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے

**سوال** [۷۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کی زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا ہے جس کو مدرسہ کے صدر اور زیادہ تر اراکین کمیٹی حافظ محمد شفیع کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اور زمین کا یہ حصہ لمبی مدت سے حافظ محمد شفیع کے قبضہ میں بھی ہے وہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں جبکہ کمیٹی کے قلیل ممبران اس زمین کو حافظ محمد شفیع کے بھائی محمد وجیہہ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان تھوڑے اور تعداد میں کم ممبران کا اس زمین کو صدر اور بیشتر ممبران کی اجازت کے بغیر محمد وجیہہ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

المستفتی: مستری محمد نبی ٹانڈہ بادلی، رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر مدرسہ کی مذکورہ زمین مدرسہ کے نام سے وقف ہے تو اس کو بیچنا ہی جائز نہ ہوگا نہ محمد وجیہہ کے ہاتھ نہ محمد شفیع کے ہاتھ اور اگر وہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی ملکیت ہے تو اس میں مدرسہ کو تصرف کا حق ہے اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس کی فروختگی پر متفق ہو جائیں تو جس کے ہاتھ سے مدرسہ کو پیسہ زیادہ ملتا ہے اسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیے، اس میں محمد وجیہہ، محمد شفیع یا کسی اور میں کوئی فرق نہیں بلکہ انفع للمدرسہ ہونا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله ﷺ، وکان یقال له ثمغ وکان نخلا، فقال عمر: یا رسول الله! إنی استفدت مالا وهو عندي نفیس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبی ﷺ تصدق بأصله، لایباع ولایوهب ولایورث، ولکن ینفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلک فی سبیل الله وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن السبیل ولذی القربیٰ، ولا جناح علی من ولیه أن یأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقه

**غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

**في الشامية: وقد صرح صاحب الحاوي القدسي بأنه يفتي بكل ما هو أنفع للوقف.** (شامي، كتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، كراچی ٤/ ٣٤٤، زكريا ٦/ ٥٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۶)

# مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنا

**سوال** [۷۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، عمر اور بکر تینوں نے ایک مدرسہ بنانے کی نیت سے آراضی خریدی جس میں تینوں نے گیارہ گیارہ ہزار روپئے اپنی جیب سے ڈالے اور باقی رقم چندے کے پیسوں میں سے ڈالی، اور اس کی باؤنڈری بھی چندے کے سیمینٹ اینٹ اور پیسوں سے کرائی ابھی زمین میں مدرسہ نہیں بنا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد عمر کا بھی انتقال ہو گیا، ابھی زمین یوں ہی پڑی تھی کہ بکر نے اس آراضی کو فروخت کر دیا اس نیت سے کہ یہ رقم اسی شہر کے مدرسوں میں لگ جائے گی جس شہر میں آراضی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں حصہ داروں کے وارث اور تیسرا حصہ دار بکر یہ تینوں صرف گیارہ گیارہ ہزار کے ہی مالک ہوں گے یا اس مقدار رقم کے جس میں آراضی آج فروخت ہوئی ہے جبکہ اس آراضی کی خرید ورجسٹری وباؤنڈری میں مسلمانوں سے چندہ شدہ رقم بھی صرفہ میں آئی تھی؟

گیارہ گیارہ ہزار کیلئے یہ طے کیا تھا کہ جب مدرسہ پروان ہو جائے گا تو اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار واپس لے لیں گے۔

نوٹ: وہاں مدرسہ بننے کے حالات نہیں رہ گئے تھے تب آراضی فروخت کی گئی ادھر دو شریکوں کا انتقال بھی ہو گیا تھا؟ المستفتی: محمد اظہر کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ تینوں افراد نے گیارہ گیارہ ہزار کل ۳۳؍ ہزار روپئے اکٹھا کر کے مدرسہ قائم کرنے کے لیے زمین خریدی ہے کہ مدرسہ کے پاس جب پیسہ آجائے گا اپنا اپنا پیسہ واپس وصول کرلیں گے، اور ۳۳؍ ہزار روپئے پر مزید روپیہ جو زمین کی خریداری میں لگا ہے وہ چندہ کے پیسے سے لگا ہے اور سوالنامہ کے مطابق سوئے اتفاق تینوں افراد میں سے دو اللہ کو پیارے ہوگئے اور مذکورہ زمین کی صرف چہار دیواری ہو پائی ہے اور وہ بھی چندے کے پیسے سے ہوئی ہے، اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں مدرسہ قائم کرنے کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں اس بناء پر جو فریق زندہ ہے اس کے لیے اس زمین کو مناسب قیمت پر فروخت کر کے اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے تینوں فریقوں کا یا مرحوم فریقوں کے وارثین کا وصول کرنا درست ہوگا اس کے بعد مابقیہ مدارس ہی پر خرچ کرنا لازم ہوگا، ان پیسوں سے نئی زمین خرید کر مدرسہ قائم کریں یا اس کے قریب ترین مدرسہ پر وہ پیسہ خرچ کریں، اور یہ بات واضح رہے کہ اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے سے زائد پیسہ تینوں فریقوں میں سے کسی کے لیے اپنی ذات پر یا اپنے وارثین پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ مدارس پر خرچ کرنا واجب ہوگا۔

**سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها و یشتری بثمنها أخریٰ؟ قال: نعم.** (فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل و اذا بنی مسجداً لم یزل ملکه عنه، دار الفکر بیروت ٦/ ٢٣٧، کوئٹه ٥/ ٤٤٧، زکریا ٦/ ٢٢٠، بنایه قدیم ٢/ ١٠٠٧، جدید اشرفیه دیوبند ٧/ ٤٥٩، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٢٥٢، زکریا ٥/ ٣٤٥)

**یصرف وقفها لأقرب مجانس لها.** (شامی کراچی ٤/ ٣٥٩، زکریا ٦/ ٥٤٩، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/ ١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۳)

# آبادی کے لیے قبرستان فروخت کر کے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا

**سوال** [۷۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبرستان آبادی سے ملحق ہے اس میں میت دفنائیں جارہی ہیں، اس قبرستان کو آبادی کے لیے فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کے لیے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) میت کے ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے قرآن پاک پڑھوا کر دعا کرانے کے بعد قرآن پاک پڑھنے والوں کو چائے بسکٹ کھلانا پلانا کیسا ہے؟ پڑھنے والے اس کو کھا پی سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: احقر عطاء الرحمٰن کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: (۱) جب تک قبرستان دفنائے جانے کے قابل ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا یا اس میں دوسرا کام کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۲۶ط ۱۰/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۴۲، ۱۵/ ۳۵۹)

**فإذا تم أی الوقف ولزم لایملک و لا یملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملكه.** (شامی، کتاب الوقف مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة الخ، کراچی ٤/ ٣٥١ - ٣٥٢، زکریا ٦/ ٥٣٩)

(۲) ختم قرآن کے موقع پر بغیر لوازمات کے معمولی چائے ناشتہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح کا معمولی انتظام کرنا عام رواج ہے، مگر کھانا کھلانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ عام رواج نہ ہونے کی وجہ سے وہ عوض بن جائے گا۔

**ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المراسم و اتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراء ة**

**القرآن لأجل الأكل يكره.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، كراچي ۲/ ۲۴۰، زکریا ۳/ ۱۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۹ھ

# قبرستان کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرز مین امرتسر محلّہ سلطان وینڈ روڈ پر ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں کافی پرانی قبریں اور کئی ایک مزارات بھی موجود ہیں اور نئی میت بھی دفنائیں گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قبرستان جاری وساری ہے لیکن قبرستان کا کچھ حصہ پنجاب وقف بورڈ نے کرایہ پر دے کر یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ اس جگہ پر مارکیٹ بنالیں لیکن امرتسر کے سارے مسلمان اس کے خلاف ہیں، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے ہمیں نوازیں۔

المستفتی: محمد جمیل احمد انصاری مسلم جنتا ویلفئر ایکشن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کے قبرستان کو فروخت کردینا وقف بورڈ کو حق نہیں ہے، قبرستان کو قبرستان ہی رکھنا لازم ہے، وقف کو کلی طور پر ختم کردینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی مارکیٹ بنانے کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہوسکتا ہے، البتہ اگر بالکل بوسیدہ قبرستان ہے تو اس کو اوقاف کے جنس میں سے صرف مسجد یا دینی مدرسہ کی تعمیر کے کام میں لانا جائز ہوسکتا ہے، فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ۶/ ۶۶۵، كراچي ۴/ ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

# وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کوفروخت کرنا

**سوال** [۷۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نجی قبرستان ۱۸۷۵ء سے ہے اس میں کچھ حصے میں ابھی بھی جنازہ کو دفنایا جاتا ہے باقی آراضی خالی ہے جہاں کافی عرصہ سے کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور جو اس آراضی کے وارثین ہیں وہ خالی آراضی کوفروخت کرنا چاہتے ہیں اس خالی پڑی آراضی کے متعلق اہل محلّہ کے سبھی لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ طے پایا کہ اس جگہ کو اس کے وارثین سے خرید کر ایک مسجد تعمیر کروادی جائے تو کیا وارثین سے خرید کر اس آراضی پر مسجد تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اعجاز حسین محلّہ بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ قبرستان کے جس حصہ پر تدفین کا سلسلہ بند ہے اس قبرستان کے وارثین اور مالکوں کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، چاہے وارثین خود مسجد تعمیر کریں یا مسجد تعمیر کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں اور وہ لوگ وہاں مسجد تعمیر کریں ہر طرح جائز اور درست ہے۔

**وذكر أصحابنا إذا خرب و دثر لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها، فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجد وغير ذٰلک.** (عمدة القاری، کتاب الصلاة باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية، زكريا ۳/۴۳۵، دار احياء التراث العربی بيروت ۱۷۸/۴)

**لوأن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا.**

(عمدة القاری زكريا ۳/۴۳۵، دار احياء التراث العربی بيروت ۱۷۹/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۵۶/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۰ھ

## پرانے قبرستان کی خرید وفروخت

**سوال [۷۷۰۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جو شیعہ خاندان کا تھا جس میں تقریباً ۴۰/ یا ۵۰/سال سے کسی مردہ کو نہیں دفن کیا گیا تھا وہ ان کے وارثین نے فروخت کردیا، تو خریدار کے واسطے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے خریدار مکان تعمیر کرا کر اس میں رہائش پذیر ہے، تو کیا وہ اس جگہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن محلّہ عیدگاہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر قبرستان بالکل پرانا ہے اور ملکیت کا قبرستان ہے تو اس کے مالکان کے لیے فروخت کرنا اور اس میں کھیتی وغیرہ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

**جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و صار ترابا الخ.** (الدر المختار کراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱٤٥)

**وإذا بلى الميت وصار ترابا في قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغير ذٰلک باتفاق.** (الفقه على مذاهب الأربعة دار الفكر بيروت ۱/ ٥۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۲۶ھ

## جس مکان میں قبرستان کی جگہ آگئی اس کو خریدنا

**سوال [۷۷۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان قبرستان سے متصل ہے یوں تو بہت سے مکانات قبرستان سے

متصل ہیں ان میں سے ایک مکان بک رہا ہے اس مکان کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبرستان کی جگہ کچھ گھری ہوئی ہے تحقیق کچھ نہیں ہے اب آیا وہ مکان خریدیں یا نہیں، اگر خرید لیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں اگر نہیں خریدی تو پھر اس مکان کو کوئی دوسرا خرید لے گا تو اس کے بارے میں بھی وہی قباحت ہوگی تو کیا کرنا چاہیے جبکہ بہت دنوں سے وہ مکان بنا ہوا ہے بہرکیف مشتری کو وہ مکان خریدنا چاہیے یا نہیں؟

**المستفتی:** شکیل احمد برولان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** تحقیق کرلی جائے اور قبرستان کے حدود سے متعلق کاغذات دیکھ لیے جائیں اگر واقعی قبرستان کا حصہ مذکورہ مکان میں نہیں آیا ہے تو خرید سکتے ہیں اور اگر قبرستان کا حصہ اس میں آیا ہوا ہے تو اس کو خریدنا جائز نہ ہوگا اور اگر کوئی دوسرا آدمی خریدیگا تو ذمہ دار وہی ہوگا آپ پر کچھ نہیں ہوگا۔

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی.** (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۵ھ

## چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا

**سوال [۷۷۰۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی گرام سبھا کی تھی اس میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا شروع کردیا، اسی آراضی کے قریب مکانات ہیں ان مکانات سے گندہ پانی وغیرہ اس آراضی کی قبروں میں جاتا ہے، یہ قبریں تقریباً ۸۰؍ سال پرانی ہیں تو اب اس آراضی کے کچھ حصہ کو فروخت کرکے اسی قبرستان میں چہار دیواری وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، تاکہ بقیہ قبروں کی بے حرمتی نہ

ہو، اور جس حصہ کوفروخت کرنا ہے اس میں قبریں ہیں، لیکن مجبوری صرف یہ ہے کہ کچھ حصہ کی طرف لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں اور گندی نالیاں جس سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لیے ان گھروں کے دروازوں کے سامنے کی آراضی کوفروخت کر کے بقیہ قبروں کو چہار دیواری کے ذریعہ سے محفوظ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر لوگوں کے دروازوں کے سامنے چہار دیواری قائم کرتے ہیں تو فساد ہونے کا خطرہ ہے، اپنے دروازوں کے سامنے چہاردیواری نہیں بنوانے دیں گے، ایسے حالات میں کچھ آراضی انہیں دے کر جھگڑا ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین قاسم پور گڑھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قبرستان کی چہاردیواری کے اندر پورا قبرستان آجانا چاہئے اور جس حصہ کوفروخت کرنے کے لیے کہا جارہا ہے سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حصہ میں قبریں موجود ہیں اور قبروں سمیت اس حصہ پر فروخت کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ جب اس میں قبریں موجود ہیں تو سرکاری اعتبار سے بھی اس حصہ کو قبضہ کرنے میں کسی کواعتراض کا حق نہ ہوگا، اور جب ادھر سے لوگ دروازے کھول رہے ہیں تو اس طرف سے اول فرصت میں دیوار بنادینا چاہیے، فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

**لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها.** (عمدة القاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية، دار احياء التراث العربی بيروت ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۹ھ

# قبرستان کے درخت فروخت کر کے چہاردیواری قائم کرنا

**سوال** [۷۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں کے عام قبرستان مسجد کے نام ریکارڈ شدہ ہیں وقف کی ملکیت نہیں، قبرستان کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبرستان کے اندر جو پرانے درخت ہیں پھلدار نہیں ہیں، فروخت کر کے قبرستان کو گھیرا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب دیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، اس لیے قبرستان کے درختوں کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ قبرستان کی چہار دیواری قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

**سئل نجم الدين فى مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال: نعم، إن لم تكن وقفا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد قال إلى ما هي وقف عليه إن عرف.** (عالمگیری، کتاب الوقف، قبیل الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی ستغنی عنها، زکریا قدیم ۲/ ٤٧٦، جدید ۲/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

## قبرستان کی چہار دیواری کیلئے زمین کو فروخت کرنا

**سوال** [۷۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں والوں نے پرانے قبرستان کے پیڑ فروخت کر کے اسی قبرستان کے برابر ایک بیگھہ زمین خریدی تھی، جس میں تین قبریں ہیں ایک مینڈھ پر ہے باقی زمین میں کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان آبادی کے بیچ میں ہے، گاؤں کے گندے نالوں کا پانی قبرستان میں آنے کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہو رہی ہے، قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، گاؤں

والے قبرستان کی حفاظت کے لیے نئی خرید کردہ زمین میں سے کچھ زمین فروخت کرنا چاہتے ہیں، جس میں کوئی قبر نہیں اور اس فروخت کردہ زمین کی رقم سے چہار دیواری کرا کے قبرستان کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں جس سے قبرستان کی بے حرمتی نہ ہو، واضح رہے کہ زمین قبرستان کی ملکیت کے لیے خریدی تھی، وقف نہیں کیا تھا، قبرستان کے تصرف کے لیے خریدی تھی؟

المستفتی: فرقان احمد کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر نئی خرید کردہ زمین باقاعدہ وقف نہیں ہے محض قبرستان کی ملکیت ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کی ضرورت اور چہار دیواری وغیرہ کے لیے اس میں سے بقدر ضرورت زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی چہار دیواری کرانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵، اہتمام وشوریٰ کی شرعی حیثیت ۵۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۶۸/۳۱)

# ۵ باب استبدال الأوقاف

## مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا

**سوال** [۷۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بھائی نے مدرسہ اور پنج گانہ نماز کے لیے کچھ زمین وقف کردی ہے تو اس زمین میں مدرسہ اور پنج گانہ نماز بہت سال سے ہو رہی ہے، پھر ابھی اس کا بھائی اپنے بھائی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ کو اپنی زمین میں لے آیا تو اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ میں تعلیم اور نماز کیسی ہوگی؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جو زمین مسجد کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں ایک دو مرتبہ اذان اور جماعت ہو چکی ہے تو یہ مسجد شرعی بن گئی ہے، اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں، لیکن جب صورت مذکورہ میں مسجد کو منتقل کرلیا گیا اور پہلی مسجد کو توڑ دیا گیا تو پہلی مسجد کی جگہ کی پوری حفاظت ضروری ہے، اور ثانی مسجد میں نماز پڑھنے اور تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ منتقل کرنے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۰۲)

**قلت: وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٥، كراچي ٤/ ٣٥٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ١٢٤، رقم: ١١٣٣٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٥٦ رقم: ١١٤٩٤)

**ولو خرب ما حوله أي ولو مع بقائه عامراً و كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر.** (شامي، مطلب: فيما لو خرب

المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، هنديه الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

## مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

**سوال** [۷۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مسجد کے لیے ایک آراضی وقف کی تھی جس آراضی میں چھپر ڈال کر تقریباً چار سال سے باجماعت نماز ادا کی جارہی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ یہ جگہ بھی تنگ ہے اور راستہ بھی صحیح نہیں ہے اسی زمین کا دوسرا حصہ جو اس کے برابر میں ہے وہ سڑک کے کنارہ پر ہے اگر شرعاً گنجائش ہو تو موجودہ مسجد کے حصہ کو برابر والے حصہ سے بدل لیا جائے؟

المستفتی: محمد ہارون سرائے کھجور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: مسجد کے لیے وقف شدہ آراضی پر جب چھپر ڈال کر اس میں باضابطہ تین چار سال تک نماز ہوتی رہی ہے تو وہ شرعی مسجد ہو چکی ہے وہ اب قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی اس زمین کی تبدیلی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

**لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (قوله) ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة الخ.** (درمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصرى قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۵۵۸)

# مسجد منتقل کرنے کا حکم

**سوال [۷۷۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنگل میں ایک کھیت کے بالکل درمیان میں ایک مسجد ہے اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو شہید کر دیا جائے یا وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، تا کہ درمیان سے ہٹ کر مسجد ایک گوشہ میں آجائے تو کیا ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات درست ہے؟

المستفتی: قاری عزیز احمد ککرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب مسجد ایک بار بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے اس کو شہید کرنا جائز نہیں ہوتا، لہٰذا جو مسجد جنگل میں کھیت کے درمیان واقع ہے اس کو شہید کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اس کو بحالہ باقی رکھنا اور اس کے تمام حقوق اور احترام کو باقی رکھنا وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے، یہاں تک کہ اگر وہاں سے مسلمانوں کی آبادی بھی ختم ہوجائے تو پھر بھی اس کو وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرا کے حفاظت کرنا لازم ہوگا، اور منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔

**ولو خرب ما حوله أى ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر.** (شامی، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره، زکریا دیوبند ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، قديم ٧٤٨/١، هنديه الباب الحادى عشر فى المسجد ما يتعلق به زكريا قديم ٤٥٨/٢، جديد ٢/٤١٠)

**خربت القرية والمسجد ولايصلى فيه أحد عند الثانى رحمه الله هو مسجد أبدا: لأن كونه مسجدا لايتوقف فى الإبتداء على الصلاة عنده فكذا فى البقاء.** (بزازيه، الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وما يتصل به زكريا جديد ١٤٤/٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۰)

# کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

**سوال** [۱۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کا موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں استعمال ہوتا ہے اس مکان کے پچھواڑے میں ایک مسلمان کا مکان تھا جب ان صاحب نے اپنا مکان بنایا اللہ جانے کیا صورت پیش آئی جان بوجھ کر یا انجانے میں اللہ کو ہی معلوم، موقوفہ مکان کی ۵×۳۰ جگہ اس مکان میں آگئی اور پڑوسی مسلمان نے موقوفہ مکان کی جگہ اپنے مکان میں شامل کرکے پکا مکان بنالیا اور اس واقعہ کو چند سال ہوگئے اب جب کہ مسجد کی نئی کمیٹی بنی، موقوفہ مکان کو سرکاری محکمہ کے آدمیوں کے ذریعہ ناپا گیا تو واقعتاً موقوفہ جگہ میں سے تقریباً ۵×۳۰ جگہ اس پکے مکان میں شامل نکلی، اب اگر اس جگہ کو جو کہ پکے مکان میں شامل ہے واپس لیا جائے تو مکان اس نوعیت کا بنا ہوا ہے کہ لمبائی میں از ابتدا تا انتہاء مکان کو توڑ کر ہی اس موقوفہ مکان کی جگہ واپس لی جاسکتی ہے، جبکہ وہ مسلمان غالباً پکا مکان توڑ کر جگہ کی واپسی پر راضی نہیں ہے، یا پھر معاملہ کورٹ میں جائے تو ۱۵/۲۰ سال کی فرصت ہوجائے گی، ان حالات میں چند صورتیں عقلاً سمجھ میں آتی ہیں، کونسی صورت شرعاً درست اور موقوفہ زمین کے احکامات اور پڑوسی مسلمان کے حالات کے مناسب ہوگی بتادیں؟

(۱) پکا مکان توڑ کر موقوفہ جگہ واپس لی جائے، جبکہ یہ کام اہل شہر ومحلّہ ازخود نہیں کرسکتے، معاملہ کورٹ میں جائے گا اور کئی سال فائل میں رہے گا؟

(۲) اس شامل جگہ کی قیمت لے لی جائے؟

(۳) گذشتہ دنوں اور آئندہ کے لیے کمیٹی کرایہ متعین کرلے؟

(۴) اس موقوفہ جگہ جو کہ مکان میں شامل ہوچکی ہے اس کے بدلے کوئی جگہ بدلہ میں وصول کرلی جائے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حسب تحریر سوال مسجد کی جو زمین پڑوسی مسلمان کے مکان میں شامل ہوگئی ہے اور اب وہ مسلمان پڑوسی بھی مکان توڑ کر مسجد کی زمین واپس کرنے پر راضی نہیں ہے، اور معاملہ کورٹ میں لے جانے کی صورت میں وقت وسرمایہ کے ضیاع کے باوجود مسجد کے حق میں فیصلہ یقینی نہیں ہے تو اب مسئولہ صورت میں شرعاً اتنی گنجائش ہے کہ اس زمین کی معتد بہ اور معقول قیمت صاحب مکان سے وصول کرکے مسجد کی ملکیت کے لیے مناسب جگہ پر دوسری زمین خرید لی جائے۔

**لایجوز استبدل العامر إلا فی أربع: قال الشامی: والثالثة أن یجحده الغاصب ولا بینة أی وأراد دفع القیمة فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلا.**

(شامی، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا ٦/٥٨٨، کراچی ٤/٣٨٨، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٩٨، الفقه الإسلامی و أدلته، مکتبه الهدی انٹرنیشنل ٨/٢٢٠، دار الفکر ١٠/٧٦٧٦، الأشباه والنظائر کراچی ١/٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۵۱)

# مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا

**سوال [۷۷۱۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جو کہ مسجد کھجور والی کے نام سے وقف ہے، لیکن مسجد مذکورہ مکان سے دور ہے، مکانِ موقوف محلّہ ہذا ہی میں واقع ہے لیکن مسجد مذکور میں شامل کرنا ناممکن ہے اس محلّہ میں دوسری مسجد کی ضرورت کا احساس ہے، اہل محلّہ وذمہ دارانِ مسجد مذکور اس مکان مذکور کو مسجد کی شکل میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں کیا اس مکان مذکور کا مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگراس موقوفہ مکان کی مسجد کوضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس مسجد میں شامل کرنا ممکن ہے، اور ذمہ دارانِ مسجد بھی اس مکان کو دوسری مسجد بنانے کی اجازت دیدیں تو پھراس مکان کوضرورت کے پیش نظر دوسری مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۳۲، جدید مطول ۱۰/۱۱۶)

**مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجدا أو المسجد رحبة و أرادو أن يحدثوا له بابا و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذٰلک فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر و أفضل فلهم ذٰلک.** (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۶، جدید ۲/۴۰۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۹، الفتاویٰ التاتارخانية زکریا ۸/۱۵۷ – ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، حاشية الچلپی علی تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۳/۳۳۱ زکریا ۴/۲۷۴، شامی کراچی ۴/۳۷۸، زکریا ۶/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۶۲)

# مسجد اوراس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

**سوال** [۷۷۱۲]: (۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ عرصہ پہلے ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی نقل ساتھ میں لگادی گئی ہے، پہلے آپ کے ذریعہ طلب کردہ امور کی وضاحت میں عرض ہے کہ قدیم مسجد کا رقبہ ۵۰۰؍اسکوائر فٹ ہےاوراس سے متصل قطعۂ اراضی میں سے واقف نے ۱۵۰۰؍اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے، کل ملا کر قدیم مسجد ۵۰۰+۱۵۰۰ وقف کردہ زمین، کل جگہ ۲۰۰۰ اسکوائر فٹ، اب اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا ہے کہ:

واقف نے پہلے کہا تھا کہ میں نے مسجد کے علاوہ ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے لیکن اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ۱۵۰۰ر فٹ جگہ مسجد پکڑ کر میری مراد تھی، یعنی اب میں جو جگہ مدرسہ کو دونگا وہ کل ملا کر ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ ہوگی اور مسجد بھی اس میں گنی جائے گی، اب بلڈر جو جگہ خرید رہا ہے وہ ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ جگہ کی قیمت متعین کریگا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جب پوری جگہ کی قیمت لگائی جارہی ہے تو اس میں مسجد بھی گنی جائے گی تو کیا اس طرح مسجد کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ واقف کا کہنا ہے کہ اب ہم قیمتاً دیدیں گے اور پھر اسی جگہ کو اس بلڈر سے خرید کر پھر وہاں مسجد بنائیں گے، بلڈر بھی اس پر راضی ہے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز و درست اور صحیح ہے؟

(۲) پہلے ۱۵۰۰ اسکوائر فٹ کا وعدہ کرنا مختلف شخصیات کے سامنے اپنے وقف کردہ جگہ کا تذکرہ کرنا اور پھر وقت آنے پر اپنے سارے وعدوں کو فراموش کر کے مسجد بھی اسی میں شامل کر کے گننا کیسا ہے؟

(۳) ایسے حالات میں ناظم مدرسہ (جو کہ مدرسہ کے اراکین میں ہیں) کے لیے خاموش رہنا چاہیے یا علاحدگی اختیار کرنی چاہیے یا اگر یہ غلط ہو رہا ہے تو مسجد کی حفاظت کی خاطر اور مدرسہ کی بقاء کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے؟

امید ہے کہ آپ کو دی گئی زحمت کے لیے معاف فرما کر جواب کافی وشافی دیں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱-۲) جب پہلے ہی سے مسجد شرعی موجود ہے اس مسجد اور اس کی زمین کو دوسری زمینوں کے ساتھ فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ مسجد انسانوں کی ملکیت سے الگ تھلگ رہے گی اور اس کا خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر الگ سے ۱۵۰۰ر سو اسکوائر فٹ زمین مدرسہ کو دینے کا وعدہ کرنا اور پھر اس وعدہ سے مکر جانا اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، لیکن مالک زمین یہ کہہ رہا ہے کہ میری مراد مدرسہ اور مسجد دونوں کا ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ میں شامل ہونا تھی، گویا کہ ۵۰۰ر اسکوائر فٹ مسجد کا پہلے سے وقف تھا ہی اور اب ہزار فٹ مدرسہ کے لیے وقف

ہے کل ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ ہو جائیں گے، اگر مالکِ زمین واقف یہی مراد لیتا ہے تو وہ اس کے اختیار میں ہے، اگر بالفرض واقف نے مسجد کو چھوڑ کر مدرسہ کے لیے ۱۵۰۰ر اسکوائر فٹ دینے کا اظہار کیا ہے تو صرف اظہار کی وجہ سے وقف نہیں ہوتا بلکہ بوقت وقف جتنے حصے کو وقف کرے گا اتنا ہی وقف ہوگا۔

**عن عبد الله بن عمرو أن النبی ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقا خالصا (إلى قوله) و إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر** . (بخاری، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ١/١٠، رقم: ٣٤)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة** . (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

(۳) پہلے سوال کا جواب ۲۸ر جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ کو لکھا جا چکا ہے اس کے اوپر پھر واقف کی طرف سے وعدہ خلافی کی بات کو بعینہٖ اسی پیڈ پر لکھ کر بھیجا گیا ہے جس پر پہلے واقف کی طرف سے لکھا گیا تھا، مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا پیڈ ایک ہی ہے اس لیے اصل معاملہ کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، لہٰذا اس معاملہ میں وہاں کے قریبی علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کر کے مسئلہ کا حل طلب کریں، وہ اصل حقیقت کے بارے میں تحقیق کر کے شرعی مسئلہ بتائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۰۶) | ۱۸/۳/۱۴۳۴ھ |

# مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال** [۱۳۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسرہ (۱) مسجد موجود آباد بھی ہے خسرہ ۲ر مسجد کے سامنے عام سڑک اور مسجد کے درمیان زید کی زمین (مسجد اور سڑک کے درمیان زید کی زمین) ہے خسرہ ۳ر مسجد سے اتر

جانب مسجد کی خالی غیر آباد زمین اس زمین کے بعد بھی زید کی زمین بعدہٗ عام سڑک ہے۔

مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ خسرہ ۳/ والی زمین جانب شمال غیر آباد یہ زمین مسجد کی ایک عرصہ سے مانی جارہی ہے، گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد کی زمین ہے، ہم بھی اس کو یہی جانتے تھے، اب چونکہ مسجد سے متصل اپنی زمین میں رہن سہن کررہے ہیں ہمارے سامنے مسجد کی خالی زمین ہمارے آنے جانے میں رکاوٹ ہے اور دل بھی گوارہ نہیں کرتا کہ ہم مسجد کی زمین کو استعمال کریں تو ہم کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم یہ زمین بدل لو، مسجد کو دوسری جگہ دیدو، تو ہم نے غور وفکر کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسجد کے سامنے اور خالی پڑی زمین کے سامنے ہماری خود اپنی زمین ہے، لہٰذا مسجد کے ٹھیک سامنے ہم اپنی زمین مسجد کو دیدیں اور باقی جو کمی رہ جاتی ہے وہ ہم دوسری جگہ سے دیدیتے ہیں، زیادہ اگر لینا چاہیں تو اس کے لیے بھی تیار ہیں، یہ بات تو اس وقت تک تھی جب ہم لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ خسرہ ۳/ مسجد کی زمین ہے، لیکن جب ہم نے اس زمین کے کاغذات وغیرہ دیکھے تو تقریباً پچاس سال پہلے سروے میں اس زمین کو بہار سرکار نے غیر مجروہ عام کھیتیاں میں لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ زمین مسجد کی نہیں رہی، بہار سرکار غیر مجروہ عام کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اس کو قبضہ کرسکتا ہے رہ سکتا ہے گاؤں کا پردھان مکھیا غریبوں کے نام سے پٹہ کرسکتا ہے، یا کسی کے نام پر پٹہ کرسکتا ہے، اسی کو یوپی وغیرہ میں گرام سماج کی زمین کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ پورے گاؤں والوں کی نگاہ میں ہے کہ مسجد کی زمین ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو کوئی نقصان نہ ہو مسجد کا کام بھی ہو جائے اور ہمارا بھی کام ہو جائے، خسرہ ۳/ ہم کو نہیں چاہیے اور خسرہ ۲/ کی زمین جو کہ ہماری ہے ٹھیک مسجد کے سامنے سڑک تک مسجد کو مل جائے چونکہ یہاں زمین پوری نہیں تو دوسری جگہ اس کمی کو پورا کردیں۔

نوٹ: پورے گاؤں میں اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد نہیں ہے ہم اگر اپنی زمین خسرہ ۲/ کو استعمال میں لے لیں تو مسجد میں آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے گا، اور مسجد میں راستہ دینے کے لیے ہم کو کوئی مجبور بھی نہیں کرسکتا، یہ باتیں تو صرف سمجھانے کے لیے لکھ

دی ہیں، تفصیل کے ساتھ، ورنہ مسئلہ صرف یہ ہے کہ بہار سرکار غیر مجروہ عام جو ایک زمانے سے مسجد کے قبضہ میں مانی جارہی ہے خالی ہے، بے مصرف ہے، مسجد اور ہم کو اپنی اپنی ضرورت ہے، کیا تبادلہ کر سکتے ہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تبادلہ کی صورت میں مسجد کا فائدہ زیادہ ہے اس لیے تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے، تاکہ مسجد کی توسیع اور نمازیوں کی آمدورفت اور مسجد کی دیگر ضروریات سہولت سے پوری ہوسکیں۔

**وفیھا (أی الأشباہ) لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع و تحتہ فی الشامیة: الرابعة أن یرغب إنسان فیہ ببدل أکثر غلة و أحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسف و علیہ الفتویٰ کما فی فتاویٰ قارئ الھدایة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا دیوبند ۶/۵۸۸، کراچی ۴/۳۸۸، الموسوعة الفقھیة الکویتیة ۴۴/۱۹۸، الفقہ الإسلامی و أدلتہ، مکتبہ الھدی انٹرنیشنل ۸/۲۲۰، الأشباہ والنظائر کراچی ۱/۳۰۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۸۸/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۴ھ

# مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟

**سوال** [۷۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ سے ملاقات پر ایک مسجد کی موقوفہ آراضی کو مسجد کے متصل ایک آراضی سے بدل کر مسجد کی توسیع کا مسئلہ معلوم کیا تھا، وقف نامہ اس وقت تک نظر سے نہیں گذرا تھا واپسی پر وقف نامہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ زمین نواب رامپور کی وقف شدہ ہے نواب صاحب نے مؤذن امام اور مسجد کے معمولی صرفہ کے لیے یہ زمین وقف کی ہے، مزید برآں یہ معلوم ہوا کہ

زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری کاغذات میں رجسٹرڈ ہوگئی اب تک آمدنی مسجد کے حوالے کررہے ہیں لیکن آئندہ بھی یہ صورت باقی رہے اس پر لوگوں کو کچھ زیادہ اطمینان نہیں ہے، مسجد کے متصل جو زمین ہے وہ مؤذن ہی کی ہے اور اس تبادلہ پر وہ راضی بھی ہے کیا ایسی صورت میں تبادلہ کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

المستفتی: مفتی محمد اشتیاق مفتی مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ مذکورہ موقوفہ زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری طور پر رجسٹرڈ ہوچکی ہے تو وہ آراضی نیم ہلاکت کا شکار ہوگئی ہے، اور آئندہ تکمیل ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لیے واقف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے کے لیے مؤذن کی مذکورہ زمین سے تبادلہ کرکے مسجد کے نام سے رجسٹری کرالی جائے تو اس کی گنجائش ہوگی جبکہ مسجد کی کمیٹی بھی اس سے متفق ہو۔

**والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي و رأيه المصلحة فيه.** (شامی، كتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، زكريا ٦/٥٨٣-٥٨٤، كراچی ٤/٣٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامی و أدلته مكتبه هدیٰ انٹر نیشنل ديوبند ٨/٢١٩، دار الفكر ١٠/٧٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۵۰/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۱ھ

# نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

**سوال** [۷۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بڑی مسجد جس میں جمعہ، عیدین وغیرہ کی نمازیں ہوتی ہیں، اس کے صحن میں نماز کے لیے صفوں کا نشان موجود ہے، جس پر جماعت ہوتی ہے، صحن کے آخری حصہ کی صف اور فرش ماربل کا پختہ بنا ہوا ہے، تقریباً آٹھ دس نمازیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کے لیے بجلی کا موٹر لگا دیا ہے، جبکہ یہ کام خارج مسجد میں بھی انجام دیا جا سکتا تھا، ایسی صورت میں جبکہ وہ جگہ نماز کے لیے مخصوص تھی کیا شرعاً کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا اور اس جگہ کو نماز کی ادائیگی سے محروم کر دینا جائز ہے یا ناجائز؟

**المستفتی:** عبد السلام پیرزادہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** یہ فعل ناجائز ہے، اس کمرہ کو توڑ کر مسجد میں داخل کر لینا ضروری ہے ورنہ ایسا کرنے والے سب گنہگار رہیں گے۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد.** (شامی، کتاب الوقف، قبیل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زکریا ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲/۲۴)

# مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

**سوال** [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین رہائش کے لیے خریدی، خریدتے وقت یہ ارادہ کیا کہ ایک طرف اتنا حصہ نئی مسجد کی تعمیر کے لیے ہے اس میں مسجد بنوائی جائے گی، چنانچہ جب ارادہ کے مطابق مسجد کے لیے جگہ دیدی، چھپر وغیرہ پڑ گیا، نماز ہونے لگی، دو تین سال نماز اور رمضان میں تراویح بھی ہوئیں، اب محلّہ والے کہتے ہیں کہ اس کے بدلے دوسری جگہ مسجد

تعمیر کرالیں اس کے پیسہ کو وہاں لگالیں گے، تو کیا زمین مذکورہ میں مسجد نہ بنوا کر دوسری جگہ اس کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جب کہ واقف وہاں ہی مسجد کے لیے بضد ہے؟

المستفتی: مولوی عبدالباسط بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اول جگہ نماز قائم ہونے کی بناء پر شرعی قاعدے سے وہ مسجد بن گئی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، پس اہل محلّہ یا کسی بھی شخص کو اس کے منتقل یا تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہوگا، بالفرض اگر مسجد ویران ہوجائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ ہو تب بھی اس کی بقاء واجب ہے، اور اگر واقف منتقل کرنے پر رضامند ہو جائے تب بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۳۵)

**إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا.**

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زکریا دیوبند ۶/ ۵۴۵، کراچی ۴/ ۳۵۶، منحة الخالق کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتارخانية زکریا ۸/ ۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

**فی فتاویٰ الحجة: لو صار أحد المسجدين قديما و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه فى المسجد الجديد فإنه لا يجوز.** (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/ ۴۵۸، جدید ۲/ ۴۱۰، شامی کراچی ۴/ ۳۵۸، زکریا ۶/ ۵۴۸، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بیروت ۲/ ۵۹۵، مصری قدیم ۱/ ۷۴۸، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۵۱، زکریا ۵/ ۴۲۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۳/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۱۶ھ

## مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم

**سوال [۷۷۱۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: خسرہ ۱/ زید کی زمین ۹/ ڈسمل، خسرہ ۲/ مسجد ۱۱/ ڈسمل، خسرہ ۳/ مسجد سے اتر جانب ۱۷/ ڈسمل جو برٹش حکومت کے دور سے زید کے والد مرحوم آباد کرتے رہے، بعدہٗ تقریباً چالیس سال سے خود زید آباد کر رہا ہے، صورت مسئولہ یہ ہے کہ مسجد سے متصل زید تقریباً سال بھر سے اپنا مکان بنا کر بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے، زید کے خیال میں یہ بات آئی کہ مسجد کی زمین کی پیمائش کرائی جائے اس کے لیے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تو اب یہ بات سامنے آئی کہ یہ ۱۵/ ڈسمل زمین خسرہ ۳/ والی سرکاری کاغذات میں بہار سرکار غیر مجروہ عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن درج ہے، اور یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں، خود زید کو بھی نہیں اور مسجد جس خسرہ میں بنی ہوئی ہے اسی خسرہ کی تقریباً ایک ڈیڑھ ڈسمل زمین جانب اتر خالی ہے اگر کمرہ وغیرہ والی بات ہوتی تو خسرہ میں ہونی چاہیے لیکن دوسرے خسرہ میں اس کو دکھایا جا رہا ہے۔

بہر حال دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح سرکاری دستاویز میں لکھا ہوا ہونے سے مسجد کی ملکیت تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر تسلیم کر لی جائے تو اس صورت میں خسرہ ۳/ کا تبادلہ مسجد کے فائدے کو دھیان میں رکھ کر کیا جائے تو تبادلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا فائدہ یہ ہے کہ مسجد کے سامنے زید کی زمین ہے، بعدہٗ عام سڑک اگر زید اپنی زمین کو استعمال میں لے آئے، تو مسجد کا راستہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وجہ اس کی خسرہ ۱/ زید کی زمین خسرہ ۳/ والی کے سامنے آ رہی ہے اور خود خسرہ ۲/ بھی مسجد کے سامنے تو ہے ہی، اسی کے پیش نظر زید چاہتا ہے کہ مسجد کے سامنے جتنی زید کی زمین آ رہی ہے مسجد لے لے اپنا راستہ بنا لے اگر وہ زمین پوری نہیں ہوئی تو کمی کو دور کرنے کے لیے مسجد سے متصل پیچھے باقی ماندہ زمین مسجد کو دی جائے گی، جو مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہوگی اور مسجد پہلے کے مقابلہ مربع ہو جائے گی، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: الحاج عبد الرؤف، مقام چکنی، ضلع ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** خسرہ ۳/ کی زمین جس کے بارے میں کاغذات میں عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن ہونا درج ہے اور اس پر زید آباد ہے، وہ زمین سرکاری

کاغذات کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت ہے جو واقعہ میں بالفعل زید کے تصرف میں چلی آرہی ہے، اورخسرہ ۱ر بھی زید کی ملکیت ہے جو اسی کے تصرف میں ہے تو ایسی صورت میں اگر خسرہ ۳ر کے بجائے خسرہ ۱ر سے مسجد کا فائدہ زیادہ ہوسکتا ہے،تو تبادلہ کی گنجائش ہے۔

**مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما تجوز إذا کانت فی محلة واحدة و تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة.** (ہندیہ، الباب الرابع، فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۰۰، جدید ۲/ ۳۷۵، الدر مع الرد کراچی ۴/ ۳۸۶، زکریا ۶/ ۵۸۶، مجمع الانہر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۷۶، مصری قدیم ۱/ ۷۳۶، البنایہ اشرفیہ ۷/ ۴۶۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/ ۲۲۳، زکریا ۵/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

# واقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا

**سوال** [۷۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے چندسال قبل اپنی قطعۂ آراضی پر ایک پلاٹ مسجد کے لیے دیا تھا، اوروہ پلاٹ جن صاحب کے حوالہ کیا تھا، انہوں نے کسی عالم دین کو بلا کر تبرکا چند اینٹیں ان سے وہاں رکھوالیں بعدہٗ اس جگہ کی نہ تو کوئی حد بندی ہوئی اور نہ ہی اس پر کوئی نماز ادا ہوئی، اب میں اپنی مرضی سے اسی قطعۂ آراضی پر اس کے بدلہ میں دوسرا پلاٹ مسجد کے لیے دینا چاہتا ہوں، جو اس کے مقابلہ میں زیادہ موزوں بھی ہے اور اس پر جلد ہی مسجد تعمیر ہونا اور زیادہ آباد رہنا یقینی ہے،تو کیا مجھے اس تبدیلی کا اختیار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** تعمیر مسجد کے لیے جو زمین دی گئی ہے اور اس میں مسجد کی تعمیر کی نیت سے صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھی گئی ہے ابھی تعمیر شروع نہیں ہوئی ہے،

اور سوالنامہ کے مطابق اس زمین سے بہتر آبادی سے قریب واقف کی دوسری زمین موجود ہے، تو ایسی صورت میں واقف کے لیے یا واقف کی اجازت سے اس زمین کے بدلہ میں آبادی سے قریب والی زمین کو مسجد کے لیے لے لینا جائز اور درست ہوگا، اس لیے کہ پہلے والی زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس زمین کو دوسری موزوں زمین سے بدل کر اس دوسری زمین میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے۔

**لا يصير مسجدا بمجرد البناء مالم يوجد القبض و التسليم و بالصلاة فيه بجماعة يقع القبض و التسليم بلاخلاف.** (تاتارخانية، الوقف، الفصل الحادی والعشرون، زکریا ۱۵۶/۸، رقم: ۱۱٤۹٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۱۲٤/۹، رقم: ۱۱۳۳۵- ۱۱۳۳٦)

**قال أبو حنيفة رحمة الله عليه: لايكون مسجداً حتى يصلى فيه جماعة بإذنه.** (تاتارخانية زکریا ۱۵۷/۸، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۱۲٤/۹، رقم: ۱۱۳۳٦)

**مبادلة دار الوقف بدار الأخرىٰ إنما تجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو محلة الأخرىٰ خيرا.** (شامی، الوقف، مطلب فی شروط الاستبدال، زکریا دیوبند ٦/ ۵۸٦، کراچی ٤/ ۳۸٦)

**وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطىٰ مكانه بدلا أكثر ريعا منه فى صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف والعمل عليه.** (شامی زکریا ٦/ ۵۸۷، کراچی ٤/ ۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲۹ھ

## مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا

**سوال** [۷۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین جس کا رقبہ سترہ سو مربع فٹ ہے، بغرض حصول ثواب دارین

مسجد بنانے کے لیے وقف کردی ہے لیکن مشورہ سے یہ طے پایا کہ یہ جگہ مسجد کے لیے ناکافی ہے۔ لہٰذا اسی جگہ کچھ فاصلہ پر ایک بڑا پلاٹ (سترہ سو پچاس مربع فٹ) عمرو کا ہے، عمرو سے بات کرنے پر وہ راضی ہوگئے کہ بڑے پلاٹ کے عوض چھوٹا پلاٹ سترہ سو مربع فٹ والا لے لیں اور مسجد کی تعمیر بڑے پلاٹ پر ہو، اس سلسلے میں واقف پلاٹ زید سے بھی گفتگو کی گئی تو ان کا قول یہ ہے کہ اس طرح نیت بدلنے میں کوئی شرعی حرج نہ ہوتو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں بھی بہتر خیال کرتا ہوں کہ مسجد وسیع سے وسیع تر ہوجائے، اس سلسلے میں احکام شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نیاز احمد انصاری، بارہ بنکی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب مسجد کے نام سے مذکورہ زمین وقف کردی گئی ہے تو وہ زمین وقف ہوکر مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے، لیکن ابھی تعمیر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا ہے، اوراس سے بڑی زمین اس کے معاوضہ میں مناسب جگہ پر تعمیر مسجد کے لیے مل رہی ہے تو اس کے بدلے میں بڑی والی زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس تبدیلی میں مسجد ہی کے لیے زیادہ نفع اور فائدہ ہے، اور نمازیوں کی زیادہ گنجائش بھی تبدیلی کی صورت ہی میں ہے، لہٰذا اس تبدیلی کی وجہ سے واقف کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آئیگی، بلکہ اس کا ثواب اپنی جگہ باقی رہے گا اور بڑی زمین کا ایثار کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا، اور یہ کام مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی منعقدہ رائے سے ہونا چاہئے۔

**وأما الاستبدال بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي، قال الشامي بحثا عنه: و إن كان للوقف ريع، ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف، والعمل عليه.** (شامي زكريا ٦/٥٨٧، كراچی ٤/٣٨٦)

**وأما الاستبدال بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي بإذن السلطان، حيث**

رأى المصلحة فيه، وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ، إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۷ھ

## مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا

**سوال** [۷۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مرکزی نوری مسجد شہر ''ہردہ'' سے ملے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات ہیں اور چار مکان آگے مسجد کے مکانات ہیں، آبادی کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھوٹی پڑنے لگی ہے اور نماز پڑھنے، مدرسہ لگانے اور جماعت ٹھہرنے میں دقت ہوتی ہے، ایسی صورت میں مسجد سے لگے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات مسجد میں لے کر ان کے بدلے میں مسجد کے مکانوں میں سے مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے مکان کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو مسجد کے کام میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

وضاحت: جس مکان کا مسجد میں لینے کا ارادہ ہے اس کی قیمت کم ہے، اور جو مکان بدلے میں دینا ہے اس کی قیمت زیادہ ہے، برائے مہربانی جواب میں اس صورت کے حکم کی بھی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: سوالنامہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مذکورہ مکان مسجد کی ملکیت میں ہے یا وہ موقوفہ مکان ہے، اگر ملکیت میں ہے تو متولی اہل محلّہ کے باہمی مشورہ سے تبادلہ کرسکتا ہے، جس میں مسجد کا زیادہ نفع ہو اور اگر موقوفہ مکان ہے تو جب تک اس مکان سے ادنیٰ فائدہ حاصل ہوتا رہے تبادلہ درست نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۸۸، انوار رحمت ۱۴۲)

**فإن أراد المتولی أن یبیع ما اشتریٰ ...... وقال بعضهم: یجوز هذا البیع وهو الصحیح الخ.** (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹہ ۵/ ۲۰۷، زکریا دیوبند ۵/ ۳٤٦، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۰۷، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۹۷)

**إن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لایجوز حینئذ الاستبدال علی کل الأقوال.** (شامی، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه زکریا ٦/ ٥٨٤، کراچی ٤/ ٣٨٤-٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۳ھ

# مسجد کی آراضیٔ موقوفہ کا استبدال

**سوال** [۱۷۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ میرے داداجی نے اپنی حیات میں ۱۷؍ کاٹھا زمین مسجد میں وقف کی تھی لیکن انہوں نے ٦؍ کاٹھا زمین پر مسجد بنائی، اور باقی زمین ان کے قبضے میں تھی اور اس وقت سے آج تک وہ ہمارے قبضہ میں ہے، ان کی وفات کے بعد ہم نے زمین ناپ کے دیکھی کہ ۱۱؍ کاٹھا زمین مسجد میں دینے کے بعد مسجد کی زمین پوری ہوگی، لیکن اگر وہ زمین چھوڑ دیں تو ہمارے جانے آنے کا راستہ اور دیگر ضروریات زندگی سب بند ہوجائیں گی، تو ہم نے اپنے مقامی علماء سے فتویٰ طلب کیا تھا تو ان حضرات نے ہمارے گھر کی پوزیشن اور وہ زمین جو مسجد بلسکا کی باہر ہے جو مسجد کے لیے کارآمد نہیں ہے اس کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس زمین کے ۴۲؍ ڈبل زمین دینی ہوگی، جو مسجد کے لیے زیادہ کارآمد ہو، ہم نے اسی کے مطابق ڈبل زمین دیدی جو قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے، آج سے ۱٦؍ ۱۷؍ سال قبل کی بات ہے، اور اسی کے مطابق گھر دوار بنا کر رہتے ہیں اور سابق متولی اور دیگر

خواص کی موجودگی میں دلیل ریکارڈ وغیرہ ہو چکا ہے، موجودہ متولی صاحب نے کہا کہ یہ عوض بدل کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، لہٰذا یہ زمین چھوڑ دینی ہوگی، حالانکہ وہ زمین مسجد کے لیے کچھ کارآمد نہیں ہے اور اس کو چھوڑ دینے سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ مسجد کی زمین کا استبدال کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ مسجد کے لیے زیادہ نفع وکارآمد نہیں، شریعت کے مطابق فتویٰ عنایت فرمادیں، اور حوالہ دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہار الحق ۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر واقف نے بعد کے متولی وغیرہ کے لیے بوقت وقف استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال صحیح رہے گا۔

**لو شرط الواقف فی الوقف الاستبدال لکل من ولی هذا الوقف صح ذٰلک ولکل من ولی الوقف ولایة الاستبدال.** (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زکریا جدید ۳/۲۱۵، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/۳۰۸)

**الأول أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره أو لنفسه و غیره فالاستبدال فیه جائز علی الأصح.** (الدر مع الدر، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳، الفقه الاسلامی و أدلته مکتبه الهدی انٹر نیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر دیوبند ۱۰/۷۶۷۵)

اور اگر واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی اور مسجد کے لیے بالکل ناقابل انتفاع ہو چکی ہے، تو قاضیٔ شرعی کی اجازت سے استبدال جائز رہے گا۔

**والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح، إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه.** (الدر مع الرد کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳-۵۸۴، الفقه الإسلامی و أدلته، هدی

انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦)

اوراگر زمین کسی حد تک منتفع بہ ہے تو کسی کے لیے استبدال جائز نہیں رہے گا اگر چہ اس کا عوض اس سے زیادہ انفع ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۰۳)

## مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا

**سوال** [۷۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ایک آراضی مسجد کے لیے وقف کردی اس میں مسجد کی سنگ بنیاد بھی رکھی گئی اور اب تک موجود ہے اور کئی وقتوں کی نماز باجماعت بھی اس میں ادا کی گئی البتہ اس کی چوحدی ہنوز نہیں ہوئی ہے، اب واقف صاحب اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں، تو کیا واقف کے لیے اس وقف کردہ زمین کو بیچنا جائز ہے، اور اس سنگ بنیاد کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے، اور یہ دوسری جگہ اس پہلی جگہ کے مقابلے میں قیمتی بھی اور اچھی بھی ہے تو کیا اس کا بدلہ دوسری جگہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کھلے میدان میں نماز بھی ہوئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جو زمین تعمیر مسجد کے لیے دی گئی ہو اس میں صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھ دینے سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوتی، اسی طرح کھلے میدان میں چند لوگوں کے یونہی نماز پڑھ لینے سے وہ مسجد شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ مسجد شرعی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ واقف کی اجازت سے اس زمین میں باضابطہ تعمیر ہو اور پھر اذان واقامت کے ساتھ نماز کا سلسلہ شروع ہوجائے اور زمین میں نمازیوں کے نماز پڑھنے کے لیے آنے جانے کی غرض سے راستہ بنا دیا جائے، اور مذکورہ زمین میں یہ سب شرائط نہیں

پائے گئے، اس لیے یہ زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی، لہٰذا اس زمین کو ایسی زمین سے بدلنا جو مسجد کے لیے زیادہ بہتر اور موزوں ہو جائز اور درست ہے اور سوالنامہ میں یہ مذکور ہے کہ دوسری جانب زمین پہلی زمین کے مقابلے میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اس لیے مذکورہ زمین کے بدلے میں دوسری مناسب زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنا جائز اور درست ہوگا۔

**لایصیر مسجداً بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاۃ بجماعة یقع القبض والتسلیم بلاخلاف.** (تاتارخانیة، الفصل الحادی و العشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

**قال أبو حنیفة رحمه الله: لایکون مسجدا حتی یصلی فیه جماعة بإذنه.** (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۷)

**لو صلی فیه جماعة بغیر أذان و إقامة سرا لا جهرا لایصیر مسجداً.** (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۶ رقم: ۱۱۴۹۴)

**مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا.** (شامی زکریا ۶/۵۸۶، کراچی ۴/۳۸۶، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۴۶)

## مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا

**سوال** [۷۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کونہ جو پہلے خارج مسجد تھا اور مسجد کے سیدھ سے باہر تھا کچھ لوگوں کو معلومات نہ ہونے کی بنا پر وہ کونہ انہوں نے مسجد میں داخل کرلیا اس کے مسجد میں داخل ہونے

سے سبھی لوگوں کو راستے کی تکلیف ہوگئی ہے اب سبھی لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کونہ خارج مسجد ہو جائے اور یہاں کو راستہ نکل جائے جبکہ یہ جگہ تقریباً دو یا تین میٹر ہوگی، اور یہ جگہ مسجد کی دیوار کی سیدھ سے باہر ہے لیکن یہ جگہ مسجد ہی کی ملکیت میں ہے، عرض ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ کیا ہم اس جگہ کو خارج مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مذکورہ جگہ اور کونہ مسجد کی ملکیت ہے اور اب وہ حدود مسجد میں آچکی ہے اور اس میں نماز بھی ہو چکی ہے، تو وہ مسجد شرعی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہے، اب اس کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا۔

**لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) ولو على جدار المسجد و تحته في الشامي: مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا.**

(الدر مع الرد، كتاب الوقف، قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۵)

## مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کر کے دوسری جانب زمین لینا

**سوال [۷۷۲۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم ۲-۳ کے درمیان دکھن کنارے پر ایک قدیم مسجد ہے، مسجد پلیٹ فارم سے نشیب میں ہے، اب جبکہ محکمۂ ریلوے پلیٹ فارم کی توسیع کر رہا ہے، مسجد پلیٹ فارم سے تین چار فٹ نیچی ہو جائے گی، آفیسران ریلوے کی درخواست ہے کہ مسجد کی پشت یعنی پچھّم سے پلیٹ فارم کے لیے چار پانچ فٹ زمین ریلوے کو دیدی جائے، محکمۂ ریلوے اس کے عوض میں مسجد سے متصل زمین دیدیگا اور مسجد کی از سر نو تعمیر کروائے گا، تاکہ مسجد

اونچی ہوجائے اور باہر سے پانی نہ جائے۔

مسجد کا رقبہ درج ذیل ہے:

لمبائی: ۳۴/فٹ ۶/انچ ...... چوڑائی: اتری حصہ ۳۱/فٹ ۶/انچ، درمیانی حصہ ۳۰/فٹ ۶/انچ، دکھنی حصہ: ۲۹/فٹ ۶/انچ

جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس کا رقبہ لمبائی میں ۲۵/فٹ ۶/انچ اور چوڑائی میں ۲۰/فٹ ۶/انچ ہے، محراب کا حصہ ۴/فٹ ہے۔

درج ذیل امور کا شرعی جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) دیوار کا کچھ حصہ پلیٹ فارم کے لیے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دیوار کا کچھ حصہ دینے کے بعد محکمۂ ریلوے کا مقصد پورا نہ ہوتو کیا محراب کا کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) مفاد عامہ کے پیش نظر اگر حکومت زبردستی محراب کا کچھ حصہ لے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۴) کیا کوئی ایسی صورت شریعت مطہرہ میں ہے جس سے حکومت اور مسلمانوں میں ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کر کے اس کے بدلہ میں دوسری جانب مسجد کے لیے زمین دینے یا مسجد بنا کر دینے سے متعلق اکابر اہل فتاویٰ سے بھی سوال کیا جاچکا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے اسی قسم کا سوال کیا جاچکا ہے، اور حضرت گنگوہیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

اور اسی طرح کا سوال حضرت تھانویؒ سے کیا گیا اور حضرت تھانویؒ نے شامی وغیرہ کی مختلف عبارات کو شامل کر کے تقریباً ڈھائی صفحہ پر عربی میں جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ معاوضہ میں دینا ناجائز ہے، اور جن عبارات میں ضرورت عامہ کی بنا پر مسجد کے بعض حصہ کو گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے ان عبارات کا مطلب یہ نہیں کہ جس حصہ کو گزرگاہ

بنایا جائے وہ مسجد سے خارج ہو جائے گا بلکہ وہ حصہ مسجد ہی میں رہے گا، اور اس حصہ سے ہر طرح کے لوگوں کو گزرنے کی اجازت ہے، حتی کہ کافر کو بھی گزرنے کی اجازت ہے، مگر حائضہ، نفساء اور جنبی کو گزرنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ وہ حصہ مسجد ہی ہے، اسی طرح معاوضہ اور تبادلہ میں مسجد کا کوئی حصہ سڑک اور راستہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵۵)

اور بعینہ یہی سوال حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے کیا گیا تو انہوں نے کافی وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ تبادلہ میں دینا، یا عام لوگوں کے گزر کے لیے سڑک میں دے دینا جائز نہیں ہے، مفتی صاحبؒ کا یہ فتویٰ بعینہٖ ہمارے مذکورہ سوال کے جواب سے ملتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۶، جدید مطول ۱۰/ ۱۴۴)

اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا، انہوں نے بھی عدم جواز کا جواب لکھا۔ (امداد المفتیین کراچی ۷۶۰)

اور فتاویٰ عبدالحی میں بھی تقریباً اسی طرح کے عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لکھنؤ ۱/ ۲۵۵)

درمختار، البحر الرائق، طحطاوی علی الدر، مجمع الانہر، تبیین الحقائق وغیرہ کتابوں کے مصنفین نے ان سب کتابوں میں درمختار وشامی کی اس عبارت کی طرح عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جس میں وسیع مسجد کے زائد حصہ کو ضرورت عامہ کی بناء پر گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن سبھی حضرات نے ساتھ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس راستہ میں عامۃ المسلمین کے ساتھ کافر بھی گزر سکتا ہے، مگر وہ حصہ مسجد ہی کا حصہ رہے گا، لہٰذا اس حصہ پر سے جنبی، حائضہ اور نفساء کا گذر ہرگز جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ حصہ مسجد ہے، اور مسجد سے ان لوگوں کا گزرنا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ عام انسانوں کو اپنی دنیوی ضرورت کے لیے بھی گزر کر آنا جانا جائز ہوگا، اسی وجہ سے گزرنے کی اجازت دی گئی مگر بیچنے اور تبادلہ میں دینے کی اجازت نہیں دی گئی، لہٰذا فقہ کی مذکورہ کتابوں کی وہ عبارات جن میں دیوار مسجد تک مسجد میں شامل ہونے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کے اور گزرگاہ اور راستہ بنانے کی اجازت والی عبارت کے درمیان تعارض نہیں ہے۔

**واعلم أنه لو ضاق المسجد وبجنبه طريق العامة يوسع منه وكذا بالعكس؛ لأنهما للمسلمين نص عليه محمد كذا في الاختيار، ونحوه في الدرر والتنوير، والمراد بعكسه أن يجعل في المسجد ممرلتعارف أهل الأمصار في الجوامع، و جاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء والدواب كما في المنح وغيره عن الزيلعي.** (سكب الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٦، مصرى قديم ١/٧٤٨)

**ومعنى قوله كعكسه أنه إذا جعل في المسجد ممرا فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء لما عرف في موضعه.** (البحر الرائق زكريا ٥/٤٢٨، كوئٹه ٥/٢٥٥، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ٣/٣٣٢، زكريا ديوبند ٤/٢٧٤)

**قلت: وظاهر كلام المصنف والشارح جوازه إلا أنه لايعطى حكم الطريق من كل وجه.** (الطحطاوى على الدر كوئٹه ٢/٥٤٣)

**ولايوضع الجذع على جدار المسجد و إن كان من أوقافه.** (شامى زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨)

اور دیوار مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۷۹۴، فتاویٰ خلیلیہ ۱/۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۲/۳۸)

## مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا

**سوال** [۷۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک قطعہ دومنزلہ مکان جنوب رو ایک سال قبل عبد الغفار ولد عبد الغفور

مرحوم جوکہ میرے حقیقی چچا ہوتے ہیں سے خرید کیا ہے مکان کے مشرق جانب رحیم والی مسجد محلّہ کسرول واقع ہے، میرے چچا نے یہ مکان تقریباً تیس سال قبل دو منزلہ بنایا تھا، مکان کی خریداری کرنے کے بعد میرے علم میں آیا کہ اس مکان اور مسجد کے بیچ میں ایک آبچک مسجد کا ہے، جوکہ بسمت جنوب سے شمال کی جانب پیش طاق کے بعد ختم ہو جاتا ہے، جس کا رقبہ ۳ رگز ۱۴ رگرہ ہے، آبچک کی پیمائش کی فوٹو کاپی سوال کے ساتھ منسلک ہے، مسجد کی تعمیر کے وقت ذیلی منزل میں اسکو شامل کرلیا گیا ہے اور دوسری منزل پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، عبدالغفار کے مکان کی تعمیر سے پہلے متولی مسجد ہٰذا نے کہا جب آپ مکان تعمیر کر رہے ہو تو اسے اپنے مکان میں شامل کرلو کیونکہ اگر اسے ایسے ہی چھوڑتے ہو تو یہ آبچک مسجد اور آپ کے مکان دونوں کو نقصان پہنچائے گا، کیونکہ دوسری منزل پر اس چھوٹے سے آبچک کی صفائی کون کرے گا، میں نے اپنے چچا سے مکان خریدنے کے بعد دوسری منزل پر آبچک چھوڑ کر اپنے حصہ میں دیوار کرلی، اور مسجد ہٰذا اور محلّہ کے ذمہ دار حضرات کو موقع کو دکھایا کیونکہ میں مسجد کی آراضی کو اپنے مکان میں شامل کرکے کوئی گناہ کا عمل نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن مسجد ہٰذا و محلّہ کی دیواروں کو برسات کے پانی وگندگی سے کافی نقصان پہنچے گا، لہٰذا مفتیان شرع سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرے لیے اور مسجد کے لیے کوئی ایسا شرعی حل تلاش کریں جس سے میرے اوپر گناہ عائد نہ ہوتا ہو، ویسے میں اس جگہ کی قیمت یا جگہ کے بدلے دوسری جگہ مسجد کو دے سکتا ہوں، کیونکہ دوسری مسجد کے برابر میں میرا مکان ہے، خدا میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کے جس آب چک کا ذکر کیا گیا ہے یہ در حقیقت حکم شرعی کے اعتبار سے آب چک نہیں ہے، بلکہ عین مسجد ہے اس لیے کہ مسجد کے نیچے کی منزل اس حصہ کو شامل کر کے بنی ہوئی ہے، اور دوسری منزل میں اہل مسجد نے ناواقفیت میں اس حصہ کو باہر چھوڑ دیا ہے اور دوسری منزل میں اس حصہ کو مسجد سے باہر چھوڑنے کی وجہ سے وہ حصہ مسجد سے خارج نہ ہوگا، بلکہ داخل مسجد ہی ہوگا، لہٰذا اس حصہ کو پڑوسی کے حوالہ کرنا یا

اس کی تحویل میں دینا کسی طرح جائز نہیں، اس طرح اس حصہ کو نہ ہی مفت میں دینا جائز ہے، اور نہ ہی اس حصہ کا کرایہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ وہ عین مسجد ہے، کیونکہ دیوار مسجد بھی حکم مسجد میں داخل ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ پڑوسی نے اپنے حصہ میں دیوار کھینچ کر اس حصہ کو اپنے حدود سے باہر نکال دیا ہے یہ انہوں نے صحیح کیا ہے، اب ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ تیسری منزل کی چھت کے اوپر چہار دیواری قائم کرکے، اور لینٹر کو باقی رکھ کر مسجد میں چھوڑ دیں اور اوپر سے ٹیپر بنادیں تاکہ وہاں پر پانی نہ رکنے پائے اور مسجد کی عمارت نقصان سے محفوظ رہے، اور دیکھنے والے دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حصہ مسجد کا ہے۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولاسكنى.** (شامی کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا ۶/۵٤۸، کراچی ٤/۳۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۷)

## نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ

**سوال** [۷۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی دہلی پلیٹ فارم کے بیچ میں ایک مسجد ہے حکومت ہند چاہتی ہے کہ اس مسجد کو ختم کرکے اس جگہ کو ریلوے کے استعمال میں لے آئے، اور اس کے بدلے مسلمان جہاں چاہیں جتنی بڑی مسجد چاہیں بنالیں، کیا اس طرح کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس جگہ ایک بار مسجد بن چکی ہے وہ تا قیامت مسجد

ہی رہے گی اس کوکسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، لہٰذا پلیٹ فارم کی مسجد کو ریلوے کے استعمال کے لیے دینا جائز نہیں ہے، اگر چہ حکومت اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنا کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ حیدرآباد ۵/۱۰۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۶، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۰۴)

**لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولايسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذٰلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لايسعهم ذٰلك.** (هنديه، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۲/۴۵۷، جديد ۲/۴۱۰، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۶۲، رقم: ۱۱۵۱۱، المحيط البرهاني كوئٹه ۷/۱۳۰، الملجس العلمي ۹/۱۲۷، رقم: ۱۱۳۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۷)

## واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپئے کے بدلہ لینا

**سوال** [۷۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی زید نے اپنے چچازاد بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر چند دنوں کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا جس نے رکھا تھا، انتقال سے پہلے اپنے لڑکے بکر سے وصیت کردی تھی کہ اپنے چچا کا خیال رکھنا لیکن کسی وجہ سے وہ لڑکا اپنے چچا سے کنارہ کش ہوگیا، پھر اس لڑکے کے چچا کی طبیعت خراب ہوگئی، پھر بھی اس لڑکے نے اپنے چچا کا کچھ خیال نہ کیا، زیادہ طبیعت خراب ہونے پر اس نے اپنا حصہ مکان کا مسجد کے نام وقف کردیا، جب یہ بات اس کے لڑکے کو معلو ہوئی تو وہ اپنے چچا کا خیال کرنے لگا، تو وقف شدہ مکان اس لڑکے کو دیدیا اور جس مکان میں وہ لڑکا رہتا تھا وہ مسجد میں وقف کردیا، چچا نے انتقال کے وقت اس لڑکے سے کہا کہ اگر ایک ہزار روپیہ لے آؤ تو اس مکان کے بدلے میں ایک ہزار روپیہ مسجد میں

دیدوں اور وہ مکان مسجد سے واپس کرلوں اس لڑکے کے پاس اتنی جلدی روپئے نہ ہوسکے اور اس کے چچا کا انتقال ہوگیا، اب اس لڑکے بکر کو قریب ۳۰/سال ہوگئے ہیں تو کیا ایک ہزار روپیہ دے کر مسجد سے مکان واپس لوٹا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صورت مسئولہ میں اب جبکہ عمر کا انتقال ہوگیا ہے اس کے بھتیجے بکر کو مسجد سے وہ مکان ایک ہزار روپیہ کے بدلے میں واپس لینا جائز نہیں ہے۔

**أما إذا قال الواقف على أن لفلان ولاية الاستبدال فمات الواقف لايكون لفلان ولاية الاستبدال بعد موت الواقف.** (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۰۰، جدید ۲/ ۳۷۵، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۱۵، وعلى هامش الهندية ۳/ ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۱۲/۴۷۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۶ھ

## مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد قریشیان محلّہ فیل خانہ کی جگہ تھی اس جگہ میں احسان الٰہی اور ان کے داماد عظمت حسین نے اپنے ذاتی پیسوں سے مکان بنوایا اور اسی مکان میں رہتے رہے، اور کرایہ داری کی رسید احسان الٰہی کے نام آتی رہی، اور کرایہ بھی احسان الٰہی ادا کرتے تھے، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی کے نام کرایہ داری کی رسید آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں، پھر ان کی لڑکی شاہدہ کے نام رسید کرایہ داری آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ احسان الٰہی کے ایک بھائی محبوب الٰہی تھے، (جواب بغیر

شادی شدہ انتقال کر چکے ہیں ) اور ایک بھائی نور الٰہی تھے اور ایک بھائی مہر الٰہی تھے جو احسان سے پہلے انتقال کر گئے، نور الٰہی کی دولڑ کیا ہیں :۱۔ چندا ۲۔ قمر جہاں۔

تو کیا شرعاً اس مکان میں احسان الٰہی کے دیگر بھائیوں یا مذکورہ بھتیجوں کے کسی طرح حقوق نکلتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کی جگہ پر کسی کے لیے رہائش کی غرض سے ذاتی رقم صرف کر کے مکان بنانا جائز نہیں اور نہ ہی متولی یا ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، البتہ اگر ذمہ داران مسجد نے اس وقت مسجد کے مفاد کی خاطر اس طرح کرایہ پر دیا تھا کہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہو جائے گی، اس کے بعد پھر کرایہ کا سلسلہ جاری رہے گا، تو اس کی اس وقت گنجائش تھی مگر جب احسانِ الٰہی جو اصل کرایہ دار تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے تو کرایہ داری کا معاملہ شرعی طور پر ختم ہو چکا ہے، اب معاملہ صاف کر کے زمین و مکان مسجد ہی کو دیدینا لازم ہے، اس میں احسان الٰہی کے ورثاء میں سے کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، البتہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہونے سے اگر کچھ باقی ہے تو صرف وہی مسجد سے وصول کر سکتے ہیں۔

**وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة.** (ھدایہ اشرفیہ دیوبند ۳/ ۳۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۱/ ۱۴۱۷ھ

## مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا

**سوال** [۷۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک موقوفہ جائیداد بنام مسجد ہے، اس کی ایک دیوار پڑوسیوں نے توڑ کر اپنی پکی دیوار بنا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال لیا ہے اب از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین کاتب، بلاری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کی دیوار بھی مسجد کی طرح وقف میں داخل ہے اس لیے اس کی دیوار توڑ کر کسی کے لیے پکی دیوار بنا کر مالکانہ تصرف کر کے اس پر لینٹر ڈال کر اپنے مکان وغیرہ کی چھت کو قائم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ پڑوسیوں کو اس پر مجبور کریں کہ وہ مسجد کی دیوار اور زمین سے اپنا قبضہ چھوڑ دیں۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق فإذا كان هٰذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد الخ.** (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۹۳)

## مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا

**سوال** [۷۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قوم راعین برادری میں ایک مسجد عمر فاروق کا کام چالو ہے جب مسجد کا کام چالو کیا تو ہم نے بہت سے دیندار اور پیش اماموں کو بلایا تھا، ان کے سامنے ہم نے یہ بات رکھی کہ ہم مسجد دو منزل کی بنوائیں گے، نیچے ہال ہوگا اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی ان سب لوگوں نے یہ کہا کہ مسجد کی بنیاد زمین پر رکھی گئی ہے، یعنی محراب کا پتھر زمین پر رکھا گیا ہے، اس لیے آپ کو نماز کی جماعت کے لیے پیش امام کو نیچے ہی کھڑا کرنا پڑے گا، یعنی جماعت نیچے ہی

ہوگی، زیادہ نمازی ہونے پر اوپر کی منزل پر نمازی جاسکتے ہیں، امام نیچے ہی کھڑا ہوگا، جماعت اوپر کی منزل پر نہ ہوگی، نیچے کی منزل کا ہال مسجد ہی میں رہے گا، مگر قوم کا ارادہ یہ ہے کہ ہال کے اندر مدرسہ بنادیا جائے گا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اس ہال میں برات یا جماعتوں کو بھی ٹھہرالیا جائے گا، جلسہ وغیرہ بھی کرالیں گے، کئی لوگوں نے اعتراض کیا کسی آدمی نے ان کو یہ کہہ دیا کہ نیچے کے محراب کو دیوار کی شکل میں بند کردیا ہے، نیچے محراب نہیں رہا، بلکہ ایک دیوار بن گئی، اسی محراب پر اوپر کی منزل پر دوسرا محراب بن جائے گا، یہ لوگ امام کو اوپر کھڑا کرکے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہم کو پوری تفصیل کے ساتھ جواب دینے کی مہربانی کریں کہ کیا:

(۱) اوپر کی منزل پر امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا نیچے کے ہال کے محراب کو بند کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) ہال کو مدرسہ یا برات یا جلسہ کے یا آئی ہوئی دینی جماعتوں کے سونے کے واسطے کام میں لے سکتے ہیں؟ جواب جلد دینے کی مہربانی کریں۔

**المستفتی:** حاجی ماسٹر علی محمد جھنجھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر پہلے سے اس جگہ پر مسجد تھی اور نئے سرے سے دوبارہ دومنزلہ مسجد بنائی جارہی ہے جیسا کہ سوالنامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نیچے کی منزل کی محراب کو ختم کرکے دیوار بنائی جائے اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ پرانی مسجد کی جگہ پر از سرنو نئی تعمیر کے موقع پر یہ پروگرام بنا ہے، کہ نیچے ہال رکھا جائے اور اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک وہ مسجد ہی رہتی ہے، اس لیے اوپر نیچے دونوں حصے مسجد ہی ہوں گے، نیچے کے حصے کو برات وغیرہ ٹھہرانے کے لیے یا قومی پروگرام وغیرہ کے لیے یا مدرسہ کے لیے متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

**ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام، والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا

۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۸۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۹۵، قدیم ۱/۷۴۸)

اور اگر وہاں پہلے سے کوئی مسجد نہیں تھی بلکہ نئی زمین لے کر نئی مسجد کا پروگرام بن رہا ہے تو تمام چندہ دہندگان یا زمین دینے والوں کے مشورہ سے ایسا پروگرام بنانے کی گنجائش ہے کہ نیچے کے حصہ کو خارج مسجد کر دیا جائے اور اس کو مدرسہ کی شکل دے کر محلّہ کے بچوں کو وہاں پر تعلیم دینا اور اوپر والے حصہ کو باضابطہ مسجد قرار دینا جائز ہے، لیکن بارات وغیرہ ٹھہرنے کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، بارات کا ٹھہرنا مفاد مسجد اور مدرسہ کے خلاف ہے، اس لیے جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ دینی جماعتوں کے ٹھہرنے اور دینی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذٰلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا و ماتحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذی تحته ولو أنه بنی المسجد أولا ثم أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل و ینبغی أن یرد إلی حاله.**

(حاشیة الچلبی علی التبیین ۳/۳۳۰، زکریا ۴/۲۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۹ھ

## مسجد کو مدرسہ اور وضوخانہ میں تبدیل کرنا

**سوال** [۷۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلی نمبر ۳ ر بڑے احاطہ کے نکڑ پر ایک مسجد ۱۹۶۲ء میں تعمیر کی گئی تھی اس کے مشرقی حصہ میں کچھ زمین خرید کر مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا اس کے اندر حفظ وقرآن کا سلسلہ جاری تھا جس وقت مسجد تعمیر ہوئی تھی، اس وقت مسجد کی زمین کی گہرائی تیرہ یا چودہ فٹ تھی، اس میں پلر کھڑے کر کے مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، اور نماز شروع ہوگئی تھی، کچھ دنوں کے بعد نمازیوں کی تعداد بڑھنے پر نیچے انڈر گراؤنڈ میں بھی نماز شروع کر دی گئی تھی، اب اس مسجد کو نئے سرے

سے تعمیر کرنے کے لیے شہید کردیا گیا اور اب نئی تعمیر میں زمین پر جو جگہ مسجد کی تھی اس کو مدرسہ کی شکل میں طالب علموں کی رہائش کے لیے اور ایک سائیڈ میں وضوخانہ اور دوکانوں کے لیے دس بارہ فٹ اوپر لینٹر ڈال دیا گیا ہے اور اس لینٹر کو مسجد کے لیے استعمال کرنے کے لیے سوچا گیا ہے لہٰذا مسجد کی جگہ پر مدرسہ وضوخانہ اور دوکانوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

**المستفتی:** اہل محلہ اصالتپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ کے متعلق مستفتیوں سے زبانی معلوم کیا گیا کہ مذکورہ مسجد کے مشرقی جانب دوکانیں تھیں اور اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت کھڑی تھی اور مسجد کے جنوبی جانب جو پتلا راستہ جارہا ہے اس جانب دیوار تک حدود مسجد ہی میں شامل تھا، مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ اسی جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانے کا پروگرام ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو شرعی طور پر اس جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حصہ پرانی مسجد کے حدود میں شامل تھا لہٰذا اس حصہ میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام جائز نہ ہوگا، البتہ مشرقی جانب میں جتنا حصہ پرانی مسجد سے خالی رہا ہو اس حصہ میں وضوخانہ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے، اور جس حصہ میں پہلے دکانیں تھیں اس میں آئندہ بھی دکانیں بنائی جاسکتی ہیں، اور جیسے ان کے اوپر پہلے مدرسہ تھا آئندہ بھی اس کے اوپر مدرسہ بنانا درست ہوگا اور جس حصہ میں پرانی مسجد کا حجرہ تھا اس حصہ میں آئندہ بھی حجرہ وغیرہ بنانا جائز ہوگا، مگر پرانی مسجد کی جو حدود تھیں اس میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام کرنا اس حصہ میں سے کوئی بھی چیز مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں لینا جائز نہیں ہے۔

**أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق.** (شامی كتاب الوقف زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۵ھ

# مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا

**سوال** [۷۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعہ آراضی مسجد کی جس پر برسوں مقدمہ بھی چلا اور آخر میں فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا، اسی مسجد کے متصل اسلامیہ مدرسہ بھی قائم ہے مدرسہ کے بائیں جانب جگہ کی قلت ہونے کی وجہ سے مسجد نے وہ جگہ مدرسہ کو اس مقصد کیلئے وقف کردی تاکہ تعلیم وتدریس کا مبارک کام بحسن وخوبی انجام پاسکے، مگر مدرسہ نے مسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی آمدنی کے لیے دکان تعمیر کروادیئے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا نیز وقف شدہ زمین پر دکان تعمیر کروانا درست ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت بالدلیل فرمائیں، تاکہ کسی بھی فریق کو اشتباہ نہ رہے، اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر مسجد کے لیے وقف شدہ زمین ہے تو اس کو مدرسہ کے لیے منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مسجد کی ملکیت کی زمین ہے تو منتقل کرنا جائز ہے مگر مدرسہ پر اس کی قیمت مسجد کو ادا کردینا لازم ہوگا، نیز وقف کی زمین میں دکان بنانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

**أن مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ، زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۷)

# نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک آراضی جس میں ایک کنواں تھا اور ایک نامعلوم شخص کی قبر تھی اہل محلّہ کافی عرصہ سے اس میں عرس کراتے رہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ تین زمانے تک اس میں عرس ہوتا رہا، دورانِ عرس کسی نے اس آراضی کا دعویٰ نہیں کیا، اب اہل محلّہ اس آراضی کو دینی درسگاہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، شرع کا کیا حکم ہے؟ اور اب بھی اس آراضی کا کوئی دعویدار نہیں ہے تو کیا طلبہ اس دینی درسگاہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تراویح وختم قرآن درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آراضی کسی کی ملک غصب شدہ نہیں ہے اس لیے اس میں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہو جائے گی، نیز نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی قبروں پر واقع ہے اور بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانے کا جواز بھی کتب معتبرہ سے ثابت ہے، اس لیے درسگاہوں میں بلاشبہ نماز جائز ہو جائے گی، مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذٰلك بأسا الخ.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۵ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۸۳) | ۱۴۱۴/۹/۵ھ |

# مسجد کے وضوخانہ پر اسکول کا حکم

**سوال** [۷۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں باہر سڑک کی طرف مسجد کی آراضی میں دوکانیں بنی ہوئی ہیں، ان کے پیچھے مسجد کا راستہ اور وضوخانہ ہے اس جگہ پر نماز نہیں ہوتی ہے، دوکانوں اور وضوخانہ کی چھت پر ایک اسکول چل رہا ہے، جس کو تقریباً سترہ سال ہوگئے ہیں وضوخانہ کی چھت کا چھجہ گلی کی

طرف نکلا ہوا ہے اور اس پر اسکول کا بیت الخلاء بنا ہوا ہے، اس اسکول کا کرایہ مسجد کے جملہ اخراجات میں آتا ہے، آپ یہ بتائیں کہ اس جگہ پر اسکول یا دوکانیں جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: اگر مسجد کو کما حقہ کرایہ ادا کرتے ہوں اور اسکول کا راستہ بھی بالکل الگ ہو، اور لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم نہ ہوتی ہو بلکہ صرف لڑکوں کی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہو اور مسجد جب چاہے آسانی سے خالی کرسکتی ہو، تو اسکول کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۷۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ

## مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا

**سوال** [۷۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی برائے مسجد خریدی گئی اور چندہ بھی مسجد کی آراضی کے عنوان سے ہی ہوا ہے، مسجد کی تعمیر اور زمین کے لیے ہی لوگوں نے چندہ دیا بحمد اللہ ان پیسوں سے مسجد کے لیے زمین خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی، مسجد کی آراضی میں چند دوکانیں مسجد کے لیے بنادی گئیں تا کہ ان سے مسجد کی تھوڑی آمدنی ہوتی رہے اور مسجد کی ضروریات میں صرف ہوتی رہے ان دوکانوں کے اوپر کچھ کمرے بنائے گئے ہیں، جس میں جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بھی رہتی رہی ہے، اور سہ دری کی صفوں سے وہ صف ملی رہتی ہے پھر کچھ دنوں کے بعد ان کمروں میں اسکول چلا دیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) مسجد کی آراضی کی خریداری برائے مسجد ہوئی ہے اس میں اسکول چلانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسجد کی کمیٹی معقول اور مناسب کرایہ اسکول والوں سے لینا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۳) عام مصلیوں کو اسکول کے قیام سے ناراضگی ہے نیز عام طور پر جماعتیں آتی رہتی ہیں، چونکہ بڑی مسجد ہے، اسکول میں پڑھانے والی مستورات ہیں جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے۔

المستفتی: علیم الدین قاسمی کچھی نگر دھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا درست نہیں ہاں البتہ دینی مدرسہ چلانے کی گنجائش ہے اور اسکول کی اجازت اس لیے نہیں ہے کہ اگر بعد میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو اسکول والے خالی نہیں کریں گے، اسکول والے ہمیشہ مسجد والوں پر غالب ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کرایہ لے کر بھی اسکول چلانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے، تاکہ بعد میں اختلاف اور فتنہ کا سبب نہ بن سکے اور چونکہ مدرسہ بھی ایک دینی ادارہ اور وقف کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے مدرسہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں، نیز مدرسہ قائم کرنے میں بھی شرط ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار اور متولی ایک ہی شخص ہو اور اگر دونوں کے ذمہ دار الگ الگ ہوں تو پھر مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کو ان کمروں کا کرایہ ادا کرے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۸)

**أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذٰلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفيء.** (هنديه، الوقف، قبيل الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر …… زكريا قديم ٢/٤٦٤، جديد زكريا ٢/٤١٤، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٩٩، رقم: ١١٦٣١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٥٤، رقم: ١١٤٥٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۲ھ

## خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کرولہ سرسید نگر کی بڑی مسجد کے سامنے کچھ زمین مسجد ہی کی پڑی ہوئی ہے اور مسجد اور وہ زمین مکمل وقف کرنے والوں نے صرف مسجد کے لیے وقف کیا تھا، پھر بعد میں جو متولی رہا تو اس متولی نے محلّہ والوں کے مشورہ سے خالی زمین پر مدرسہ قائم کیا جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس وقت دو کمرے ہیں، جن میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور دو استاذ مسجد کے اندر تعلیم دیتے ہیں کچھ زمین مسجد ہی کے سامنے خالی پڑی ہوئی ہے اب وہاں کے لوگوں میں دو پارٹی ہوگئی ایک پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر ہسپتال قائم ہوگا اور دوسری پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر مدرسہ تو قائم ہوسکتا ہے لیکن ہسپتال قائم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ مدرسہ میں درسگاہ کی کمی ہے مسجد میں تعلیم ہورہی ہے، نیز جن لوگوں نے وقف کیا ہے، وہ لوگ بھی ہسپتال بنانے پر راضی نہیں بلکہ مدرسہ بنانے پر راضی ہیں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمایئے کہ کیا مسجد کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے؟

(۲) اب کچھ لوگوں نے عدالت کے ذریعہ اپنے پیسوں کے زور سے ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، تو کیا مسجد کی زمین کو خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرانا شرعاً جائز ہے ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اہلیان محلّہ سرسید نگر بڑی مسجد کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب وہ زمین مسجد اور اس کے متعلقات کے لیے وقف ہوچکی ہے، تو اس زمین میں مسجد اور اس کے متعلقات ہی کا کام ہوسکتا ہے، اور محلّہ کی مسجد کے متعلقات میں دینی تعلیم کے مکتب بھی شامل ہوتے ہیں، جس میں محلّہ کے بچے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، مکتب و مدرسہ باضابطہ گرچہ مسجد کے متعلقات میں نہیں آتے لیکن اقرب اجناس میں ہیں اس لیے کہ خود مسجد کے اندر بھی دینی تعلیم کا درس دینا جائز ہے، مگر مسجد کے اندر بیٹھ کر ڈاکٹر کا مریضوں کو دیکھنا اور ہر طرح کے لوگوں کی آمد ورفت قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لیے مدرسہ کو مسجد سے تعلق ہے، ہسپتال اور اسکول کو نہیں ہے، لہٰذا وہاں

باضابطہ مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے، مگر ہسپتال یا اسکول قائم کرنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ اگر زور وزبردستی سے ہسپتال یا اسکول قائم ہو جائے تو اس کو ختم کر دینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، لہٰذا جن لوگوں نے خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، وہ شرعاً خائن اور مسجد کی زمین کے غاصب شمار ہوں گے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ سب مل کر ایسے لوگوں کے اختیارات سے مسجد کی اس زمین کو نجات دلائیں اور پھر کبھی ایسے لوگوں کو مسجد یا اس کی زمین پر اختیار کا موقع نہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۴، جدید زکریا ۹/۱۳۲)

**ويجوز الدرس في المسجد و إن كان فيه استعمال اللبود والبوارى المسبلة لأجل المسجد.** (البحر الرائق، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، زكريا ٥/٤١٩، هنديه، الباب الخامس آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٣٠، جديد ٥/ ٥٣٠)

**قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي.** (هنديه الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٥٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

# مسجد میں اسکول قائم کرنا

**سوال** [۷۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد اسلامیہ کے اندر علوم عصری (انگریزی سائنس، ٹریننگ، کمپیوٹر) کا رواج ڈالنا کیسا ہے؟ اور اس سے کیا فوائد ہیں؟ اور کیا نقصانات لازم آتے ہیں، کیونکہ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں کوشش کی اور جاری کر دیا، دیگر حضرات اس اقدام کی ستائش

کرتے ہوئے تقلید بھی کررہے ہیں،، باضابطہ طور پراخبار میں اس کی اشاعت بھی ہوئی، اور تائید بھی، اخبار کا زیروکس ارسال کیا جارہا ہے اس کا مطالعہ کرکے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اگرکوئی قباحت لازم آتی ہے تو مناسب طریقہ سے اس کی اصلاح کیسے کی جائے، اوراس کی صورت کیا ہوگی؟ کیونکہ آپ حضرات تو رہبر قوم ہیں، آپ کا قول قابل تقلید ہوگا اورآپ کا اس سے عوام کو باخبر کرنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں حقیر کے ذہن میں کچھ نکات آئے ہیں جوسامنے ہیں:

(۱) مساجد کے اندر دنیا کے اغراض ومقاصد کا بیان کرنا حتی کہ گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا فقہاءکرام منع کرتے ہیں، تو ہنر کے لیے مساجد کی جگہوں کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے؟

(۲) مساجد کے اندر چندے سے اسکول کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳) اسلام نے صلوات خمسہ کے علاوہ کچھ نوافل بھی رکھیں ہیں، اگر چہ فرض یا واجب نہیں ہیں اورآبادیوں میں اکثر جگہ خرافات رہتی ہیں، اب کوئی اللہ کا بندہ عبادت میں مشغول ہونا چاہے تواس کے لیے مسجد ہی مناسب ہے، اوراگر وہ بھی اغراض میں استعمال ہونے لگے تو بندہ کہاں جائے؟ پھر مصلی اگر بادل ناخواستہ مسجد چلا بھی جائے تو اس کا سکون غارت ہوجائے؟

(۴) عورت ہر کلاس کے وقت حاضری دے گی، تاکہ درس نہ چھوٹے، اس میں تمام حالات پائے جائیں گے، جبکہ ایام خاص میں مسجد میں داخلے ممنوع ہیں۔

(۵) تعلیم کے بعد بچے خالی اوقات میں کھیل کود بھی کریں گے، جس سے شورشرابہ ہوگا، کیا یہ درست ہے؟

(۶) بہت سی مساجد غیرآباد ہیں، آنے والے وقتوں میں مقاصد کو اول سمجھنے والے حضرات آمدنی کے واسطے شادی بیاہ ودیگر پارٹیوں میں مساجد کی جگہوں کے استعمال کرنے کا تصور بھی کرسکتے ہیں؟

(۷) ادارہ میں ہرقوم وملت کا داخلہ لینا ہوگا، روک نہیں سکتے، اوراس میں غیرمسلم

طلباء بھی ہوں گے، پاک رہیں گے یا ناپاک، خدا جانے، اسی طرح اگلے آدمی نے احتیاط سے ادارہ شروع کیا تو کوئی ضروری نہیں کہ مقلد بھی اسی احتیاط پر قائم رہے، اور نہ رہنے کی صورت میں نقصان کیا ہوگا اور فائدہ کیا؟ وہ سامنے ہے۔

(۸) ظاہری چمک کو دیکھ کر مساجد کو مقاصد دینی کے واسطے استعمال کر کے نتائج سے منہ موڑنا اور تقدس مساجد کا پامال کرنا لازم آتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

**المستفتی:** قاری عبدالقدیر قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کے اندر اسکول کی تعلیم ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم تو مسجد سے خارج ہونی چاہیے نیز عورتوں کا آکر اس میں تعلیم دینا الگ سے امر قبیح ہے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کے اندر سے اسکول کی تعلیم ختم کرادیں، اور اگر حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے تو علاقہ کے تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ حکومت سے احتجاج کر کے وہاں سے تعلیم کو ختم کرادیں۔

حدیث پاک میں حرمت مسجد کے خلاف تمام امور کو منع کردیا گیا ہے، یہاں تک کہ گمشدہ اشیاء کے اعلان کو بھی منع کردیا گیا ہے۔

**عن أبی عبد اللہ مولی شداد بن الهاد أنه سمع أباهريرة يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من سمع رجلا ينشد ضآلة فی المسجد فليقل: لا ردها الله عليک، فإن المساجد لم تبن لهذا.** (سنن أبی داؤد، باب النهی عن انشاد الضلال فی المسجد، النسخة الهندية ۱/۶۸، دار السلام رقم: ۷۶۷، صحيح مسلم باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندية ۱/۲۱۰، بيت الأفكار رقم: ۵۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۵۰۰)

## مسجد ومدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قریہ جمال پور میں ایک آراضی تقریباً ۴/ بیگھہ مسجد قریہ کی ملک تھی، جس وقت چک بندی سرکاری ہوئی اس وقت عوام نے اس ملک کے بدلہ ایک دوسری آراضی جو ۴/ بیگھہ سے کم ہے اپنی مسجد اور مدرسہ نعمت پور کے لیے مقرر کرادی، چنانچہ عوام اس وقت سے یہ سمجھتی رہی ہے کہ یہ تین بیگھہ آراضی ہے جس میں دو بیگھہ مسجد جمال پور کی ہے اور ایک بیگھہ مدرسہ نعمت پور کی ہے، اب کچھ ایام سے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول بنانے کا مسئلہ آیا ہے جس کے لیے جگہ تجویز پیش کرنے میں عوام میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے مدرسہ کی مقبوضہ آراضی میں اسکول بنانے کی تجویز پیش کی، دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی کہ مدرسہ کی زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں؟

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ سرکاری کاغذات کی جانچ کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ آراضی جو چار بیگھہ سے کم ہے اس کے تین نمبر ہیں، جن میں ۲/ نمبر مسجد قریہ کے نام ہیں، اور ایک نمبر میں سرکاری کاغذات میں اسکول فارم لکھا ہوا ہے، کسی مدرسہ کا نام درج نہیں، جبکہ عوام وخواص کے ذہن میں پہلے ہی سے مدرسہ کی سمجھی جارہی ہے، کیا اس میں سرکاری اسکول بنوانا جائز ہے یا نہیں؟، بعض لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان تینوں نمبروں میں سے ایک میں اسکول اور دوسرا مدرسہ نعمت پور کے لیے اور تیسرا نمبر مسجد قریہ کے لیے تجویز کردیا جائے تاکہ تنازع ختم ہوجائے تو کیا ایسا کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ گاؤں میں کچھ لوگ غیر مسلم ہریجن بھی ہیں اور بعض مسلمان بھی اسی جگہ اسکول بنانے پر بضد ہیں، شدید تنازع کا خطرہ ہے، کیا صورت بہتر ہے اور کیا مشورہ ہے؟

**المستفتی:** اطہر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عوام اور غیر مسلم مدرسہ کو بھی اسکول ہی کہتے ہیں

اور جس وقت سے مدرسہ چل رہا ہے اس وقت سرکاری پرائمری اسکول کا وجود بھی نہ تھا، اور زمین کی آمدنی مدرسہ ہی کے لیے آئی ہے، اس لیے شرعاً وہ زمین مدرسہ ہی کی ہوگی، اور مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، اور جو مسجد کے نام سے دو بیگہ زمین ہے وہ مسجد کی ہی ملکیت ہوگی، اس میں بھی اسکول بنانا جائز نہ ہوگا، اس کے لیے وہاں کے لوگوں کو دوسری زمین تجویز کرنی چاہیے۔

**لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد دیوبند ۶۱/۱ رقم المادۃ: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۸۶/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

# مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منتیا والی مسجد کی زمین مسماۃ منتیا خاتون نے مسجد کے لیے وقف کی تھی، اس میں نیچے والے حصہ میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور مسجد ہے، کچھ لوگوں نے دینی تعلیم ختم کر کے اسکو پرائمری اسکول بنا دیا، اس میں ہندی، انگلش کی تعلیم شروع کر دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس میں ماسٹرنیاں ہندی انگلش کی تعلیم دیتی ہیں، جبکہ یہ پوری زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، اب وہاں کے ذمہ داران نیچے سمیت پورے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، کہ اسکول ختم ہو کر صرف عبادت گاہ ہی رہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**المستفتی:** مصلیان مسجد منتیا والی اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی اس میں اسکول

بنانا یا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس میں مسجد بنانا ہی ضروری ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اسکول ختم کردینا ضروری ہے، اور نیچے سمیت مسجد بنانا بلاتر دد جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ٦/ ٤٢٢)

**مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا دیوبند ٦/ ٦٦٥)

**شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة.** (قواعد الفقه ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩/ جمادی الثانیہ ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٣٢٣)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٦/٩ھ

# کارپارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا

**سوال** [٧٧٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں پونہ میں پانچ منزلہ بلڈنگ ہے اس کے نیچے کارپارکنگ ہے، بلڈنگ کے مالک اب یہ چاہتے ہیں کہ اس پارکنگ میں مسجد بنالیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بلڈنگ کے نیچے جوتہ خانہ کی شکل میں پارکنگ کا حصہ ہے اس کو مسجد بنایا جاسکتا ہے، اس کے اوپر رہائشی بلڈنگ ہے، اس سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی فرق تو نہ آئے گا، اور کیا بلڈنگ کا اچھا اور گندا پانی اس مسجد کے نیچے سے پائپ لائن کے ذریعہ گذار سکتے ہیں؟ اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین سے لے کر عنان آسمان تک وہ مسجد ہی ہو، مکمل وقف علی اللہ ہو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کار پارکنگ میں مسجد بنانے کی صورت میں چونکہ اوپر والوں کی رہائش علی حالہ باقی رہے گی اس

لیے وہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ عبادت خانہ کے طور پر اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن مسجد شرعی کا ثواب اس میں نہیں ملے گا۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ۱۸]﴾

**وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المساجد لله.** (شامی، كتاب الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٨، البحر الرائق، فصل فی أحكام المسجد، كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١)

**لأنه مسجد إلى عنان السماء و كذا إلى تحت الثرىٰ.** (شامی، كراچی ١/٦٥٦، زكريا ٢/٤٢٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۳/۴۰) | ۱۰/۵/۱۴۳۵ھ |

# مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا

**سوال** [۷۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب ایسے حالات ہوں کہ ایک مسجد میں فرقہ پرست غیر مسلموں نے جبراً بت رکھ کر بت پرستی شروع کردی ہو اور اس مسجد کو منہدم کر کے باقاعدہ بت خانہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہوں، اور اس کا اعلان عالمی سطح پر بھی کردیا ہو اس مندر کی تعمیر کے لیے عدالت کے حکم کو توڑ کر بنا نقشہ پاس کیے اس مسجد کے ملحقہ قبرستان میں اس فرقہ پرست غیر مسلموں کے گروہ نے اس مندر کی بنیاد رکھی، جبکہ بنیاد کھودتے ہوئے مردوں کی ہڈیاں نکل آئی ہوں، اور اس حالت میں امت مسلمہ کے جذبۂ ایمانی کو ٹھیس پہنچی ہو اور امت مسلمہ نے عالمی سطح پر احتجاج کیا ہو، اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہوں۔

ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے نوازیں:

کوئی بھی مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عام، مندر کی بنیاد کی وکالت کرے اور اس کو

درست قرار دے تو ایسے عالم یا عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا کہا جائیگا؟

المستفتی: فضل الرحمٰن چودھریان، بلند شہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کو منہدم کرنا اور قبرستان میں مذکورہ بنیاد رکھنا اور عام مسلمان یا کسی عالم کا کسی مندر کی بنیاد کو درست قرار دینے کے لیے وکالت وحمایت کرنا ناجائز حرام ہے، اور وکیل گمراہ اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی صیانت لازم ہے، لیکن لڑنا اور فتنہ وخونریزی کا سبب بنالینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ حکومت اور سرکار کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۰ معارف القرآن ۱/ ۲۳۹)

﴿وقال تعالیٰ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

**وتحته فی تفسیر الرازی: السعی فی تخریب المسجد قد یکون لوجهین: أحدهما منع المصلین و المتعبدین والمتعهدین له من دخوله فیکون ذٰلک تخریبا، والثانی بالهدم والتخریب.** (تفسیر کبیر ۱۱/۳)

**التوکیل بالخصومة لایجوز عند أبی حنیفةؒ سواء کان التوکیل من قبل الطالب أو من قبل المطلوب.** (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوکالة، زکریا جدید ۳/ ۷، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۱۳)

## مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا کیسا ہے؟ اور اسکول بن بھی گیا ہے، اس کے اندر تعلیم ہندی، انگلش کی دی جاتی ہے، اور مسجد کو اسکول سے نہ آمدنی ہورہی ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ ہورہا ہے، بلکہ مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء گھر کو اسکول کے متعلم اور دیگر حضرات دوکاندار وغیرہ استعمال کرکے پورا پورا فائدہ اٹھارہے ہیں، اور جو دوکانیں ہیں ان کا کرایہ بھی اسکول کے حضرات وصول کررہے ہیں، اور اسکول بھی مسجد کی رقم سے بنایا گیا ہے، اور ذمہ دار حضرات کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتے، اور اگر یہ سب باتیں شریعت کی نظر میں جائز نہ ہوں تو ان پر کون حضرات گنہگار ہوں گے؟ اور اب کیا صورت ہو کہ مسجد کی زمین مسجد کی دوکانیں مسجد کی بنائی جاسکیں تفصیل کے ساتھ جواب دے کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار بجنوری، متعلم جامع الہدیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسجد کی زمین پر اسکول بنانا اور ہندی اسکول کی تعلیم کے لیے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے جب کہ مسجد کو اس کا کرایہ بھی نہ مل رہا ہو، نیز مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء خانہ اسکول والوں کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسہ سے اسکول بنانا بھی ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا زمین اور عمارت سب مسجد کے سپرد کردینا لازم اور واجب ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو مسجد اور اسکول دونوں کے ذمہ داران سخت گنہگار ہوں گے۔

**أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ٦/٦٦٥، کراچی ٤/٤٤٥)

**لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مکتبه اتحاد ١/٦١، رقم المادة ٩٦٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شوال المکرّم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۷)

# مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں

**سوال** [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسلمان حافظ حاجی کے گھر کے برابر میں مندر ہے، مندر والے مندر میں ایک بڑا بت رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ مندر والے اس حافظ حاجی کو بلا کر لاتے ہیں تاکہ وہ مندر میں بڑا بت رکھنے میں اس کو کوئی اعتراض نہ ہو، کہ مندر وقف کی جگہ پر ہے، زبردستی بنا ہوا ہے اور وہ حافظ حاجی بھی مسجد کی اراضی میں ہی رہتا ہے، وقف اسکول نے اس کو دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے، اور وہ حافظ حاجی خوف کی وجہ سے ان کو اجازت دیدیتا ہے، بت کو نصب کرنے کی کیا اس کی اجازت جائز ہے، اور وہ شرک کرنے والا ہوا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ مسلمان حافظ حاجی کے لیے وقف کی زمین کو مندر کے لیے دیدینا اور اس میں بت رکھنے کی اجازت دینا ہرگز جائز نہیں ہے، مسجد وقف سے متعلق کمیٹی اور ذمہ داران پر لازم ہے کہ مذکورہ حافظ حاجی صاحب کو مذکورہ ذمہ داری سے معزول کرکے دوسرے قابل اعتماد شخص کو ذمہ دار بنادیں، نیز وقف بورڈ سے رابطہ کرکے مسجد کے وقف کو واپس کرنے کی سعی کریں، مذکورہ اجازت سے مذکورہ حافظ صاحب مشرک نہیں ہوں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا ۱۰/۴۵۲)

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ۱۸]

**عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول صلى الله عليه وسلم وكان يقال له ثمغ، وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس فأردت أن أتصدق به فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث.** (صحيح البخاري، الوصايا باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا ...... النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

**أن الوقف لايجوز بيعه ولاهبة ولايكون ميراثا.** (البناية، الوقف اشرفيه ديوبند ۷/۴۲۵، قديم ۲/۹۸۵)

**متولي الوقف باع شيئا منه أو رهن فهو خيانة فيعزل أو يضم إليه ثقة.**

(فتاویٰ عالمگیری، الباب الخامس في ولاية الوقف، زكريا قديم ۲/۴۱۳، جديد ۲/۳۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۴۶)

# مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا

**سوال** [۷۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کا وضوخانہ توڑ کر اس میں دوکانیں بنانے کا پروگرام ہے، جس سے مسجد کی آمد میں اضافہ ہوگا، اور ان دوکانوں سے وصول ہونے والی رقم کو مسجد کے اخراجات میں خرچ کیا جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ معلوم کرنا ہے کہ وضوخانہ کی وہ جگہ اتنی نہیں ہے جس میں دوکانیں بن جائیں، بلکہ ان دوکانوں کے لیے مسجد کے صحن میں سے تقریباً ایک صف یا اس سے کچھ زیادہ جگہ لینی پڑے گی تو کیا اس صورت میں مسجد کے صحن میں سے یہ جگہ دوکانوں کے لیے لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: دوکانیں مسجد کی رہیں گی، فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور اس کی چھت ضرورت پڑنے پر ہر نماز کے لیے استعمال ہوگی۔

**المستفتی:** اراکین کمیٹی جامع مسجد قریشیان ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے صحن میں سے جس حصہ کو دوکان میں لینے کا ارادہ کیا گیا ہے، اس حصہ کو دوکان میں لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، خدانخواستہ اگر اس حصہ میں دوکان کے لیے عمارت بنالی گئی ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس عمارت کو توڑ

کرکے اس حصہ کو حدود مسجد میں داخل کرلیا جائے اس لیے ذمہ داران مسجد پر لازم ہے کہ جو ارادہ کیا ہے اس کو ختم کرلیں۔

**قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد.** (هنديه، الوقف الباب الحادى عشر في المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ۲/۴۶۳، جديد ۲/۴۱۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۹/۱۳۷، رقم: ۱۱۳۸۲، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۷۸، رقم: ۱۱۵۶۳)

**قال الفقيه أبو الليث لايجوز له أن يجعل شيئا من المسجد مسكنا أو مشتغلا.** (فتاویٰ قاضيخان، باب الرجل يجعل داره مسجدا ...... زكريا جديد ۳/۲۰۴، وعلى هامش الهندية ۳/۲۹۳، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۹۵، قديم ۱/۴۷۸، البحر الرائق كوئٹه ۵/۲۵۱، زكريا ۵/۴۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱/۱۴۳۳ھ

## وقف کردہ مکان کو وقف تام ہونے کے بعد بدلنا

**سوال** [۷۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فی سبیل اللہ دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور مدرسہ کے متولی کے قبضہ میں دیدیا، اب اس کا ارادہ اس وقف کردہ مکان کو اپنی ملکیت میں واپس لینے کا ہے اور اس جگہ دوسرا مکان یا دوکان وقف کرنا چاہتا ہے، کیا زید کا یہ فعل ازروئے شرع محمدی وفقہ حنفی درست ہے یا نہیں؟ جبکہ واقف نے وقف نامہ کی شرائط میں مندرجہ عبارت تحریر کی ہے کہ:

کہ کوئی بھی متولی یا صدر قطعۂ مذکورہ کو کسی طرح بھی کسی کے حق میں منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ مدلل بیان کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طاہر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زید کو اپنا موقوفہ مکان واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگرچہ وہ اس کے عوض میں دوسرا مکان دے رہا ہو، ہاں البتہ اگر مدرسۂ مذکورہ کے متولی اور کمیٹی کے افراد متدین ہیں اور دوسرا مکان مدرسہ کے حق میں اول مکان کے مقابلہ میں کم درجہ کا نہیں ہے تو متولی اور کمیٹی کی اجازت سے تبادلہ کی گنجائش ہے، مذکورہ شرائط کے تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔

**وأما الاستبدال ...... بدون الشرط فلایملکه إلا القاضی.** (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، زکریا ٦/٥٨٣، کراچی ٤/٣٨٦)

**والملک یزول ...... بقضاء القاضی ...... أن یسلمه إلی المتولی و تحته فی الشامی أی یسلم الواقف و قفه بعد أن نصب له متولیا.** (شامی، کراچی ٤/٣٤٤، زکریا ٦/٥٢٧-٥٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۳)

# مسجد کی زمین پر رفاہی ہسپتال قائم کرنا

**سوال** [۶۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر کی جامع مسجد کی کافی تعداد میں دوکانیں ہیں جن کا کرایہ وغیرہ مسجد اور امام و مؤذن اور دیگر تمام اخراجات کے لیے بہت کافی ووافی ہے، بلکہ کافی روپیہ مسجد کے فنڈ میں موجود ہے، جامع مسجد کا ایک موقوفہ مکان جو کہ قبلہ کی سمت کچھ دوری پر ہے اور چونکہ یہ مکان کافی پہلے کا وقف شدہ ہے، واقف کی تحریر وقف اور اس کی نیت سے متعلق کچھ موجود نہیں ہے، جامع مسجد کمیٹی کے لوگ اس جگہ پر رفاہِ عام کے طور پر ایک ہسپتال بنانا چاہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اہل خیر حضرات سے چندہ لے کر تعمیر کی جائے، مسلم ڈاکٹروں کو مہیا کیا جائے، چونکہ آج کل ڈاکٹر لوگ بہت زیادہ روپیہ علاج کے نام پر لیتے ہیں، مریضوں سے اتنا

ہی روپیہ لیا جائے جتنا اس کے علاج پر ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے اس علاقہ میں عورتوں کی ڈیلیوری کا معاملہ بڑا سنگین ہے کہ پرائیویٹ اور سرکاری اسپتالوں میں ڈیلیوری عموماً مرد ڈاکٹر ہی کرواتے ہیں، یہ اسپتال قائم کر کے لیڈیز ڈاکٹرنی رکھ کر ڈیلیوری کا معقول انتظام کرنا ترجیحات میں سے ہوگا، اسپتال کے تمام اخراجات کے بعد اگر رقم بچے تو وہ رقم ان شاء اللہ جامع مسجد کے فنڈ میں جمع کر دی جائے گی، ان حالات کے پس منظر میں:

جامع مسجد کے اس موقوفہ مکان پر اسپتال بنوایا جاسکتا ہے؟ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ شہر کامٹی چھوٹا شہر ہے جن میں دار الاقامہ والے ۲/عدد بڑے مدرسہ اور کئی مساجد میں مکاتب کا انتظام ہے۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسئولہ صورت میں جب مسجد کی دیگر ذرائع آمدنی مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں اور ان سے مسجد کی ضروریات بحمد اللہ پوری ہو رہی ہیں، تو اراکین کا مذکورہ مکانوں کو ہسپتال بنانا اس طرح جائز ہے کہ ہسپتال کی تعمیر کے عنوان سے مسجد کمیٹی کے ارکان چندہ کر کے ہسپتال تعمیر کریں، اور ہسپتال مع عمارت مسجد کی ملک ہو، مسجد جب چاہے اس جگہ کو کسی دوسرے مصرف میں استعمال کر سکتی ہو، اس میں کسی کو اعتراض و رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو، اور جب تک وہاں ہسپتال کی جانب سے معقول کرایہ مقرر کریں، ہسپتال انتظامیہ مسجد کو حسب ضابطہ ادا کرتی رہے۔

**لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها.**

(هنديه، الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، زكريا قديم ٢/٤١٤، جديد زكريا ٢/٣٨٣)

**قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سررا أجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد.** (البحر الرائق، كتاب

الوقف، فصل فی أحکام المسجد، کوئٹه٥/ ٢٤٩، زکریا ٥/ ٤١٨، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٢٠، جدید ٥/ ٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۱)

## غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال** [۷۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۵۳؍سال پہلے مقام جھنڈنا ضلع بلاس پور ہماچل پردیس میں پہلے تو کسی گھر میں ایک مولانا نے بچوں کو دینی تعلیم دینی شروع کی بعد میں مولانا نے چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے دو کمرے کچی اینٹ اور گارے سے تعمیر کرایا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے، پر جس جگہ پر یہ کمرے تعمیر کیے گئے وہ زمین آبادی کے باہر ہے جس کا مالکانہ حق کسی کے پاس نہیں تھا، اس لیے اس زمین کو وقف نہیں کہا جاسکتا، ریوینیو کارڈ میں اس زمین کا اندراج آبادی ہے، جس کا خسرہ ۱۶۶۱ ہے، ریوینیو کارڈ میں مدرسہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، قانون کے مطابق آبادی زمین پر جو قابض ہوتا ہے اس کو ہی سرکار مالک مانتی ہے، اسی بیچ دو تین سال شروع میں لوگوں نے مولانا کو تنخواہ دی اور بعد میں تنخواہ دینے میں اپنی مجبوری ظاہر کیں، جب مولانا نے لوگوں کی اجازت سے نیچے کے دو کمرے میں دوکان شروع کر دی، اور اس کے اوپر رہائش کرنے لگے، یہ سلسلہ پچھلے پچاس سال سے آج تک جاری ہے، ان پچاس سالوں میں مولانا نے مدرسے کی مرمت بھی کروائی، تین بار چھت بدلی، فرش ڈالے، اور دوسرے کئی اور رکھ رکھاؤ کے کام کیے، اسی بیچ مولانا نے تقریباً ۴۸؍سال تک امامت بھی کی مگر اس کا کوئی پیسہ نہیں لیا، اب مولانا صاحب اور لوگوں کے بیچ ان کمروں کو خالی کروانے کے بارے میں فساد ہے، مولانا ان کمروں کو خالی نہ کر کے ان کی جائز قیمت یا زمین کے بدلے میں دوسری جگہ زمین دینے کو تیار ہیں، موجودہ حالت میں یہ زمین مدرسہ کی تعمیر کے

لیے کافی نہیں ہے، اس کے دونوں طرف لوگوں کے مکان بنے ہوئے ہیں، اور ایک طرف سڑک ہے اور آس پاس کوئی زمین دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس ٹکراؤ کو چلتے ہوئے تقریباً ۲۵؍سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور مقدمہ فساد وغیرہ ہونے کا اندیشہ ہے، یہاں کے لوگ جن کے بیچ مولانا صاحب نے ۴۸؍سال سے زیادہ وقت تک امامت کی ہے کچھ اس تنازع کا پرسکون حل چاہتے ہیں، کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت لے کر اس پیسے سے کسی کھلی جگہ پر مدرسہ تعمیر کیا جائے، علماء دین ہمیں بتائیں کہ کیا ان حالات میں مولانا سے ان کمروں کی بازار کے حساب سے قیمت لے کر ان پیسوں سے دوسری جگہ زمین کا تبادلہ کر سکتے ہیں، ایسے حالات میں جب مدرسہ کی زمین وقف نہیں ہے آپ اپنی رائے دیں کہ ان حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟ جس سے اس فساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکے۔

المستفتی: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے وقف نہیں ہے اور جب مولانا صاحب اس کے بدلے میں مدرسہ بنانے کے لیے اس زمین کی قیمت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی قیمت لے کر دوسری کھلی جگہ میں مدرسہ بنالینا جائز اور درست ہوگا۔

**لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها.** (الاشباہ والنظائر ص:۱۴۴)

**وكذا لو غصب أرضا فبنى عليها أو غرس ...... يضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل وفي الشامية تحته: أي فلو قيمة البناء أكثر يضمن الغاصب قيمة الأرض ولا يؤمر بالقلع وهذا قول الكرخي، قال في النهاية: وهو أوفق لمسائل الباب.** (شامی، کتاب الغصب، زکریا ۹/ ۲۸۰، کراچی ۶/ ۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۹ھ

# مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا

**سوال** [۷۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک دینی درسگاہ ہے جو قوم مسلم کی اعانت سے قائم ہوئی ہے، مدرسہ کے ذمہ دار ناظم کو اس جگہ کی تمنا تھی کہ یہ مل جائے اس جگہ میں قاری عبد اللہ صاحب کا مکان تھا یہ قاری صاحب ناظم مدرسہ کے استاذ بھی تھے، ان کی ایک وارثہ لڑکی تھی ضرورت پر اس نے ایک ہندو کو اس زمین سے متصل جگہ کو مبلغ ساٹھ ہزار روپئے میں فروخت کردی، ناظم مدرسہ کو جب معلوم ہوا تو بڑا رنج ہوا، اس لڑکی کو اس کی سسرال سے جو علیگڑھ میں تھی، بلوایا، فرمایا بیٹی تم نے اپنے والد ماجد کی اس زمین ومکان کو ایک ہندو کو بیچ دیا، جبکہ مسلمان کو دینا چاہیے تھا، اس وارثہ نے کہا کہ میں نے سب لوگوں سے کہا لیکن کسی نے نہیں لیا، بلکہ انکار کردیا، مجھے ضرورت تھی میں نے بیچ دیا، ناظم مدرسہ نے کہا کہ ٹھیک ہے جو ہوا وہ ہوا، یہ بقیہ زمین تم ہم کو دیدو، ہم اس میں تمہارے والد مرحوم کے نام پر مدرسہ قائم کریں گے، اس وارثہ نے کہا بہتر ہے، اگر آپ میرے والد مرحوم کے نام پر جو آپ کے استاذ بھی ہیں مدرسہ کھولیں گے تو میں اس حصہ کو جو اس مکان سے بڑا بھی ہے آپ کو پچاس ہزار روپیہ میں دیتی ہوں، ناظم مدرسہ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن بیٹی مدرسہ میں اس وقت سرمایہ کی کمی ہے، تیس ہزار روپیہ اور چھوڑ دو، اس وارثہ کے والد ماجد کے نام مدرسہ کھولا، اور اس کا نام مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم رکھا، ۱۳/۱۴/ سال تک مدرسہ رشیدیہ اپنی شان وشوکت کے ساتھ ۱۲/ معلموں کی خدمات سے دینی تعلیم کونسل لکھنؤ کے نصاب پر جس میں ہندی وانگریزی کی بھی تعلیم ہوتی، گویا عصری تعلیم کے ساتھ مدرسہ چل رہا تھا، ناظم مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے وارثین نے مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم کی تدفین کرکے اس کی جگہ ناظم مدرسہ کے نام کے ساتھ اس کو انگلش میڈیم، میموریل کا جنم دیدیا، جہاں پر اس تعلیم سے قرآن کی آیتوں کے خلاف کہ اللہ نے فرمایا کہ بلند کرتا ہوں ان لوگوں کے درجات جو ایمان لائے، اور جو اہل علم ہیں، اسی

طرح ”خیر کم من تعلم القرآن و علمه“ کے خلاف کفر شرک، دہریت، یہودیت و نصرانیت کی تعلیم کو اس جگہ پر دوبالا کردیا، حتی کہ ڈانس بھی لڑکیوں کا اس میں رکھ دیا، باقاعدہ پروگرام کے تحت مسلم بچیوں کی جن کی عمریں ۱۲/۱۳ سال ہیں، نچا کر دیکھ کر، دکھلا کر دوسرے دن اخباروں میں نتائج بھیجے جاتے ہیں، اللہم احفظنا منہ۔

ازروئے شریعت مطہرہ جو بھی حقانی حکم ہو اس کو تحریر کیا جائے، تاکہ فتویٰ دکھا کر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

وعدہ خلافی، مدرسہ کا نام بورڈ پر انگلش میڈیم کے ساتھ، جگہ و مدرسہ کے نام کی تبدیلی، ڈانس ناچ وغیرہ، دوسرے دن نتائج کا اخبار میں دینا، بے غیرتی کی حد بھی کچھ ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد ازہر خادم جامعہ ناصر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق:** آپ نے اپنے والد صاحب سے ملی ہوئی متروکہ جائیداد کو چونکہ ۳۰/ ہزار میں فروخت کردیا ہے لہٰذا آپ کی اس میں ملکیت باقی نہیں رہی ہے، وہ مدرسہ کی ملکیت میں منتقل ہوگئی اور اگر مدرسہ قومی چندہ کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے تو اس کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کو مدرسہ ہی رہنے دینا لازم ہے، نیز اس میں لڑکیوں کا ڈانس وغیرہ کرانا گناہ عظیم ہے۔

**إن الملكة تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد.**

(شرح المجلة للأتاسي ۲/ ۳۵۷)

**إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامي، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

# مدرسہ کی زمین پر سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا

**سوال** [٧٧٤٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں ایک مدرسہ ہے جس میں کثیر تعداد میں علاقائی وبیرونی طلبہ تعلیم پارہے ہیں اوراس کا خرچ زکوٰۃ وصدقات اورعطیات ہی سے پورا ہوتا ہے، مذکورہ مدرسہ میں کچھ سال پہلے مدرسہ ہٰذا کی ضرورت کے پیش نظر زکوٰۃ وصدقات عطیات ہی کی رقم سے ایک زمین مدرسہ کے متصل ہی خریدی گئی تھی، لیکن اب گاؤں کے بعض لوگ زبردستی اس زمین کو سرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، جبکہ اس ہائی مدرسہ میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے مدرسین و ملازمین طلبہ و طالبات ہوں گے، اس سلسلے میں اختلافات چل رہے ہیں، بعض زبردستی سرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دینی مدرسہ کی زمین کو کسی بھی حالت میں نہیں دیا جائیگا، بلکہ دینی مدرسہ کی زمین دینی مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے گی؟

المستفتی: محمد اقبال مالدہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے خریدے جانے کی وجہ سے خالص اسی دینی مدرسہ کی زمین شمار ہوگی، بریں بنا اس زمین میں ہائی سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا جائز نہیں ہے اس زمین کو خالص دینی تعلیم کے مدرسہ میں شامل کرنا لازم ہے، نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے پیسہ کے ذریعہ سے زمین خریدنا فقراء اور مساکین کی حق تلفی ہے، ہاں البتہ مجبوری کے تحت دینی مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں کے لیے تملیک کی گنجائش ہے۔

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی.** (قواعد الفقہ ص: ۱۱۰)

**البقعة الموقوفة علی جهة إذا بنی رجل فیها بناء ووقفها علی تلک**

**الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة أخرىٰ اختلفوا فيه والأصح أنه لايجوز.** (هنديه، الوقف، الباب الثانى فيما يجوز وقفه و مالايجوز ......، زكريا قديم ۲/ ۳۶۲، جديد ۲/ ۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۲۴ھ

# پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا

**سوال** [۷۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ جس کے نیچے مزار شریف ہے اور دیگر قبریں بھی موجود ہیں اور اسی مزار شریف کے اوپر پاخانہ بنا ہوا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شکیل سیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مزار اور قبریں بہت پرانی ہیں، میت کے گوشت وہڈی اکثر مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے مثلاً تیس چالیس سال کی پرانی قبریں ہیں تو پھر اس کے اوپر مکان یا مدرسہ یا مسجد بنانا جائز ہے، اوراس میں ضروریات کے بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴)

**ولو بلى الميت و صار ترابا جاز دفن غيره فى قبره و زرعه والبناء عليه.** (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ۱/ ۱۶۷، جديد ۱/ ۲۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۳۲۶، ۳۸/ ۳۴۸، ۴۰/ ۳۳، البنايه اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۵۳، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۶۱۲، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، زكريا ۱/ ۵۸۹، شامى زكريا ۳/ ۱۴۵، كراچى ۲/ ۲۳۸)

**وإذا بلى الميت وصار ترابا فى قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغير**

**ذٰلک باتفاق.** (الفقه علی لمذاهب الأربعة، دار الفکر ۱/ ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

# موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر

**سوال** [۱۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی ہٰذا کے زیر انتظام علاقہ صدر میں عیدگاہ کے پاس ایک قبرستان ہے جو قانونی طور سے پینتالیس سال سے بند ہے:

(۱) اس قبرستان کی چہار دیواری میں دو دیوار کو آبادی گھیرے ہوئے ہے۔

(۲) دو دیوار آبادی کے گھیرے میں ایک دیوار چوڑائی کی جانب میں قبرستان کمیٹی کے مکانات میں کرایہ دار رہتے ہیں۔

(۳) دوسری دیوار سے لگ کر دیگر لوگ بسے ہوئے ہیں جو ان کی ملکیت کی جگہ ہے۔

(۴) باقی دو دیواروں کے اندرونی حصہ میں پندرہ بیس فٹ خالی جگہ عیدگاہ کے سامنے لب سڑک ہے جہاں اب کچی اور پکی قبروں کے نشانات باقی نہیں ہیں بلکہ اب وہ جگہ ہموار ہے۔

(۵) اس خالی جگہ پر منتظمہ کمیٹی ملت کے ہنرمند افراد کی فلاح وبہبود کے لیے تعمیری کام کرنا چاہتی ہے۔

(۶) ملت کے یہ ہنرمند نوجوان مناسب جگہ نہ ملنے کی بناء پر غیر محفوظ علاقوں میں بڑی دشواریوں کے ساتھ روزی حاصل کر رہے ہیں، اب یہی لوگ اس جگہ پر کارخانے کھولنے اور دیگر کاروبار کرنے کے خواہشمند ہیں۔

(۷) ایسی حالت میں اسی پندرہ بیس فٹ خالی جگہ میں تعمیری کام کرنا کس حد تک مناسب ہے، اس نازک مسئلہ پر ہم شرعی احکام کے تحت آپ کی خدمت میں فتویٰ کی صورت

میں جاننا چاہتے ہیں کہ تمام عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے اور آئندہ ہمارے تعمیری کام میں رکاوٹ کا سبب نہ بنے۔

(۸) اسی قبرستان میں شر پسند مخیر سماجی عناصر اخلاق سوز جرم کرنے سے بھی ہچکچاتے نہیں۔

(۹) مذکورہ خالی جگہ پر مزید ہماری بے توجہی رہی تو آبادی میں اضافہ کے سبب رہائشی قلت سے متاثر افراد اس پر قابض ہو جائیں گے، اور مستقبل میں ہمیں پچھتانا پڑیگا۔

(۱۰) اسی قبرستان میں چند پرانی قبریں شکستہ حالت میں ہیں اور چند برسوں میں یہ قبریں بھی اپنے وجود کو ختم کر دیں گی، اور نشانات بھی باقی نہیں رہیں گے، تو ابھی سے ہی ان کو منہدم کر دیں تو کیا حرج ہے؟

اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں دست بدستہ عرض ہے کہ شرعی احکام اور وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت تعمیری کام اور ہنر مند افراد کی فلاح بہبود اور نیک مقاصد کے پیش نظر رہنمائی فرمائیں تاکہ کمیٹی ہذا فوری طور پر کام کر سکے، امید ہے کہ ہماری درخواست پر غور وخوض کرتے ہوئے مسئلہ اور شرعی احکام کے تحت اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے، اور منتظمہ کمیٹی کے تعمیر وفلاحی مقاصد پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

المستفتی: سیول لائنس مسلم قبرستان کمیٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں مذکورہ موقوفہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں نشاناتِ قبور مٹ چکے ہوں یا شکستہ کچی پکی قبروں کو برابر کر کے ہر صورت میں مکان ودوکان اور کارخانہ وغیرہ کی تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، عند اللہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ قبرستان شدہ شدہ لوگوں کے قبضہ میں ہو جانے کا سخت خطرہ ہو رہا ہے اور میت کی تدفین بھی وہاں نہیں ہو رہی ہے تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دیا جائے کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ وقف کا تا قیامت وقف ہی رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۳)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض

الواقفين واجبة، كوئٹه ۳/ ٤٦٤، كراچى ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

**مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۳)

## مزار پر لینٹر ڈال کر مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ اصالت پورہ میں فینسی پریس کے سامنے گلی میں تین مزار ہیں، ان کے متعلق چبوترہ بھی ہے، اہل محلّہ کا خیال ہے کہ مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کر دیا جائے، آیا ایسا کرنا ازروئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر وقف کی زمین پر مذکورہ مزار ہیں تو اہل محلّہ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے اور اگر زمین ملکیت کی ہے تو اس کے مالک کی اجازت سے مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹)

**أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء (إلى قوله) قالوا: إن كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلك المكان فلا بأس به.** (الهندية، الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر

والخانات، والحیاض، زکریا قدیم ۲/۲۶۷، جدید ۲/۴۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۶ھ

## کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعادہ ہیں؟

**سوال** [۷۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں مسجد بنادی گئی ہے تو اب وہ نماز جو پڑھی جاچکی ہیں وہ اعادہ کی جائیں گی یا نہیں؟ اور وہ ادا کی ہوئی نمازیں مقبول ہوں گی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقیوم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر قبریں مٹ جانے کے بعد وہاں مسجد بنائی گئی اگر قبرستان کسی کی ملکیت ہو اور مالک کی اجازت سے بنائی گئی ہے تو اب تک جو نمازیں ہوگئی ہیں سب بلا کراہت درست ہوگئی ہیں اور اگر وقف کا قبرستان ہے اور وہاں تدفین کا سلسلہ بھی باقی ہے تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں ہے، البتہ جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجد لم أر بذٰلک بأسا.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلیة و یتخذ مكانها مساجد، دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا دیوبند ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۸۶)

## مدرسہ کو مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک جگہ بستی والوں نے مل کر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور ایک عمارت بنائی اسی میں پنجوقتہ نماز بھی ہوتی ہے، اور بچوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، بستی کے سارے بچے وہاں پڑھتے ہیں، وہاں پر جگہ اتنی ہے کہ دو صفیں لگ سکتی ہیں، اب بستی والے چاہتے ہیں کہ آگے ممبر نکال کر امام کی جگہ نکال دی جائے، تاکہ پیچھے دو کے بجائے تین صفیں لگنے لگیں، تو اس مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں اور اس میں منارہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر واقعتاً مدرسہ میں مسجد کی ضرورت ہے تو عمارت بنانے والوں کا آپس کی رضا مندی سے اس کو مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے، اور اس میں منارہ بھی بنانا جائز ہے، اور ایسی حالت میں وہ عمارت مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اس کا احترام بھی دیگر مساجد کی طرح کرنا ہوگا، اور مسجد بن جانے کے بعد اس کی مسجدیت کو ختم کر کے عمارت مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/ ۲۶۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۸۷)

**وبه علم أن الفتویٰ علی قول محمد في آلات المسجد و علی قول أبي یوسف في تأبید المسجد.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد، کراچی ۴/ ۳۵۹، زکریا ۶/ ۵۴۹، البحر الرائق زکریا ۵/ ۴۲۳، کوئٹه ۵/ ۲۵۲، بزازیه جدید زکریا ۳/ ۱۴۴، و علی هامش الهندية زكريا ۶/ ۶۷۰، فتح القدير، دار الفكر بیروت ۶/ ۲۳۶، کوئٹه ۵/ ۴۴۶، زکریا ۶/ ۲۱۹، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۴۵۸، جدید ۲/ ۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۸) | ۱۴۲۱/۶/۲۴ھ |

## مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدرسہ حنفیہ تقریباً تیس پینتیس سال سے قائم ہے، اور تعمیر شدہ ہے، کچھ جگہ خالی ہے، جس کی باؤنڈری مکمل ہے، حسب دستور مدرسہ کی آراضی جو خریدی گئی تھی اس کی رقم چندہ کر کے بذریعۂ حیلۂ تملیک خرچ کی گئی اور فی الحال جو دیواریں قائم ہیں وہ چندہ جو مدرسہ کے نام وصول کیا گیا اسی رقم سے تعمیر شدہ ہیں، اب کچھ محلّہ کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کی جائے، جس کے تعمیر ہو جانے کے بعد محلّہ والوں کی تکلیف دور ہو جائیگی، تو کیا ایسا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا کہ جگہ مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی اس میں ترمیم کرنے کا حق کسی کو نہیں، نہ جانے کتنے چندہ دہندگان مر بھی چکے ہوں گے۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ مدرس شمس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خالی زمین زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ میں حیلۂ تملیک کر کے اس کی رقم سے خریدی گئی ہے تو ایسی زمین خریدنے کے لیے اگرچہ حیلۂ تملیک فی نفسہ ممنوع تھا، لیکن جب حیلۂ تملیک کرلیا گیا ہے اور اس پیسہ سے مدرسہ کے نام زمین خرید لی گئی ہے تو مدرسہ اس کا مالک ہو چکا ہے، لہٰذا مدرسہ ہی کے مفاد میں اس زمین کا تصرف ہوسکتا ہے، محلّہ کی مسجد کے لیے درست نہ ہوگا، ہاں البتہ مدرسہ کو اس کی قیمت ادا کر کے محلّہ والے خرید کر مسجد بنائیں تو جائز ہوسکتا ہے۔

**لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سب شرعي.** (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۰ھ

## مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا

**سوال** [۷۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احقر کے چچا حضرات کی کاشتکاری کی زمین تھی احقر نے ترغیب دی مدرسہ قائم کرنے کے لیے بفضلہ تعالیٰ سب حضرات نے بخوشی اس کو قبول کر کے وقف کر دیا، الحمدللہ زمین وسیع ہے اور اس جگہ نئی آبادی بھی ہو رہی ہے، اس لیے احقر یہ چاہتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد اور ایک قبرستان بھی شامل ہو جائے، تاکہ طلبہ اساتذہ و متعلقین مدرسہ کے لیے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے، کیونکہ پرانا قبرستان غیر محفوظ اور متنازع ہے، تو احقر کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب واقفین نے مدرسہ ہی کے نام سے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مدرسہ ہی کے لیے متعین ہے، اور مدرسہ کی ضروریات میں عام طور پر مسجد میں شامل ہوتی ہے اس لیے اس میں مدرسہ کے ساتھ مسجد بنانا بلا تردد جائز ہوگا، مگر قبرستان بنانا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ واقفین کی غرض کے دائرہ میں ہے، اور قبرستان ان کی غرض کے دائرہ میں نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۱۳۷)

**أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مرعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٥٤٩)

**بخلاف شرط الواقف لأن مخالفة كمخالفته النص.** (الأشباه قديم ص:١٩٢)

**الثامنة فی وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال فی الخانية معزيا إلى أبی بكر البلخی إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به.** (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ٥/٢١٥، زکریا ٥/٣٦٠)

**يصرف وقفها لأقرب مجانس لها.** (شامی، کراچی ٤/٣٥٩، زکریا ٦/٥٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

# وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد بہت پرانی تھی، اور اسی سے متصل دکھن طرف مدرسہ کی عمارت تھی جب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہوا تو مدرسہ کی عمارت ختم کر کے تقریباً ۱۰ رفٹ دکھن طرف مدرسہ کی زمین میں مسجد کشادہ کرائی گئی اور مسجد کی آخری دیوار بنادی گئی کہ یہ دیوار حد فاصل ہے، اتر طرف مسجد اور دکھن طرف مدرسہ ہے اور اب مدرسہ کی جدید عمارت مدرسہ کے دکھن آخری باؤنڈری پر پچھّم پورب بنی ہوئی ہے، پرانے مدرسہ کی عمارت مسجد میں شامل کیے جانے کے بعد اب مدرسہ کی باقی زمین اتری جانب بحیثیت صحن باقی ہے اور اسی صحن میں مسجد کی جانب مغرب و دکھن مدرسہ کا بنا ہوا بیت الخلاء و پیشاب خانہ ہے اور اسی کے بالکل سیدھ میں جانب مشرق ایک کنواں تھا، جو پچیس تیس سال سے بند ہے، کیونکہ اب واٹرورکس اور چاپاکل کے ذریعہ پانی ملتا ہے، اب موجودہ زمانہ میں کنواں کی کوئی ضرورت نہیں رہی یہ کنواں اب مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر ہے جس پر مدرسہ کے لوگ کمرہ بنوارہے ہیں، جو لینٹر تک جا کر رک گیا، کہ یہ کنواں مسجد کا ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر درست نہیں، جبکہ پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، جس سے محلّہ کے ہندو و مسلمان سبھی پانی بھرتے تھے، نیز وہ لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں اس لیے یہاں بناتا تھا کہ محلّہ کے لوگ اور مسجد کے لوگ بھی اس کا پانی استعمال کریں گے، اور مسجد کے اتر جانب مسجد میں چاپاکل لگ گیا ہے، جس سے مصلیان مسجد اپنی ضرروت پوری کرتے ہیں اسی سے دو تین فٹ جانب اتر اور مسجد کے جانب دکھن پندرہ سولہ سال قبل کا بنا ہوا ایک باورچی خانہ ہے موجودہ کمیٹی سے قبل جو کمیٹی تھی انہیں حضرات نے استنجا خانہ اور باورچی خانہ بنوایا تھا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اب موجودہ کمیٹی نے بند کنویں پر تعمیر شروع کی تو اس پر یہ اعتراض کہ یہ مسجد کا ہے۔

اگر سابقہ کمیٹی یہی کام کرتی تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا نیز سابقہ کمیٹی نے یہ جو باورچی خانہ بنوایا ہے تو توسیع شدہ مسجد کی آخری دیوار کی باؤنڈری جب پورب جانب مسجد کی

باؤنڈری میں ملے گی، تو یہ دیوار باورچی خانہ کے اندر سے گذرے گی، جس کا اکثر حصہ دکھن جانب مدرسہ میں اور کچھ حصہ اتر جانب مسجد میں پڑے گا، اور وہ کنواں اس باروچی خانہ کے دکھن دو تین فٹ کے بعد ہے جو بند تھا جس پر تعمیر رکی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں مسجد کا ہے یا جو بھی کنواں مسجد کے قریب ہوتا ہے وہ مسجد ہی کے لیے وقف ہوتا ہے جبکہ مسجد کے لیے وقف کا کوئی ثبوت نہیں اور کیا اس پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبداللہ غفراللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جب پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، کسی کے لیے مخصوص نہیں تھا، اور اب لوگوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، نیز مسجد میں پانی کا انتظام بھی ہوگیا، تو اگر اس کنواں کا واقف یا اس کی اولاد موجود معلوم ہے تو اس کو حق ہے چاہے مسجد میں دیدے یا مدرسہ میں دیدے اور اگر واقف کی اولاد میں کوئی موجود نہیں یا معلوم نہیں، تو وہ کنواں لقطہ کے حکم میں ہوگا، اور مدرسہ کی تعمیر اس پر صحیح و درست ہوجائیگی مسجد کے قریب ہونے سے مسجد کا نہیں سمجھا جائے گا۔

**حوض فی محلة خرب فصار بحیث لاتمکن عمارته و استغنی أهل المحلة عنه إن کان یعرف واقفه یکون له إن کان حیا و لورثته إن کان میتا و أن کان لایعرف واقفه فهو کاللقطة فی أیدیهم یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر فینتفع بالثمن.** (هندیه، کتاب الوقف الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها، زکریا قدیم ۲/ ۴۷۹، جدید زکریا ۲/ ۴۱۹، تاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۹۷، رقم: ۱۱۶۲۸، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۵۲، زکریا ۵/ ۴۲۲، الفتاویٰ البزازیه جدید زکریا ۳/ ۱۴۵، وعلی هامش الهندیة زکریا ۶/ ۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۴۱)

# مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم

**سوال** [۷۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ مفتاح العلوم کیلئے گاؤں والوں نے ڈیڑھ ایکڑ زمین چندہ کر کے خریدی ہے جو مکمل مدرسہ کے نام پر ہے لیکن وہ جگہ شہر میں آچکی ہے، اس لیے اس جگہ کے اطراف چند مسلم احباب کے مکانات ہیں اورانہوں نے مدرسہ کے ذمہ داروں کے منع کرنے کے باوجود اس جگہ پر چندہ کر کے مسجد تعمیر کی ہے، کیا اس جگہ پر نماز درست ہوگی جبکہ مدرسہ کے ذمہ داروں نے کہا کہ آپ اس ضلع میں دوسری جگہ خرید لیں اس کی مالی امداد کے لیے مدرسہ والے آپ کا تعاون کریں گے، لیکن انہوں نے اس کو مانا نہیں، اور جبراً اس جگہ پر مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، شرعی حکم اس سے متعلق کیا ہے؟

المستفتی: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں ذمہ داران کی اجازت اور مدرسہ کی ضرورت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا ایسا ہے جیسا کہ غصب کی زمین میں مسجد تعمیر کی گئی، اورغصب شدہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے سے مسجد تو صحیح ہوجاتی ہے لیکن اس مسجد میں اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ گا، جب تک ذمہ داران مدرسہ سے حقوق مدرسہ کے لین دین کا معاملہ صاف نہ کرلیا جائے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ جب وہاں مدرسہ بھی بننا ہے، تو مسجد کو مدرسہ کے ذمہ داروں کی تولیت میں دیدیا جائے، اور مدرسہ اور مسجد دونوں کے ذمہ دار ایک ہی ہوجائیں۔

**وحکمه: وجوب رد المغصوب إن کان قائما و مثله إن کان هالکا إو قیمته.** (البحر الرائق، کتاب الغصب، کوئٹہ ۱۰۸/۸، زکریا ۱۹۶/۸)

**ووجوب رد عینه فی مکان غصبه إن کانت باقیة، والضمان لو هلکت**

**ففي المثلي كالكيلي والوزني والعددي المتقارب يجب مثله، فإن انقطع المثل تجب قيمته.** (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۷ھ

# گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں عید گاہ سے متصل آبادی یعنی گرام سماج کی کافی زمین پڑی ہوئی ہے اسی میں ایک طرف سرکاری اسکول بھی بنا ہوا ہے، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ اس گرام سماج کی زمین میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، کیونکہ اس جگہ میلہ بھی لگتا ہے، جس سے خانۂ خدا کی عظمت پامال ہوتی ہے، نیز اس میں کچھ لوگوں نے کوڑا ڈالنے اور اپنے گھورے بنانے شروع کر دیئے ہیں، اگر ہم نے وہاں مدرسہ قائم نہ کیا تو وہ زمین میلے ٹھیلے، کوڑا گوبر ڈالنے کی نذر ہو جائے گی، تو کیا ہم ایسی جگہ میں مدرسہ قائم کر سکتے ہیں، نیز اس میں موجودہ پردھان کی اجازت بھی شرط ہے یا نہیں؟ عدم اجازت کی صورت میں ہم مدرسہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**المستفتی:** محمد یونس رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** گرام سماج کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں، اگر پردھان ہی گرام سماج کا ذمہ دار ہے تو اس کی اجازت لازم ہے۔

**سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضا من أرض الكورة في مسجدهم، ويزيدوا فيه و يتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة جاز أمره.** (تاتارخانية، زكريا ۸/ ۱۶۰ رقم: ۱۱۵۰۷)

**عن عمرو بن يثربي قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال ألا! ولا يحل**

**لامرئ من مال أخيه شيء إلا بطيب نفس منه.** (مجمع الأنهر، باب الغصب و حرمة مال المسلم، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

**عن سماک قال سمعت علقمة بن وائل يحدث عن أبيه أن النبي ﷺ: اقطعه أرضا بحضر موت.** (ترمذی، أبواب الأحكام، باب ماجاء فی القطائع، النسخة الهندية ١/ ٢٥٧، دار السلام رقم: ١٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۵۲)

# موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک موقوفہ قبرستان ہے اوراس قبرستان کے ایک جانب سے سرکاری روڈ ہے، اور اس روڈ کے کنارے پر قبرستان کی زمین پر لوگوں نے مکانات بنوالیے تھے، کمیٹی کے لوگوں نے لڑ بھڑ کران مکانات کو ختم کرادیا، اب اس جگہ پر پیلر قائم کر کے دینی مدرسہ کے بچوں کی تعلیم اور رہائش کے لیے کمرہ بنانے کا پروگرام ہے، یہ جائز ہوگا یا نہیں، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس جگہ پر کمرہ بنانے کا پروگرام ہے اس جگہ پر سیکڑوں سالوں سے تدفین عمل میں نہیں آئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان میں سیکڑوں سال سے تدفین کا سلسلہ بند ہے اورلوگوں کے ناجائز قبضہ کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے اس حصہ میں تدفین کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہے تو ایسی زمینوں پر مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذٰلک بأسا. (قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى**

**المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ديوبند ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨)

**والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجدا.** (فتح الملهم، مكتبه اشرفيه ٢/١١٨)

**ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبراً للمشركين فنبش و اتخذ مسجدا.** (تاتارخانية زكريا ٨/١٨٨ رقم: ١١٥٩٧، والوالجية، مكتبه دار الإيمان ٣/٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۷)

# مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا

**سوال** [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی جو مدرسہ اسلامیہ کے نام سے وقف ہے اور اس میں مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ قیام پذیر بھی ہیں، اب کچھ حضرات اسی آراضی کو مزار شریف کی توسیع کے لیے اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ واقف نے متولی اول کو جو خود صاحب مزار ہیں یہ اختیار دیا تھا، کہ متولی اول ہی صرف ایک دو قبر کی اجازت دے سکتے ہیں، اب تین قبریں اس جگہ پر موجود ہیں، ان کے علاوہ متولی ثانی وغیرہ کو کسی قبر کے بنانے کا اختیار نہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضی کو مزار شریف میں شامل کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں جو لوگ بضد ہو کر اس کو شامل کرنا چاہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: اختر نوری چاند پوری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب مذکورہ آراضی مدرسہ کے لیے وقف ہے اور واقف نے بوقت وقف صرف ایک دو قبر کی اجازت دی تھی اور تین قبریں اس جگہ پر بن گئیں تو منشأ واقف کے مطابق اب آئندہ اس میں مزید قبروں کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ آراضی کا کوئی بھی حصہ مزید مزار کے لیے دینا اور اس میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، مدرسہ ہی میں استعمال کرنا لازم ہوگا۔

**ولا یجوز له أن یفعل إلا ماشرط وقت العقد.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لا یجوز الرجوع عن الشروط، زکریا ٦/٦٨٥، کراچی ٤/٤٥٩)

**أما إذا قال الواقف علی أن لفلان ولایة الاستبدال فمات الواقف لایکون لفلان ولایة الاستبدال بعد موت الواقف إلا أن یشترط الولایة بعد وفاته، ولیس للقیم ولایة الاستبدال إلا أن ینص له بذلک.** (هندیه، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ٢/٤٠٠، جدید ٢/٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۸۱۹۳/۳۷) | ۱۴۲۴/۱۱/۲۰ھ |

# مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا

**سوال [۷۷٦۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ایک مہتمم صاحب نے مدرسہ کی زمین میں کمیٹی کے مشورہ سے ایک قبرستان بنایا تاکہ اگر کسی طالب علم یا استاذ کا انتقال ہو جائے تو اس میں دفن کیا جا سکے، واضح رہے کہ یہ زمین مدرسہ کے لیے لوگوں سے چندہ کر کے خریدی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب کا مذکورہ عمل کیسا ہے؟ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عبد القدوس مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مدرسہ کے نام سے جو چندہ کیا جاتا ہے اس چندہ کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور مدرسہ کے چندہ کے پیسہ سے خریدی ہوئی زمین کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس زمین کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے، چاہے مدرسہ کے لیے کمرہ یا درسگاہ بنائیں یا مدرسہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنائیں اور اگر قبرستان بنانا ہو تو قبرستان کے لیے الگ سے چندہ کریں، یا کوئی صاحب خیر اپنی زمین دینے کے لیے بخوشی پیش کش کرے تو درست ہے، اور اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔

**بعث شمعا فی شهر رمضان إلى مسجد فاحترق و بقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف فى ذلك الموضع أن الإمام و المؤذن يأخذه من غير صريح الإذن فى ذلك فله ذلك.** (البحر الرائق، کتاب الوقف فصل فی أحكام المسجد کوئٹہ ۵/ ۲۵۰، زکریا ۵/ ۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۶/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

# مدرسہ کو منتقل کرنا

**سوال** [۷۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چند آدمیوں نے اپنی زمین اس لفظ کے ساتھ مدرسہ کو دی کہ ”ہم مدرسہ کو یہ زمین دیتے ہیں“ تو کیا اس لفظ سے زمین وقف ہوگئی یا نہیں؟۔

(۲) مدرسہ کے متصل ایک صاحب کا پولٹری فارم (مرغی فارم) ہے جس کی بدبو کی وجہ سے مدرسہ کو وہاں سے منتقل کرنا از حد ضروری ہے تو کیا اس زمین کو فروخت کر کے اس قیمت سے مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں، اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ زمین صرف کاشت ہی کے قابل رہ جاتی ہے، اور اس سے منشاء معطین فوت ہو رہا ہے حالانکہ معطین نے یہ زمین

تعلیم وتربیت کے لیے دی ہے، اوراس صورت میں زمین اس قابل نہیں رہ جاتی، اس صورت میں معطین کوسخت تکلیف ہوگی، تو کیا زمین کوفروخت کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** زمین دینے والوں کا یہ کہہ کر دینا کہ ہم نے یہ زمین مدرسہ کو دی ہے اگر اس سے مدرسہ کے نام بطور وقف دینے کی نیت رہی ہو اور عرف میں بھی یہی ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوگئی ہے اور اگر اس سے مدرسہ کو بطور عطیہ دینے کی نیت رہی ہو تو وہ زمین مدرسہ کی ملکیت میں ہوگئی ہے اور سوالنامہ میں اس جگہ پر مدرسہ چلانے کی دشواریاں پیش کی گئی ہیں کہ مرغی فارم کی بدبو کی وجہ سے طلبہ اور مدرسین کا وہاں پر پڑھنا اور پڑھانا بڑا مشکل ہے اور بدبو کی وجہ سے بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں زمین چاہے وقف کی گئی ہو یا مدرسہ کی ملکیت میں دی گئی ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کو بیچ کر اسی پیسہ سے کسی مناسب جگہ پر متبادل زمین خرید کر مدرسہ بنالیا جائے، اور اس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ معطیین کے مقصد اور منشاء کے مطابق جاری کرادیا جائے تو جائز ہے۔

**ذکر هلال عن أبی حنيفة إذا قال جعلت أرضی هذه للفقراء إن كان هذا فی تعارفهم وقفا كان وقفا.** (تاتارخانية زكريا ۸/۷ رقم: ۱۱۰۶۷)

**مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما يجوز إذا كان فی محلة أخریٰ خيرا و بالعكس لايجوز.** (شامی، كتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، كراچی ۳۸۶/٤، زكريا ۵۸۶/٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۵۷٦/۲، البحر الرائق كوئٹه ۲۲۳/۵، زكريا ۳۷۳/۵)

**وكذٰلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت عن انتفاع الموقوف عليهم جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور أخریٰ تكون وقفا مكانها.** (إعلاء السنن، باب إذا خرب المسجد أو الوقف لم يعد إلى ملك الوقف ولا يباع، دار الكتب العلمية بيروت ۲٤۷/۱۳، كراچی ۱۱۲/۱۳)

**لايجوز استبدال العامر إلا فی الأربع لو شرطه الواقف (إلى قوله) الرابعة:**

**أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صعقا.** (الدر المختار مع الشامی، مطلب: لایستبدل العامر إلا فی أربع کراچی ٤ /٣٨٨، زکریا ٦/ ٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۷ھ

# مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال** [۷۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی مسجد و مدرسہ کے لیے خریدی گئی، مدرسہ اسلامیہ اسکول کے نام رجسٹری ہوئی، کل زمین اسلامیہ اسکول کے نام خریدی گئی اب وہ افتادہ پڑی ہے وہاں اس میں کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی، لیکن وہاں آس پاس آبادی ہوگئی، اس وجہ سے اسے بیچ کر دوسری جگہ زمین لینا چاہتے ہیں تاکہ مدرسہ آبادی سے علاحدہ بنا کر بچوں کی تعلیم وتربیت اچھی ہوسکے، اور شہری مسموم فضا سے محفوظ رہیں تو کیا اس زمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

**المستفتی:** ابوالفضل آگرہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین افتادہ پڑی ہے اور کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی ہے اور مسجد مدرسہ کے لیے وہ جگہ مناسب نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کر کے اس کے بدلے میں دوسری مناسب جگہ خرید کر یا تبادلہ کر کے مسجد و مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اول وہلہ میں مسجد مدرسہ کے نام سے نئی زمین کی رجسٹری کرانا لازم ہے، تاکہ آئندہ کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

**مبادلة الوقف بدار آخر إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا وبالعکس.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی

۳۸۶/۴، زکریا ۴۸۶/۶، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ۵۷۶/۲، البحر الرائق کوئٹه ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۸/۴۰)

# مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا

**سوال** [۷۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زمین مسلم یتیم خانہ کے لیے وقف کردی اور چندہ کرکے لوگوں نے یتیم خانہ تیار کرلیا، اور تھوڑے ہی دنوں تک یتیم خانہ چلا تھا کہ کسی وجہ سے بند ہوگیا یا کم بچے پڑھنے لگے، تو اتنے میں اچانک زید کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد اس کے لڑکے ماجد نے اس یتیم خانہ میں اپنے باپ کے نام ایک اسکول تیار کرالیا، جس میں مسلم وغیر مسلم، سکھ عیسائی وغیرہ کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے، تو کیا اس یتیم خانہ کی زمین پر اسکول کھولنا اور دوسری قوم کو تعلیم دینا، اور بچوں کی فیس سے جو بھی آمدنی ہو اس کو تھوڑا بہت یتیم خانہ کے اوپر خرچ کرکے (یعنی دکھلاوے کے لیے) باقی اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اسکول کے نام پر سال میں ایک مرتبہ انگریزی ڈانس کرانا، جبکہ مسلمان ان حرکتوں سے ناراض ہیں، کیا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت وہاں کے مسلمان یہ چاہ رہے ہیں کہ اب اسکول بند ہو اور شروع سے صرف یتیم بچے یہاں پڑھیں، اور چلانے کے لیے سب تیار ہیں، لیکن ماجد کے مالدار ہونے کی وجہ سے اور بااثر آدمی ہونے کی وجہ سے لوگ کچھ نہیں بول سکتے ہیں، کہ ہم پھنس جائیں گے، اور سارا بوجھ اس پر آجائے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: دینی تعلیم کے لیے یتیم خانہ کے وقف کی زمین

میں دینی تعلیم ہی ہونا لازم ہے، ماجد نے جو اسکول کھولا ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، اسکول کو ختم کر کے مسلمان یتیم بچوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا جائے، واقف نے دینی تعلیم کے لیے وقف کیا ہے اور واقف کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

**و أن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، كتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين، واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۸)

# قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی مسجد محلّہ حیات نگر سیوہارہ میں مسجد سے ملا ہوا قبرستان ہے مسجد کو وسیع کرنے کے لیے لوگ قبرستان والوں سے اجازت لے کر قبرستان میں ستون کھڑا کر کے اوپر مسجد بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ قبرستان میں قبریں موجود ہیں، آیا قبرستان کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور قبر کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد اس کے اوپر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر محلّہ حیات نگر سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ قبرستان مملوکہ ہے تو ایسی صورت میں مالکوں کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کہ قبرستان میں اونچے اونچے قد آدم پلر اٹھا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال کر مسجد بنالی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ بھی جاری رہے، لہٰذا سوالنامہ میں قبرستان کے اوپر پلر قائم کر کے توسیع مسجد کا جو پروگرام ظاہر کیا گیا ہے وہ مالکوں کی اجازت اور فتنوں سے حفاظت کی شرط پر جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۵۹۳، احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)

**فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها (إلى قوله) لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، وهكذافی المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١)

**و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا أو موضع المقبرة مسجدا وغير ذلك.** (عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۳)

# قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال** [۷۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ محلّہ نودھا کے ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں پر کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، نمازیوں کی آسانی کے لیے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں ہمارے محلّہ میں ایک بہت پرانا سادات کا قبرستان ہے، راستہ سے متصل قبرستان کی ایسی زمین ہے جہاں کوئی قبر نہیں ہے، اور نہ ہی قبر کا کوئی نشان باقی ہے اور محلّہ کے اسی نوے سال کی عمر کے معمر حضرات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی یاد میں یہاں پر کوئی قبر نہیں دیکھی اس جگہ پر ہم لوگ قبرستان کی کمیٹی اور سبھی حضرات کی رضا مندی سے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، قبرستان کی اس آراضی میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر قبرستان کی وہ زمین جس میں مسجد بنانے کے لیے سب لوگ رضامند ہیں اس میں ساٹھ ستر سال سے دفن کا سلسلہ بند ہے اور وہاں دفن کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کے تمام ذمہ داران اور کمیٹی کے افراد اور بااثر لوگوں کے اتفاق رائے سے مسجد کی تعمیر کرنا جائز اور درست ہے، اس لیے کہ مسجد بھی من جملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے اور عبادت کی جگہ ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا** (وقوله) **فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩ زكريا ٣/٤٣٥ تحت رقم الحديث ٤٢٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۰۶)

# بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت پرانا قبرستان جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی جگہ ایسی نہ ہوگی جس میں کوئی قبر نہ ہو اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرلی گئی ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر فرقان علی براہمپور سیوہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر قبریں پرانی ہو چکی ہیں اور میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا غلبۂ ظن ہو تو اس کو برابر کر کے مسجد بنا کر نماز ادا کی جائے تو بلا کراہت نماز

درست ہو جائے گی، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی بوسیدہ قبروں پر واقع ہے۔

**قال أنس: فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد.** (بخاری شریف، الصلاة باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۴۹)

# بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے شمالی جانب جہاں پر کوئی قبر نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ دو تین قبریں یہاں پر تھیں، اسے برابر کرکے ۱۹۸۹ء میں دوکانیں بنائی گئیں اور انہیں دکانوں پر ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد تعمیر کی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے لیکن دوکانیں بنانا جائز نہیں، اس لیے جس مسجد کا تذکرہ کیا جارہا ہے اس کے نیچے کی دوکانوں کو بھی مسجد ہی میں شامل کرلینا چاہیے۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم اشرفی دیوبند٢/ ١١٨)

**وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ** (الجن: ١٨). (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحكام المسجد زکریا دیوبند ٥/ ٤٢١، کوئٹه ٥/ ٢٥١، شامی، مطلب فی أحكام المسجد زکریا ٦/ ٥٤٧، کراچی ٤/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

# قبرستان کی زمین کو مسجد میں صرف کرنا

**سوال** [۷۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی جائداد کو مسجد میں صرف کرنا یا اس میں نل وغیرہ لگوانا یا آپس میں تقسیم کرنا، کمیٹی والے ہوں یا عام مسلمان ہوں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان کی جائداد قبرستان کی ضرورت سے زائد نہ ہو یا وہاں قبریں موجود ہوں تو قبرستان کی جائداد کو مذکورہ تصرفات میں سے کسی میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲، فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۷)

**شرط الواقف كنص الشارع الخ.** (الأشباه و النظائر قديم ص: ١٧٠)

**أن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی کوئٹه ٣/ ٤٦٤، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

البتہ قبرستان اگر کسی کی ملکیت کا ہے تو اس کی اجازت سے مذکورہ تمام تصرفات جائز ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۹، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۳، جدید مطول ۱۰/ ۵۱۲)

**لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ.** (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیر، زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۹، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۴۶، الدر المختار کوئٹہ ۱/ ۶۶۲، کراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱۴۵، البحر الرائق کوئٹہ ۱/ ۱۹۵، زکریا ۲/ ۳۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

# قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عام قبرستان ہے جو کہ پوری برادران قریش کی ہے جو اوقاف بورڈ میں بھی درج ہے، اور وقتاً فوقتاً اوقاف بورڈ والے اس کی محافظت کے لیے آتے جاتے ہیں، اسی قبرستان میں برادری کے کچھ لوگ نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور کچھ برادری کے لوگ مسجد کی تعمیر کے سخت مخالف ہیں، آیا اس صورت میں اس عام قبرستان میں مسجد بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر عام قبرستان ہے اور جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے وہاں پر کوئی ایسی قبر نہیں ہے جس کے میت کے اجزاء موجود ہونے کا ظن غالب ہو اور نہ آئندہ قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہے تو بلا اختلاف کے تمام مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے مسجد بنانے کی گنجائش ہے۔

**لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیہا مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلی قولہ) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیہا جاز صرفہا إلی**

**المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم اشرفی دیو بند ۲۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۰۷)

# قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسی جگہ جہاں عرصۂ دراز قبل قبرستان کی جگہ آبادی میں نکل گئی تھی، اس کے باوجود لوگ دفن کرتے رہے لیکن ۲۵/ سال سے اب تک کوئی نئی قبر نہیں بنی ہے، گرام پردھان کی طرف سے مسجد کے نام اس جگہ کی رسید دس سال قبل کاٹ دی گئی تھی، اور وہاں پر مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے، تو وہاں مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین قبرستان کے لیے وقف تھی اور اس میں دفن کا سلسلہ مدت دراز سے ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں پچیس سال سے دفن کا سلسلہ ختم ہونے کا ذکر ہے، اور اس جگہ کے کسی کے قبضہ میں جانے کا خطرہ ہے اور غرض واقف کے مقاصد حاصل نہیں ہو پا رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کا تعمیر کرنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اوقاف میں سے مسجد اعلیٰ درجہ کا وقف ہوتا ہے اور واقف کی غرض اور مقاصد میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب

هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

# قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے قبرستان کی جگہ تین حصوں میں ہے اور قبرستان کے تینوں حصے مسلم آبادی کے بیچ میں ہیں، اور پورے قبرستان کی دیوار سے حد بندی کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے زمین کے ضائع ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے، قبرستان کے تینوں حصوں میں سے ایک حصہ معصوم قبرستان کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے قریب میں مسلمانوں کی آبادی تھی، جنھوں نے بائیس سال پہلے قبرستان ٹرسٹ سے معصوم قبرستان کے ایک کنارے پر پانچ چھ فٹ کے گڑھے (کھائی) پر مسجد مدرسہ تعمیر کی اجازت مانگی تھی کہ مسجد کی چھت کا کچھ حصہ اور کچھ دیواریں اور ستون اور بیت الخلاء مسمار (کمزور) حالت میں ہونے کی وجہ سے مرمت کرنے کی اجازت دی جائے اور ساتھ میں مسجد کے دونوں طرف گیلری بنانے اور جماعت کے لیے دو نئے کمرے کی اجازت دی جائے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ جگہ ۱۹۹۱ء میں ایک روپئے کے کرائے کے ٹوکن پر دی گئی تھی۔

نوٹ: اراکین مسجد کا اجازت نامہ سوال کے پرچے کے ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) جو جگہ خالص قبرستان کے نام سے وقف ہو اس کو دوسرے ٹرسٹ کو مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۱ء میں ۲۵۰ فٹ لمبی اور ۱۲۵ رفٹ چوڑی جگہ اس وقت کے ٹرسٹ صاحبان نے صرف ایک روپئے کے کرائے پر مدت متعین کیے بغیر دی تھی، اتنی جگہ کو ایک روپئے کے

کرائے پر ٹرسٹ صاحبان کو مدت متعین کیے بغیر دینے کا شریعت نے اختیار دیا ہے؟

(۳) اردگرد کی زمینوں کو دیکھتے ہوئے ابھی اس زمین کی قیمت (جو ایک روپئے کے ٹوکن پر دی گئی ہے) کئی گنا زائد بنتی ہے تو کیا ابھی اسی ایک روپئے کے کرائے کو برقرار رکھیں یا بڑھا سکتے ہیں؟

(۴) مسجد کمیٹی کے کہنے کے مطابق مسجد کے کچھ حصے کمزور ہو گئے ہیں تو کیا قبرستان ٹرسٹ صاحبان پرانی عمارت کی مرمت اور نئی تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(۵) قریب میں مسجد کی جگہ خرید کر مسجد بنا دی جائے، تو پرانی مسجد کے نام والی عمارت کو جب تک باقی رہے مدرسہ کی غرض میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(۶) کیا قبرستان کے نام سے وقف جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے؟

(۷) اور اگر عمارت بنا دی ہو تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں شمار ہوگی، جس میں ستائیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا پھر عبادت خانہ شمار ہوگی؟

(۸) اگر عبادت خانہ شمار ہوتی ہو تو اس صورت میں عمارت پر مسجد لکھنا درست ہے یا عبادت خانہ؟

(۹) اگر عبادت گاہ ہے تو اس صورت میں سامنے زمین خرید کر مسجد بنا کر وہاں نماز پڑھنا درست ہے یا پھر عبادت گاہ میں ہی پڑھے؟ اکثر لوگ بائیس سال سے مسجد سمجھ کر ہی وہاں نماز ادا کر رہے ہیں؟

(۱۰) اگر قبرستان کے ٹرسٹ صاحبان اس جگہ کو پہلی صورت پر لانے کے لیے مسجد کمیٹی سے جگہ خالی کرنے کی گذارش کریں تو اس صورت میں ٹرسٹ صاحبان ازروئے شرع گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۱۱) قبرستان کے قرب و جوار میں مسجد کے لیے جگہ کا انتظام ہو سکتا ہو تو قبرستان کی جگہ کو (جو جگہ قبرستان کے غرض سے ہی وقف ہے) مسجد کی غرض میں مشغول رکھا جا سکتا ہے؟

آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سارے سوالات کا حاصل یہ ہے کہ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے اس سے اعلیٰ درجہ کا وقف مسجد ہوتی ہے اور قبرستان کے مقابلے میں واقف کو مسجد کا ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے قبرستان کی فاضل زمین پر جس میں دفن نہ ہو رہا ہو، اس پر کمیٹی کے مشورہ سے مسجد شرعی بنانا بلاتردد جائز اور درست ہے، اور پھر مسجد سے کرایہ وصول کرنا درست نہیں ہوگا تاکہ مسجد مکمل طور پر وقف علی اللہ ہو جائے اور واقف کے لیے صدقۂ جاریہ بن کر کے قیامت تک ثواب کا سلسلہ جاری ہو جائے اور اس مسجد سے متصل ضمناً قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب کا کمرہ بنایا جائے تو یہ بھی وقف ہے اور اس سے بھی صدقۂ جاریہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا، اس لیے وہاں کے سارے مسلمانوں کو اس بات پر متفق ہو کر مسجد کا تعاون کرنا چاہیے اور آپس میں اختلاف اور انتشار پیدا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مسجد نبوی جو دنیا کے سارے مسلمانوں کا مرجع ہے، پرانے قبرستان کے اوپر ہی بنی ہے اور ساتھ میں اصحاب صفہ کے لیے مدرسہ صفہ کا چبوترہ بھی اسی کے اوپر قائم ہے، ممکن ہے کہ اس جواب سے وہاں کے سب مسلمان اختلاف کو ختم کر کے مسجد کے تعاون میں متفق ہو جائیں۔

**لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلی قوله) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدۃ القاری، الصلاۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه دیوبند ۲/۱۱۸)

**الشامنة فی وقف المسجد أیجوز أن یبنی من غلته منارۃ قال فی الخانیة معزیا إلی أبی بکر البلخی إن کان ذلک من مصلحة المسجد بأن کان أسمع لهم فلا بأس به.** (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹه ۵/۲۱۵، زکریا

دیوبند ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

# قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم

**سوال** [۷۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے لوگوں نے آج سے تقریباً بیس برس قبل بالا تفاق قبرستان میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی تھی، لیکن اس بنیاد پر تعمیری کام شروع نہیں ہوا تھا کہ اچانک حالات میں تبدیلی آئی اور گاؤں میں اختلاف ہو گیا، اور دو فریق بنام دیوبندی و بریلوی وجود میں آگئے یعنی کچھ لوگ دیوبندیت کے نام سے موسوم ہوئے اور کچھ بریلویت کے نام سے اور دونوں فریقوں کے قبرستان ایک ہی رہے، اور بریلوی مکتب فکر نے اپنا مدرسہ الگ بنالیا، اور دیوبندی مکتب فکر نے الگ بنالیا، اور وہ بنیاد جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، جوں کی توں رہی، بریلویوں نے اپنا مدرسہ مسجد میں بنالیا اور دیوبندیوں نے الگ جگہ لے کر اپنا مدرسہ بنالیا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے مدرسہ کی جگہ اسی مدرسہ کے بالکل برابر میں ملی جس کی بنیاد سب لوگوں کے اتفاق سے رکھی گئی تھی، اور دیوبندی مکتب فکر کے مدرسہ کا نام ”مدرسہ ابی بن کعب“ رکھا گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کا راستہ بھی قبرستان کے درمیان سے ہو گیا اور پہلا والا مدرسہ جس کی بنیاد بیس برس قبل رکھی گئی تھی وہ سارا کا سارا بالکل مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آگیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کے طلبہ اس بنیاد کے احاطہ میں کھیلنے لگے، جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، پھر ایک دن ایک سرکاری ملازم (پٹواری) نے آکر دیکھا تو اس نے قبرستان کے اس حصہ کو مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان قرار دیدیا اور کاغذات میں بھی اسی طرح لکھ دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان ہے، اور اس کے علاوہ بقیہ زمین قبرستان ہے، اور اس بات کا علم لوگوں کو چند ماہ بعد ہوا اور آہستہ آہستہ

یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی، جب بریلویوں کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے تحصیل سے پورے قبرستان کے کاغذات لے لیے، اور یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان نہیں ہے، بلکہ یہ قبرستان کی زمین ہے،اور قبرستان ہی کی رہے گی، جب ان ساری باتوں کا علم مدرسہ ابی بن کعب کے مہتمم صاحب کو ہوا، تو انہوں نے کہا کہ بیس برس قبل جب بالاتفاق یہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی تو یہ مدرسہ ہی کی رہے گی، بھلے ہی قبرستان کی زمین میں ہو، اور میں اسے مدرسہ ہی مانوں گا، بھلے ہی اس بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہ ہوا ہو، جب کہ گاؤں کے تمام لوگ حتی کہ دیوبندی حضرات بھی حضرت مہتمم صاحب مدرسہ ابی بن کعب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب بیس برس قبل والی بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا اور حالات خراب ہو گئے تھے،تو اب اس بنیاد کو ختم کر کے اس بنیاد کے ملبے سے اور کچھ اور سامان منگا کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور مہتمم صاحب اور ان کے خاندان والے اس کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ گاؤں کے حالات اس وجہ سے کشیدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

تو آپ سے مطلوب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مہتمم مدرسہ ابی ابن کعب کا اس طریقہ پر اپنی من مانی کرنا اور پورے گاؤں کے حالات کے خراب ہونے کا باعث بننا صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ پورے گاؤں کے لوگ، خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، مہتمم صاحب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس بنیاد پر جب مدرسہ تعمیر نہ ہوسکا، تو اس بنیاد کو اکھاڑ کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور قبرستان کا وہ حصہ جو مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آگیا ہے اور جسے مدرسہ ابی بن کعب کا کھیل کا میدان قرار دیا گیا ہے اسے قبرستان ہی رکھا جائے، واضح رہے کہ جب سے ان دونوں فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کا وجود ہوا ہے اسی وقت سے بریلوی مکتب فکر کے قبضہ میں مسجد ہے، اور دیوبندی مکتب فکر کے قبضہ میں عید گاہ ہے اور دیوبندیوں نے اپنی مسجد اختلاف کے وقت (جو تقریباً ۱۵ یا ۱۶ / برس قبل بنام دیوبندی و بریلوی ہوا تھا) الگ بنائی تھی اور آج تک بحمد للہ وہ دیوبندی کے قبضہ میں ہے۔

لہٰذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مذکورہ مسئلہ کو سمجھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات جواب عنایت فرمائیں تاکہ ضرورت کے وقت مراجعت کی جاسکے، خصوصاً

درج ذیل سوالات کے جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں:

(۱) حضرت مہتمم صاحب کا اس طریقہ پر زور دینا اور اپنی من مانی کرنا کس حد تک درست ہے؟

(۲) مدرسہ کی بنیاد جو بیس برس قبل رکھی گئی تھی اس کا اکھاڑنا کہاں تک درست ہے؟

(۳) مذکور فی السوال مضمون کی صورت میں حضرت مہتمم صاحب کا ساتھ دینا چاہئے یا ان لوگوں کا جو مہتمم صاحب کے مخالف ہیں؟

(۴) مہتمم صاحب کا ساتھ دینے میں ساتھ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۵) قبرستان کی زمین میں مدرسہ بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ جب کہ یہ قبرستان وقف شدہ ہے؟

(۶) مہتمم صاحب کا ساتھ نہ دینے والے کو لوگوں کا ملامت اور لعن طعن کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ساتھ دینے سے مراد یہ ہے کہ جس طریقہ سے مہتمم صاحب قبرستان میں وضع شدہ بنیاد پر مدرسہ بنانے کے قائل ہیں اسی طرح دوسرے حضرات بھی ہوں، اور اس معاملہ میں مہتمم صاحب کا تعاون کر رہے ہوں۔

المستفتی: حاجی محمد انتظار صاحب جہانگیر پور ضلع غازی آباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان میں اگر فاضل زمین پڑی ہوئی ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہیں ہے یا قبرستان بالکل پرانا ہو چکا ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بالکل بند ہو چکا ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے اس لیے کہ مسجد اور دینی مدرسہ بھی وقف کی ہی ایک قسم ہے اور اگر قبرستان میں فاضل زمین موجود نہیں ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا پرانا بوسیدہ قبرستان نہیں ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو بلکہ تدفین کا سلسلہ جاری ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شروع میں جس جگہ پر مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی گئی تھی تو وہ قبرستان سے

فاضل زائد زمین ہے آپس کی رنجش اور اختلاف کی وجہ سے وہ مدرسہ نہیں بن سکا اور وہ زمین خوامخواہ افتادہ پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اگر اس حصہ میں مدرسہ یا مسجد بن جائے تو واقف کو صدقۂ جاریہ کے اعتبار سے ثواب ملنے کا سلسلہ جاری ہو جائے، مسئلہ شرعی تو یہی ہے جیسا کہ مسجد نبوی بھی مشرکین کے پرانے قبرستان کے اوپر بنی ہوئی ہے جو ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

**عن أنس بن مالک قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة ...... و کان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر بناء المسجد فأرسل إلى ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا و الله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین و فیه خرب، وفیه نخل فأمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسوِّیت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون و النبی صلی اللہ علیہ وسلم معهم و هو یقول اللهم لا خیر إلاخیر الآخرة فاغفر الأنصار و المهاجرة.** (بخاری شریف، الصلاة باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۱۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلی قوله) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه دیو بند ۲/۱۱۸)

کاش کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہوتا اور سیاسی رنگ نہ پکڑتا اور مسجد اور مدرسہ کی عمارت تعمیر ہو جاتی تو بہتر ہوتا، لیکن محض کھیل کا میدان قرار دینا غرض واقف کے خلاف ہے، باقی اختلاف اور فتنہ سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا حتی الامکان لازم ہے، کسی کا ساتھ دینا نہ دینا اس طرح ذاتیات سے متعلق کچھ لکھنا منصب افتاء کے مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۳)

# بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی پلاٹنگ کرنے کے لیے خریدی اس آراضی کے ایک گوشہ میں کچھ پرانی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں، تقریباً دوڈھائی سوگز آراضی اندازہ کر کے کہ قبرستان ہوگی انہوں نے چھوڑ دی بقیہ فروخت کردی، اب وہاں آبادی ہوگئی، آبادی کے لیے مسجد کی ضرورت ہے، زید نے کہہ دیا کہ اگر علماء شریعت کی روشنی میں اجازت دیں تو محلّہ والے مسجد بنالیں، میں یہ آراضی مسجد کو دیدوں گا، مقامی بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی یہاں کسی کو دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اندازاً وہ قبریں لگ بھگ سوسال پرانی ہوسکتی ہیں تو کیا اس آراضی پر مسجد بن سکتی ہے؟

المستفتی: رضوان قادردیباسرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر بہت پرانی قبروں کا نشان ہے اور بڑی عمر کے لوگوں نے اپنی زندگی میں وہاں دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بہت پرانی قبریں ہیں، لہٰذا وہاں کے مسلمانوں اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اتفاق سے، یا اس زمین کے مالک کی اجازت سے اس کے اوپر مسجد بنانا شرعی طور پر جائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی جس جگہ پر بنی تھی وہ بھی اسی طرح پرانی قبروں کی جگہ تھی۔

**هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة،

باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ١٧٩/٤، زكريا ٤٣٥/٣ رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ١١٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۴۹/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

# مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد باجازت مالکان

**سوال** [۷۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری ملکیت کا آبائی قبرستان واقع سرائے حسینی بیگم متصل مسجد کھجور والی میں لوگ قبریں منہدم کر کے مسجد کی توسیع کررہے ہیں، اس ذیل میں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ شریعت محمدی کے تحت اس اقدام کا کیا جواز ہے فریقین متفق ہیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ آنجناب کے فتوے پر ہوگا؟

**المستفتی**: مظفر الدین محلّہ نئی بستی محمد روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: جب قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکان قبرستان کی اجازت سے توسیع مسجد میں شامل کر لینا درست ہے جبکہ قبروں میں میت کے اجزاء باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴۸۹/۱، جدید ڈابھیل ۵۱۱/۱۴، کفایت المفتی قدیم ۱۲۳/۱، جدید زکریا مطول ۵۱۲/۱۰)

**لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية، مكتبه امداديه ملتان ٢٤٦/١، زكريا ديوبند ٥٨٩/١، الدر مع الرد كوئٹه ٦٦٢/١، كراچى ٢٣٣/٢، زكريا ١٣٨/٣، البحر الرائق كوئٹه ١٩٥/٢، زكريا ٣٤١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۰/۲۴)

# بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا

**سوال** [۷۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غالباً دو سال پرانی آراضی قبرستان کی ہے، جس میں قبرستان قائم ہے حد بندی کیساتھ، اور لوگ یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد، اعزہ واقرباء یہاں پر مدفون ہیں اس کے قریب مسجد ہے اس مسجد کو شہید کر کے پندرہ فٹ آراضی قبرستان کی لے کر مسجد کی توسیع کی جارہی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ قبرستان کی آراضی مسجد میں لے سکتے ہیں یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: پھندق خاں سالار پور پوسٹ اتراسی کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر قبرستان بوسیدہ ہوگیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے تو مالک کی اجازت سے قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا شرعاً درست ہے۔

**جاز زرعه و البناء عليه إذا بلى و صار ترابا.** (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في دفن الميت، زكريا ۳/۱٤٥، كراچی ۲/۲۳۸، زكريا ۳/۲۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۲٦/٦، ۳٤۸/۳۸، ۱۳۳/٤۰، البناية اشرفيه ديوبند ۳/۲۵۳)

**فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤/۱۷۹، زكريا ۳/٤۳۵، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۵ھ

# پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا

**سوال** [۷۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جہاں پر تقریباً پینتیس سال قبل قبرستان تھا، اب وہاں پر مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے اب عوام کا کہنا ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنا کیسے جائز ہوگا؟ وہاں پر مسجد کا بننا کیسا ہے؟ اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اعظم ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** پرانا قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد تعمیر کرنا بلاشبہ اور بلا تردد جائز ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بلاشبہ اور بلا کراہت جائز اور درست ہے، چنانچہ مسجد نبوی جس میں ریاض الجنۃ بھی شامل ہے، پرانے قبرستان کے اوپر تعمیر کی گئی ہے اس میں جو قبریں تھی ان کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے پرانے پیڑ بھی تھے ان کو کاٹ کر کے مسجد نبوی کے لیے ستون کا کام لیا گیا تھا، لہٰذا بوسیدہ قبرستان کے اوپر تعمیر مسجد کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔

**عن أنس بن مالك قال قدم النبی ﷺ المدينة ...... وكان يحب أن يصلی حيث أدركته الصلاة ويصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملأ بنی النجار فقال يا بنی النجار ثامنونی بحائطكم هذا قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز و جل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتيه الحجارة و جعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون والنبی ﷺ معهم.** (بخاری شريف، الصلاة باب هل نبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

**هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم**

**لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/ ۱۱۸)

**إن مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض الواقفین واجبة، کوئٹہ ۳/ ۴۶۴، کراچی ۴/ ۴۴۵، زکریا ۶/ ۶۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

# قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا

**سوال** [۷۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی آراضی میں مسجد یا عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں اور نعشیں دفن ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن کچھ حصہ میں پندرہ بیس سال سے کوئی نعش دفن نہیں ہوئی تو اس خالی حصہ میں عبادت گاہ بنانا اور اس میں نماز فرض یا واجب ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قبرستان کا جو حصہ تدفین سے خالی پڑا ہوا ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں تو قبرستان کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد یا عیدگاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز فرض وواجب کا ادا کرنا بھی درست ہے۔

**هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن**

**موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۱۷۹/۴، زکريا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۳ھ

## پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان میں ایک مسجد پہلے سے آباد ہے جو نماز جمعہ کے لیے نا کافی ہے، مسجد کی توسیع ہو رہی ہے، محراب کے بائیں جانب تقریباً دس پندرہ سال پرانی تین کچی قبریں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ قبروں کو ختم کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں، موجودہ محراب کو جو اس وقت بیچ میں نہیں ہے باقی رکھا جائے یا ختم کر کے درمیان میں کر دیا جائے، جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں؟

المستفتی: اشراق احمد آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ قبرستان میں مسجد بنی ہوئی ہے جن قبروں کا سوالنامہ میں ذکر ہے اگر ان قبروں کے اندر میت کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو اور ان کے اقرباء یا دیگر کسی کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کے ذمہ داروں کی مرضی سے اور میت کے وارثین کی بھی مرضی سے ان قبروں کو برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز اور درست ہے، اور محراب مسجد کی اگلی صف کے بیچ میں ہونا مسنون ہے۔

**إن الـميت إذا بلى فصار ترابا جاز زرعه و البناء عليه.** (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ١ /١٦٧، جديد ١ /٢٢٨، شامي زكريا ٣ /١٣٨، كراچى ٢ /٢٣٣، ٢٣٨)

**قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤ /١٧٩، زكريا ٣ /٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢ /١١٨)

**إن المحراب إنما بنى علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة.** (شامى زكريا ٢ /٤١٤، كراچى ١ /٦٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦ /١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| --- | --- |
| ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۷۶) | ۱۴۳۴/۴/۲۳ھ |

# قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو آراضی قبرستان کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس میں لوگوں کو دفن کیا جاتا ہو اس میں بغیر واقف کی اجازت کے مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) جس آراضی کا مالک گرام سماج یا میونسپل بورڈ ہو اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں، ان دونوں اداروں میں برادران وطن اور مسلمان دونوں شامل ہوتے ہیں ایسی صورت میں صرف مسلم ممبران کی اجازت کافی ہوگی یا دونوں کی اور اس جگہ کو بغیر معاوضہ لینا

درست ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ قبریں نہ ہوں بلکہ امام جس جگہ کھڑا ہوگا اس کے سامنے قبریں موجود ہوں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: (۱) اگر واقف زندہ ہے اور وہ تعمیر کی اجازت نہیں دیتا ہے یا واقف زندہ نہیں ہے لیکن پوری زمین صرف قبرستان کے لیے وقف ہوئی ہے اور پورا قبرستان اب بھی دفن کے کام میں آرہا ہے ایسا نہیں کہ قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہو اور تازہ دفن بھی نہ ہوتا ہو بلکہ تازہ دفن کا سلسلہ باقی ہے تو ایسے قبرستان میں مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

**إن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

(۲) گرام سماج کی زمین اس کی اجازت کے بغیر اور میونسپل کی زمین اس کی اجازت کے بغیر تعمیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر تعمیر کرلیا ہے تو کسی طرح اجازت حاصل کرنا یا قیمت ادا کردینا لازم ہے۔

**لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مکتبه اتحاد ١/٦١، رقم المادة ٩٦)

(۳) جہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے اگر وہ زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی ایسی قبر ہے جس کے اعضاء خاک نہ ہوئے ہوں تو وہاں مسجد بنانے کی گنجائش ہے اور محراب کے سامنے اگر قبریں ہیں تو سامنے اگر دیوار حائل ہو جائے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت لازم نہ آئے گی، ہاں البتہ دیوار حائل نہ ہو بلکہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو نماز میں کراہت آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۰)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر**

**بذٰلک بأسا.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط و اللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۵)

# قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا

**سوال** [۷۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قطعۂ قبرستان جس میں تقریباً ۶۰/۷۰ سال سے کوئی دفن نہیں ہوا ہے اور ایک عرصہ سے وہاں مچھلی بازار اور کبوتر بازار بھی لگتا ہے اس کی چہار دیواری کرادی گئی ہے اب وقف کمیٹی کے لوگ پلر کھڑے کر کے لینٹر ڈال کر اس پر کمرے بنوا کر ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، نیچے کچی زمین پر کار اسکوٹر پارکنگ بنانا چاہتے ہیں تا کہ مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورے ہوتے رہیں، تو کیا یہ جائز ہے اور بہتر ہے اگر بہتر نہیں ہے تو اور کوئی راستہ بتائیں، اگر ہم اس جگہ کو خالی چھوڑتے ہیں تو کچھ لوگ اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتی: نجم الحسن تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس موقوفہ قبرستان میں تقریباً ۶۰/۷۰ سال سے مردوں کے دفن کرنے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبرستان کے اس حصہ کے اسی طرح خالی پڑے رہنے کی صورت میں وقف کمیٹی کے باہم مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ یا مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اور چونکہ مذکورہ قبرستان موقوفہ ہے اس لیے وہاں کار پارکنگ بنانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ واقف کی منشاء کی خلاف ورزی ہوگی، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے ہاں البتہ نیچے کے حصہ کو بھی مدرسہ یا مسجد کے حصہ میں شامل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف ہوتا ہے اسی طرح مسجد

بھی وقف ہوتی ہے، اور مدرسہ بھی وقف کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨)

**وأما المقبرة الداثرة إذا يبنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أر فيه بأسا، لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعناهما واحد.** (عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٤، زکریا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨)

**سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القریٰ إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتٰی لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها؟ قال: لا! ولها حكم المقبرة.** (فتاویٰ عالمگیری، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، زکریا قديم ٢/ ٤٧٠، ٤٧١، زکریا جديد ٤/ ٤١٦، الفتاویٰ التاتارخانية زکریا ٨/ ١٨٩، رقم: ١١٦٠٠، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٤٥، رقم: ١١٤١٤)

**شرط الواقف كنص الشارع فی وجوب العمل به و فی المفهوم والدلالة.** (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۴ھ

# قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا

**سوال** [۷۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک مسجد بنائی ہے اور وہ مسجد قبرستان کے کنارے ہے اور مسجد کے آگے ایک قبر ہے کیا اس کو برابر کر کے صف بنا دی جائے اور اس کے اوپر نماز ہوگی یا نہیں؟ ،قبر توڑ کر مسجد کے حدود میں داخل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر اس قبر کے اندر میت کے مٹی بنجانے کا ظن غالب ہو چکا ہے بایں طور کہ قبر بہت پرانی ہے تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینے کی گنجائش ہے نیز اس کی وجہ سے آپس میں کسی قسم کا فتنہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/رجب المرجب ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٣٥٢٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/٧/١٤١٤ھ

# قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت

**سوال** [٧٧٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں میں دو قبرستان ہیں، ایک قبرستان گاؤں کے بالکل متصل ہے بلکہ اب آبادی کے درمیان آچکا ہے جس میں آج سے تقریباً پچیس تیس سال قبل تدفین عمل میں آئی تھی ، گاؤں کے قریب والے قبرستان میں لوگوں کے گندگی پھینکنے کی وجہ سے اس میں تدفین کا عمل عرصۂ تیس سال سے موقوف ہے، اور اب ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ دوسرا بڑا قبرستان صاف ستھرا تدفین کے لیے گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر موجود ہے، تو کیا اس

قبرستان میں مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کر سکتے ہیں، جہاں پر اب قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں، جس میں لوگ غلاظت اور گندگی پھینکتے ہیں اور گھور لگاتے ہیں، اور گاؤں کی آبادی کافی وسیع ہو رہی ہے، اس عرصہ میں چند سالوں سے اس علاقہ میں تعمیر مسجد کے لیے جگہ کی تلاش جاری ہے تو اس قدیم قبرستان پر جہاں قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں اور نہ اس میں تدفین ہوتی ہے اگر مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کرتے ہیں تو یہ قبرستان غلاظت و گندگی اور ناجائز قبضوں سے محفوظ ہو جائے گا، اور نمازیوں کے لیے مسجد کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی، حکم شرع با حوالہ کتب فقہ سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد آزاد بیگ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جس قبرستان میں ۳۰/۲۵ سال سے تدفین کا عمل نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس میں آثار قبر موجود ہیں بلکہ وہ مٹ چکے ہیں اور اس کو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنالیا گیا ہے تو اس جگہ میں مسجد اور دینی مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

**فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فاذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.**

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲، هكذا في فتاویٰ التاتارخانية زکریا ۱۸۸/۸، رقم: ۱۱۵۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۳۴ھ

# ۳۱ر سال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا

**سوال** [۸۵ ۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان محلہ بروالان دھر گھاٹ اشی کل اسکول رام گنگا کے کنارے واقع ہے، ۱۹۸۰ء کے فساد میں اس قدیم قبرستان میں فرقہ پرست عناصر نے لوگوں کو تدفین کرنے سے روک دیا اور آس پاس کے زیادہ تر مسلمان یہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے، تقریباً ۳۱ر سال سے اس قبرستان میں کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور قبرستان کے کچھ حصہ پر غیر مسلموں نے ناجائز مکانات تعمیر کر لیے، باقی بچی آراضی پر کوڑا کباڑا پھیلا دیا، پرانی قبریں اس وجہ سے مفقود ہو گئیں ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ قبرستان کے دوسرے کنارے پر ۴٦۰ گز جگہ مزید قبرستان کے لیے ہے کیا اس جگہ کے کچھ حصہ پر مسجد اور دینی مدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ۴٦۰ر گز زمین میں کوئی بھی قبر نہیں ہے، تو کیا شریعت رو سے مسجد و مدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: پرانا قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے، اسی طرح قبرستان کی وہ جگہ جس میں ابھی تک تدفین نہ ہوئی ہو اور وہ جگہ خالی پڑی ہو اس میں بھی مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

**عن أنس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة ...... و کان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلی ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا والله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادیته الحجارة و جعلوا ینقلون**

**الصخر وهم يرتجزون والنبي عليه وسلم معهم** . (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۳۳ھ

# قبر کو مسمار کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبر کو مسمار کر کے اس کے اوپر مسجد یا مدرسہ یا مکان بنوانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: قبر کو مسمار کر کے اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہاں عرصۂ دراز سے اموات دفن نہ کیے جاتے ہوں اور زمین بھی مملوکہ ہو تو ایسی صورت میں مالک یا ذمہ دار حضرات وہاں مسجد یا مدرسہ یا مکان وغیرہ کسی بھی طرح کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر وہ قبرستان موقوفہ ہو اور طویل عرصہ سے اس میں مردے بھی دفن نہ ہوتے ہوں تو اہل محلّہ کی اتفاق رائے سے وہاں صرف مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے اور ذاتی تصرف

کرکے وہاں مکان وغیرہ بنوانا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ٦/ ١٩٧، جدید ڈابھیل ١۵/ ٣۵٣، امدادالفتاویٰ ٢/ ۵٧٩، احسن الفتاویٰ ٦/ ۴٠٩)

**لو بلی الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل في التعزية، مكتبه امداديه ملتان ١/ ٢٤٦، زكريا ديوبند ١/ ٥٨٩، الدر مع الرد كوئٹه ١/ ٦٦٢، كراچی ٢/ ٢٣٣، زكريا ٣/ ١٣٨، البحر الرائق كوئٹه ٢/ ١٩٥، زكريا ٢/ ٣٤١)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/ رجب المرجب ١۴١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ۵٩۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/ ٧/ ١۴١٧ھ

# پرانے قبرستان میں مدرسہ ومسجد قائم کرنا

**سوال** [٧٧٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی ہے جو پہلے کبھی قبرستان تھا لیکن ایک صدی سے زائد عرصہ سے اس زمین میں تدفین کا عمل بند ہے اس زمین کا خسرہ نمبر ٢٧۴ ہے، اس نمبر کی

آراضی میں ایک مسجد اور مدرسہ ہے وقف بورڈ میں مدرسہ ومسجد کا وقف نمبر تو ملتا ہے مگر یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا ہے یا نہیں؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضیٔ مسجد و مدرسہ وقف کہلائے گی مذکورہ آراضی کو مدرسہ ومسجد کے لیے کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

المستفتی: اقرار احمد محلّہ ملکان کرتپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے ایسا ہی مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہوتے ہیں، لہٰذا بوسیدہ قبرستان میں جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور وقف بورڈ میں ان زمینوں کا صرف وقف کے طور پر مل جانا کافی ہے، مسجد اور مدرسہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان میں ہی تعمیر ہوئی ہے اس لیے مسجد اور مدرسہ جس حالت میں ہیں اسی حالت میں باقی رکھنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کو مسجد اور مدرسہ کا تعاون کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۰، ۱۵۱)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ٤۳۵/۳، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفيه ۱۱۸/۲، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ۱۸۸/۸ رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۱٤٤/۹، رقم: ۱۱٤۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۴/۴۰)

# افتادہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا

**سوال** [۷۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے اس قبرستان کے چاروں طرف غیر مسلموں کی آبادی تھی اس وقت بھی اس قبرستان میں مردے دفنائے جاتے تھے کچھ لاوارث مردے دفن ہونے کی وجہ سے اور ان کی دہشت اور بدبو کی وجہ سے اس وقت کے غیر مسلموں نے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دی (اس میں لکھا تھا کہ اس قبرستان کے آس پاس کوئی بھی مسلمان نہیں ہے، بدبو دار مردے دفن ہونے کی وجہ سے ہمارے بچوں میں دہشت اور خوف بیٹھ گیا ہے) اسی وجہ سے ضلع مجسٹریٹ نے مردے دفنا نا بند کرادیا تھا، جواب موجودہ حالات میں قانون کی طرف سے کوئی روک نہیں ہے، اب اس قبرستان کے اردگرد مسلمانوں کی آبادی پھیل گئی ہے کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ اہل محلّہ کی جانب سے اس قبرستان میں صفائی کا کام چل رہا ہے تاکہ دوبارہ مردوں کو دفنایا جائے، اہل محلّہ کے پچیس فیصد لوگ قبرستان چاہتے ہیں اور پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے کہ: (۱) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اہل محلّہ کے لیے شادی ہال بنایا جائے۔

(۲) قبرستان کے اوپر چھٹ پاٹ کر دینی مدرسہ بنایا جائے۔

(۳) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اسکول بنایا جائے۔

یہ قبرستان تقریباً چالیس سال سے بند تھا اس قبرستان کے چاروں طرف گندے پانی کے پرنالے کھلے ہوئے ہیں لوگ، اپنی دیگر ضروریات کی چیزیں گائے، بھینس، جنریٹر وغیرہ قبرستان کی جگہ پر استعمال کررہے ہیں، یہی پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے، قبرستان کا خسرہ نمبر ۱۸۱ وقف ۹۸۳ ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: قبرستان اگر افتادہ ہوجائے اور اس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا تدفین کا سلسلہ بند ہوجائے تو ایسے قبرستان میں صرف مدرسہ اور مسجد قائم

کرنے کی اجازت ہے، اورذمہ داران قبرستان کے مشورے سے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ پلر قائم کرکے اوپر مسجد یا مدرسہ قائم کرلیا جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کی قسم میں سے ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کی قسم میں سے ہیں، لیکن قبرستان کو پاٹ کر اس کے اوپر شادی ہال بنانا یا ہسپتال بنانا، یا اسکول بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تینوں چیزیں وقف کی قسم میں سے نہیں ہیں، اور مسجد و مدرسہ وقف کی قسم میں سے ہیں اس لیے ان کی گنجائش ہے۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۱۷۹/۴، زكريا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۱۱۸/۲، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۱۸۸/۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۱۴۴/۹، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۵۰/۳۶)

# بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

**سوال** [۷۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبر سے ٹیک لگانا اور اوپر چڑھنا منع ہے مگر پرانے قبرستان میں کاشت ہوجاتی ہے اور مسجد و مدرسہ بھی تعمیر ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت میں ان مردوں کو تکلیف نہیں ہوتی ہوگی، اور کیا وہ مردے کہیں اور منتقل ہوجاتے ہیں؟

(۲) پرانے قبرستان جہاں پر قبریں ظاہر نہ ہوں تو وہاں پر مسجد و مدرسہ یا دوکان و مکان بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) ان مردوں کا تعلق اس مٹی کے ساتھ ہوتا ہے چاہے اس پر عمارت ہی کیوں نہ تعمیر کرلی گئی ہو قیامت کے دن وہ وہیں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن عالم ثانی و برزخ میں تکلیف وراحت کا تعلق اصالۃً روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم کو جو مٹی بن چکا ہوتا ہے اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے عمارت بنانے اور کھیتی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

**كما استفيد من الشامي: لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، زكريا ديوبند ۱/ ۵۸۹، الدر مع الرد كوئٹه ۱/ ۶۶۲، كراچى ۲/ ۲۳۳، زكريا ۳/ ۱۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/ ۱۹۵، زكريا ۲/ ۳۴۱)

(۲) ایسے پرانے قبرستان ہوں کہ ان میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبریں بھی سب پرانی ہو چکی ہیں تو اس میں ذمہ داران قبرستان کے مشورہ سے مسجد یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، مگر مکان اور دوکان بنانا جائز نہیں ہے۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين (إلى قوله) جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۱۴ھ

# دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا

**سوال** [۷۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تقریباً ۸۰/ سال قبل گاؤں سے باہر کچھ زمین تقریباً تین بیگھہ ہندو و مسلمان زمینداروں کی تھی، طاعون کے زمانہ میں بغیر زمینداروں کی اجازت کے اس میں کچھ لوگوں نے مردے دفن کرنے شروع کردیئے، زمینداروں نے اس پر اعتراض کیا آخر مقدمہ قاضی عبدالغنی صاحب کے یہاں کردیا، انہوں نے قبرستان تسلیم نہیں کیا اس کے بعد مان سنگھ مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ کردیا انہوں نے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی، یہ بڑوں سے سنا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، مردے اس میں دفن ہوتے رہے، اب تقریباً ۲۰/ سال سے دفن کرنا ترک کردیا، اب اس میں کھتے پڑے ہوئے ہیں، ایک کنارہ پر مسجد تعمیر کردی ہے اور جو باقی ہے اس میں اکثر لوگوں کی رائے اسلامی مدرسہ کی ہے، اب اس کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس کی ایک سمت میں آبادی ہے، اس کا راستہ بالکل بند ہوجائے گا، لوگوں نے آبادی کو راستہ دینے سے عذر کردیا ہے، کہ قبرستان میں راستہ جائز نہیں ہے، جبکہ مدت دراز سے آبادی کا راستہ اسی جگہ سے ہے، ایسی شکل میں راستہ کی اجازت ہوسکتی ہے کہ نہیں جبکہ دو سمتوں میں انہیں لوگوں نے پختہ عام راستے اور ایک سمت میں خام راستہ بنادیا ہے؟

المستفتی: اصغر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: صورت مسئولہ میں غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر مردہ دفن کرنا یا مسجد و مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۱۵)

**فإن شرط الواقف التأبید والأرض إذا کانت ملکا لغیرہ فللمالک استردادها و أمرہ بنقض البناء.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شیخه، زکریا ٦/٥٩١، کراچی ٤/٣٩٠)

لیکن اگر اس مالک نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا جائز ہے، قبرستان میں جب قبر کے نشانات مٹ چکے ہوں، اور میت بھی مٹی بن چکی ہو تو اس کے احکام قبرستان کے احکام نہیں ہوں گے اور اس میں راستہ وغیرہ بنانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۳، ۱۵/ ۳۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴، ۳۹۲)

**كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و صار ترابا.** (در مختار زكريا ۳/ ۱٤٥، كراچی ۲/ ۲۳۸)

آبادی کے دونوں جانب لوگوں کے آنے جانے کے لیے کچے پکے راستے موجود ہیں تو بلاضرورت مذکورہ زمین میں راستہ بنانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اور اس پرانے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنالینا زیادہ بہتر ہوگا۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار، إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۲ھ

# نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر

**سوال** [۷۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک نجی قبرستان ہے جو کچھ حضرات کا مشترک ہے، سردست وہ آبادی کے بالکل درمیان میں آچکا ہے، چاروں طرف آبادی ہے درمیان میں قبرستان آنے کی وجہ سے چونکہ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے تو لوگوں نے اسی میں غلاظت اور گندگی ڈالنی شروع کردی ہے، کافی زمین میں کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں اب اس صورت حال کے پیش نظر ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس قبرستان کے کچھ حصہ میں جہاں قبریں بالکل ناپید ہوچکی ہیں ایک دینی مدرسہ مکتب کی شکل میں قائم کردیں جس کی وہاں سخت ضرورت بھی ہے اور اس میں باقی قبرستان کی حفاظت بھی ہے لہٰذا آنجناب سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں کیا ایسے قبرستان میں مدرسہ بنا سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل قبرستان کی کچھ زمین مسجد کو بھی دیدی گئی ہے اب یہ چاہتے ہیں کہ اسی کے متصل ایک مدرسہ تعمیر کریں؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ قبرستان کے مشترک مالکان موجود ہیں، لہٰذا ان کی اجازت سے وہاں دینی مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

**وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر لم و يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا، أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذلك.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨، فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

# قبرستان کے اوپر مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک ذاتی قبرستان ہے ہم اس کے اوپر لینٹر ڈال کر قبرستان سے متصل مدرسہ کی درسگاہیں اس کے اوپر بنانا چاہتے ہیں کیا شرعاً ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: صورت مسئولہ میں قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر مدرسہ کی درسگاہیں بنانا جائز ہے بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی ہو چکی ہوں کہ میت کا بدن مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۷۳، ۱۰/۲۸۷، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۰۷، ۱۵/۳۵۱)

**وتقدم أنه إذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه.** (شامی، کتاب الصلاۃ، قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الآس علی القبور، کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، تبیین الحقائق ملتان ۱/۲۴٦، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، ھندیه زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید ۱/۲۲۸، الفقه علی مذاهب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۴)

# قبرستان میں پلر قائم کر کے مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان سرائے حسینی بیگم وقف ۵۲ ۷ مرادآباد صورت حال یہ ہے کہ قبرستان کی جانب شمال سرکاری سڑک اور نالہ سے متصل ایک لمبی سی آراضی (پٹی کی شکل میں) خالی ہے

جس میں پچاسوں سال سے کوئی قبر نہیں ہے اور نہ ہی قبر کے نشانات ہیں، مذکورہ آراضی پر قبر کھودنے والا جو کہ چوکیدار بھی تھا، کے مکانات بنے ہوئے تھے، جس کو کمیٹی وقف ۵۲۷ نے ساڑھے چھ لاکھ روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، نیز اسی مذکورہ آراضی کی ایک جانب لکڑی کی ٹال بھی تھی، جس کو کمیٹی نے چالیس ہزار روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، اس پر بھی کوئی قبر نہیں ہے، سرکاری نالہ اور سڑک سے متصل نگرنگم کی طرف سے ایک راستہ نمازیوں اور دفن میں آنے جانے والے حضرات کے لیے بنا ہوا ہے جس پر نگرنگم کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، راستہ اور سرکاری نالہ کے درمیان قبرستان کی دیوار کھڑی ہے جس میں وضوخانہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔

قبرستان وقف ۵۲۷ کی کمیٹی جو کہ مدرسہ کی بھی کمیٹی ہے اتفاق رائے سے تعلیمی ضرورت کی بناء پر راستہ و وضوخانہ کے اوپر دس فٹ اونچا پلر کھڑا کر کے درسگاہیں، طلباء کے لیے رہائشی کمرے تعمیر کرا رہی ہے جبکہ نیچے کا حصہ اپنی ہیئت پر باقی ہے۔

کیا قبرستان کی مذکورہ زمین پر درسگاہیں رہائشی کمرے تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں لکھی ہوئی صورت حال اور واقعہ کے مطابق موقوفہ قبرستان کے کنارے کے جس حصہ پر دفن کا سلسلہ پچاسوں سال سے بند ہے، اور وہ زمین ایسی ہی پڑی ہوئی ہے اس میں پلر قائم کر کے دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے اس لیے کہ دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ بھی وقف ہی میں شامل ہے اس لیے یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے واقف کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ جاری رہے گا، اس لیے کمرہ بنانے کا مذکورہ منصوبہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم**

**لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين .** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱)

**المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فاذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا و غير ذٰلک.** (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸، و مثله فى الهندية زكريا قديم ۲/ ۴۶۹، جديد ۲/ ۴۱۶، الفتاوىٰ الولوالجية ۳/ ۹۱، دار الإيمان سهارنپور)

**فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين .** (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۸)

## پرانا موقوفہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کے لیے اس پر دینی مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے، اس میں لوگوں کے قبضہ کرنے اور عمارت بنانے کا خطرہ ہے اس جگہ پر کمیٹی کا ارادہ ہے کہ دینی مدرسہ کا کمرہ بنادیا جائے تاکہ اس میں دینی تعلیم ہوسکے، اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی رہائش ہوسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ جو یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے اور اس میں لوگوں کے عمارت بنانے کا خطرہ بھی ہے تو ایسی زمین پر دینی مدرسہ کے

لیے کمرہ بنانا کہ دینی تعلیم ہو سکے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ رہائش اختیار کرسکیں درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤ رقم: ١١٤١١)

**والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا وغير ذلک.** (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٤٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨)

**ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبش واتخذ مسجدا.** (تاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، والولوالجية دار الايمان ٣/ ٩١، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٦٩، جديد ٢/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

## افتادہ قبرستان کو غلاظت پھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا

**سوال [۷۷۹۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک قبرستان افتادہ ہے عرصۂ دراز سے وہاں پر کوئی دفن نہیں ہوا ہے وہاں لوگوں نے غلاظت ڈالنی شروع کردی ہے، جس کی وجہ سے انتہائی گندگی رہتی ہے اور اس برادری کے افراد وہاں پر ایک دینی درسگاہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس جگہ مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الرحمٰن قاسمی، ٹھاکردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر قبرستان کسی قوم یا جماعت کا وقف کردہ ہے اور بعد میں واقفین کی غرض کے مطابق دفن نہیں ہورہا ہے، بلکہ دفن کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے، تو اس میں مدرسہ یا مسجد بنا کر واقفین کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے، بلکہ افضل ہے ایسی صورت حال میں مدرسہ یا مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف عمل نہیں ہوگا، بلکہ کارِ ثواب سے خالی رکھنا ہی غرض واقف کی مخالفت ہے کیونکہ جب قبرستان افتادہ ہو اور قبریں بوسیدہ ہو جائیں اور باقاعدہ دفن کا سلسلہ باقی نہ رہے ایسے قبرستان میں فقہاء ومحدثین نے تعمیر کو جائز ثابت فرمایا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۳، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹)

**إذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه.** (شامی، کتاب الصلاة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الآس علی القبور، کراچی ۲/ ۲۳۳، زکریا ۳/ ۱۵۵، ۳/ ۱۳۸، درمختار کراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱۴۵، تبیین الحقائق، ملتان ۱/ ۲۴۶، زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۹، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۱۶۷، جدید ۱/ ۲۲۸، الفقه علی مذاهب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/ ۵۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/ ۱۹۵، زکریا ۲/ ۳۴۱)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لایجوز تملکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸،

فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١)

نیز سوالنامہ کے مسئولہ قبرستان سے متعلق ۱۹رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ کو واقعہ کے خلاف سوال کی نوعیت بدل کر عدم جواز کا فتویٰ حاصل کیا گیا ہے۔

سوال میں لکھا گیا تھا کہ مذکورہ افتادہ قبرستان میں قبریں اتنی تعداد میں ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے بعد میں دوسری نوعیت کے سوال آنے پر احقر اور جامع الہدیٰ کے مفتی حضرت مفتی عبدالرؤف نے ازخود جاکر دیکھا تو اس میں کوئی قبر دیکھنے میں نہیں آئی صرف ایک پختہ پرانی قبر کے نشانات باقی ہیں اور کچھ نہیں، اس لیے ۱۹رشوال ۱۴۰۹ھ کو خلاف واقعہ سوال کے جواب میں جو فتویٰ شاہی کے دارالافتاء سے حاصل کیا گیا ہے وہ مذکورہ قبرستان کے حق میں قابل عمل نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۱/۲۵)

# قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا

**سوال** [۷۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی زمین ہے، جنوب اور دکھن کی طرف سڑک ہے دونوں جانب کچھ لوگوں نے قبضہ کرکے اپنے مکانات اور ایک لمبی چوڑی مارکیٹ دوکانوں کی بنادی ہے اور جنوب کی جگہ ہے جس کو بعض لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ رشوت لے کر وہ زمین دیدی جائے لیکن کچھ سمجھ دار لوگوں نے یہ سوچا ہے کہ اس زمین میں (یعنی قبرستان) کی زمین کے کچھ نیچے کے حصہ میں دوکانیں نکال دی جائیں اور اوپر کے حصے میں مدرسہ اسلامی لائبریری کھول دی جائے جو کرایہ پر دیدی جائے اور اگر اس جگہ کچھ نہیں بناتے ہیں تو غیر لوگ قبضہ کرلیتے ہیں پھر نہ مسلمانوں کے قبضے میں رہتی ہے بلکہ اس میں جھگڑا پیش آجاتا ہے، وہ ایک ایسی بستی ہے

کہ جہاں نہ مدرسہ ہے نہ دین کا کام ہوتا ہے لہٰذا کوئی درمیان راستہ نکلتا ہوتو واضح طور پر تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، جہاں مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا ہے اس جگہ قبریں نہیں بلکہ قبرستان کی زمین خالی ہے، اندر کے حصے میں قبریں ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ایسے قبرستان کی چہار دیواری کر کے حفاظت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، اس کو دفن ہی کے کام میں استعمال کرنا لازم ہے، لیکن اگر چہار دیواری کے باوجود حفاظت ممکن نہیں ہے تو مدرسہ قائم کر کے دینی تعلیم کے کام میں استعمال درست ہو سکتا ہے ورنہ غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اور جن لوگوں نے قبرستان کی زمین دبالی ہے وہ سب سخت گنہگار ہوں گے ان پر زمین واپس کرنا لازم ہے۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مرعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٥٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۹۵)

## ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا

**سوال [۷۷۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم برادران اپنے ذاتی قبرستان کو ۹/ فٹ اونچائی پر پاٹ کر اس پر تحفیظ القرآن و دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ اس ارادے سے قبرستان کو پاٹنا شرعاً جائز ہے، اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

**المستفتی:** اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر قبرستان خاندان والوں کی ذاتی ملکیت کا ہے تو خاندان کے سب لوگوں کے اتفاق اور رضا مندی سے اس قبرستان کے ۹/۸ رفٹ اونچائی پر لینٹر ڈال کر تحفیظ القرآن یا دینی تعلیم کے لیے مکتب یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے اس میں دو کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، نیچے تدفین کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اوپر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔(مستفاد: نظام الفتاویٰ ۴/ ۲۰۷، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۰)

**ومن بنی سقایة للمسلمین أو خانا یسکنه بنو السبیل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم یزل ملکه عن ذلک حتی یحکم به حاکم عند أبی حنیفة لأنه لم ینقطع عنه حق العبد.** (فتاویٰ تاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الثانی والعشرون فی الرباطات والمقابر، زکریا ۸/ ۱۸۵، رقم: ۱۱۵۸۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال المکرّم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۴)

# بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پرانی مسجد ہے، اس کے شمال میں قبرستان تھا جنوب میں بھی اور صدر دروازہ مشرق پر بھی تینوں طرف قبریں تھیں، قبرستان بستی میں آجانے کی وجہ سے تدفین بند ہوگئی تھی اس مسجد اور قبرستان کی دیکھ بھال ایک صاحب مسمی حکیم محمد اشرف صاحب مرحوم کرتے تھے، اور وہی متولی تصور کیے جاتے تھے، مسجد اور قبرستان نائیکان کہلاتا تھا، خدا جانے یہ مسجد اور قبرستان ان کی تولیت میں دادِ الٰہی تھا یا اور کسی استحقاق کی بنا پر، اس قبرستان کے جنوبی حصے پر لکڑی کی دوکان موصوف کیا کرتے تھے، جب نمازی تعداد میں بڑھ گئے اور دین کا شغف ہوا تو مسجد کے شمال کی جانب ایک حجرہ بنا دیا گیا اور مدرسہ قائم کیا گیا ۱۹۴۵ء میں ایک نمازی حاجی حمید اللہ کو دینی شغف

غالب ہوا اور وہ درس وتدریس میں لگ گئے، قدیم متولی نے ان کو انتظام مدرسہ اور مسجد بطور مہتمم سپرد کردیا، مدرسہ بنام تعلیم القرآن نائک رائے شیرکوٹ ۱۹۴۵ء سے چل رہا ہے، باہر کے طلبہ کا بھی بند و بست ہے، حجرہ مسجد کی توسیع میں آگیا، اور جانب شمال ایک عمارت پختہ برائے مدرسہ حاجی حمید اللہ کے اہتمام میں تعمیر ہوگئی، اور مدرسہ کی حد بندی کے لیے پیڑ جو قبرستان کے حدود میں کھڑے ہوئے تھے کاٹ کر ان کو فروخت کر کے حد بندی بھی کردی گئی، اب قدیم متولی کا انتقال ہوگیا، ان کی قبر بھی مسجد کے دروازہ کے باہر بنادی گئی اور ایک قبر ان کے خاندان کی جنوب مسجد بنادی گئی، جب مسجد کی توسیع ہوئی تو قدیم متولی کی قبر مسجد کے احاطہ میں آگئی اور دوسری قبر مسجد کے حدود سے باہر ہے، جانب جنوب جب توسیع کی ضرورت پیش آئی تو قدیم متولی کے وارثین حائل ہوئے اور بخوشی توسیع نہیں ہونے دی، جدید متولی اور نمازیوں نے توسیع کرلی، اور تنازعہ مقدمہ عدالت میں داخل ہوگیا، مقدمہ حاجی حمید اللہ جیت گئے، اس کے جانب مشرق اور جنوب متولی حمید اللہ اور مدار المہام ٹھیکیدار عنایت اللہ اور نائب مہتمم حال عبد الشکور نے دوکان تعمیر کرادیں، اور کچھ حصہ میں ملحقہ مسجد بجانب مغرب وجنوب مدرسہ یا اسکول کی عمارت تعمیر کرادی، اس میں رقم پرانے مدرسہ کی صرف ہوئی، اور دو کانوں کا کرایہ مسجد میں لگنے لگا، اور مدرسہ یا اسکول میں تعلیم ہونے لگی، اب کچھ اشخاص کو اعتراض ہے کہ مسجد کی جائیداد میں مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا، ناجائز ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟

جبکہ یہ قبرستان تھا اور اب بھی قبریں موجود ہیں، ایک مسجد کے صحن میں اور ایک مسجد کے باہر جنوب میں مسجد کی حد سے باہر ہے یہ جگہ بذریعہ عدالت حاصل ہوئی، کہ عطا کردہ نہ خرید شدہ ہے، جس طرح کرایہ دوکان مسجد میں لگ رہا ہے، مدرسہ یا اسکول بھی کرایہ دے تو یہ کیسا ہے؟ اور جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ کرایہ میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا مسجد کی سمجھی جائے گی؟ یا قابل واپسی ہے؟ یا یہ عمارت جو مدرسہ یا اسکول کے جنوب میں ہے اور پرانے مدرسہ کی رقم لگی ہے مہتمم صاحب کی نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عمارت مدرسہ کی شرعاً سمجھی جائے گی؟ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

**المستفتی:** منجانب کمیٹی انجمن تعلیم القرآن شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: سوالنامہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ پرانے قبرستان میں مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس کے بعد مسجد سے متصل زمین میں مدرسہ یا اسکول قائم کیا جارہا ہے، تو اس سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ قبرستان بوسیدہ ہونے کے بعد جب دفن کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو مسلمانوں کی رائے سے ایسے پرانے قبرستان میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرنا جائز ہے لیکن اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ زمین مسجد کی نہیں ہے، بلکہ قبرستان کی ہے اس لیے مسجد کی طرف سے مدرسہ پر اشکال نہیں ہونا چاہیے، ہاں البتہ اگر اسکول قائم کیا جارہا ہے تو اعتراض صحیح ہے اور سب پر ضروری ہے کہ اسکول کا سلسلہ وہاں سے منقطع کرادیں۔

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

## بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا

**سوال** [۷۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) منسلک فتویٰ الف ۵/۳۷۷۶ کی روشنی میں مذکورہ عمارت میں جوکہ قبرستان ملحقہ مسجد میں تعمیر ہوگئی ہےاور قدیمی مدرسہ تعلیم القرآن قائم کردہ ۱۹۴۵ء ملحقہ مسجد بجانب شمال اس کے تحت اگر دوسری جانب جنوب ایک مدرسہ جس میں دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم دونوں دی جائیں اور قانونی مجبوری بھی درپیش ہواور ملت کی تعلیمی مشکلات کا ازالہ بھی ہوایسی صورت میں مدرسہ یاادارہ قائم ہوسکتا ہے یانہیں؟

(۲) جبکہ مذکورہ عمارت تینوں متولیان کے ایماء ومنشاء سے برائے تعلیم تعمیر کی گئی ہےاور رقم قدیمی مدرسہ کی صرف ہوئی ،منسلکہ فتویٰ کی صورت میں یہ عمارت مسجد کی ہوجائے گی تواس صرف شدہ رقم کو مسجد مدرسہ کودے گی یانہیں؟

(۳) جبکہ قبرستان کی زمین میں دوکانیں تعمیر کر کےاس کا کرایہ مسجد کودیا جارہا ہےتو کیا اس عمارت کوبھی کرایہ پر دے کراس کی آمدنی سے صرف شدہ رقم مدرسہ والی مدرسہ کودی جائے گی یانہیں؟ یااگر مدرسہ یاادارہ کرایہ دار بن کراس عمارت کواستعمال کرےاور کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ کی رقم اگرواپس ہوئی ہےتواس میں محسوب ہوسکتی ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** آپ نے فتویٰ کے جواب کے بعد جودوبارہ سوالات کیے ہیں ان سوالات کو ہم نے جناب منشی عبدالرشید صاحب شیرکوٹی جنہوں نے موقع ومحل کواچھی طرح دیکھا ہےاور حالات سے بھی واقف ہیں سے پوری تفصیل معلوم کی اور معلومات کے بعد ہم کو جوصحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہی ہے کہ بوسیدہ قبرستان میں پہلے مسجد بنی ہےاس کے بعداس سے متصل خالص دینی مدرسہ بنا ہے پھراس مدرسہ کے پیسہ سے ایک دوسری جانب لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے اگراصل ماجرااور خلاصۂ واقعہ ایسا ہی ہےتو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ مذکورہ بوسیدہ قبرستان میں مسجد ومدرسہ بنانا شرعاً جائزاور درست ہے، مگر جولڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے وہ قطعاً جائزنہیں ہے، جب وہ عمارت مدرسہ کے پیسے سے بنائی گئی ہے تووہ عمارت مدرسہ کی ملکیت ہےاس میں خالص دینی تعلیم ہوسکتی ہے لہٰذا

اسکول والے وہ عمارت مدرسہ کو واپس کردیں، تاکہ اس میں قرآن کریم کی تعلیم ہو سکے، اور سائیڈ میں جو دوکانیں بنائی گئی ہیں اس کی آمدنی مسجد یا مدرسہ کو حاصل ہو جائے یہ درست ہے، لیکن وہاں دنیوی تعلیم کے لیے اسکول کا سلسلہ قطعاً مناسب نہیں ہے، اگر کرایہ دے کر بھی وہاں اسکول قائم کیا جاتا ہے تو بعد میں اس کا اثر اچھا نہیں رہتا، اسکول والے مدرسہ والوں پر غالب آجاتے ہیں اس لیے وہاں اسکول جاری نہ رکھا جائے، بلکہ صرف قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی وقف کی ایک قسم ہے۔

**هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیه ۲/۱۱۸، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۲۱ھ

# افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا

**سوال** [۷۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو سالوں سے ویران پڑا ہوا ہے تقریباً تیس چالیس سال سے اس میں میت کو دفنایا بھی نہیں جاتا ہے، قبر کے کوئی آثار بھی اس میں نہیں ہیں اب گاؤں والے

اس جگہ میں مکتب بنانا چاہتے ہیں اور اس میں عید کی نماز بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس جگہ پر اس طرح کا کوئی بھی کام جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پرانا اور ویران قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو کمیٹی اور ذمہ دار کے مشورہ سے اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست اور جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان از قبیل وقف ہوتا ہے اسی طرح مساجد ومدارس بھی از قبیل وقف ہوتے ہیں اور اگر قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد یا مدرسہ اس پر قائم کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۳۲)

**هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۷)

## پرانے قبرستان میں عیدگاہ بنانے کا حکم

**سوال** [۷۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، البتہ اس وقت کے عمر رسیدہ

حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی بھی دفن وقبر دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے البتہ سنی ہوئی بات یہ ہے کہ آباء واجداد اس زمین کو دفنانے اور قبر دینے میں استعمال کرتے تھے، اوران حضرات کا زمانہ بھی سو سال سے پہلے کا ہے، اسی وقت سے مذکورہ زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، فی الحال لوگ اس زمین میں بیت الخلاء کا کام لیتے ہیں، نیز سباطۂ قوم بھی بنی ہوئی ہے مزید دیگر طرح طرح کا کام اس سے لیا جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ زمین وقف کی بھی نہیں ہے اب ہم لوگ اس زمین میں عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا شرعاً عیدگاہ بنانا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: الہام منڈل مرشدآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ فرد واحد کی ملکیت ہے یا کسی قبیلہ اور خاندان کی ملکیت ہے تو اس فرد یا خاندان کے موجودہ لوگوں کی اجازت سے عیدگاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہوگا، نیز اس میں مدرسہ اور مسجد بنانا بھی جائز ہوگا۔

**جاز زرعه و البناء عليه إذا بلى و صار ترابا.** (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في دفن الميت كراچى ۲/ ۲۳۸، زكريا ۳/ ۱۴۵، شامى كراچى ۲/ ۲۳۳، ۲۴۵، زكريا ۳/ ۱۳۸، ۱۵۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، زكريا ۱/ ۵۸۹، هنديه زكريا قديم ۱/ ۱۶۷، جديد ۱/ ۲۲۸، الفقه على مذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ۱/ ۵۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/ ۱۹۵، زكريا ۲/ ۳۴۱)

**والمقبرة إذا عفت و درسرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذٰلك.** (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، تكمله فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۱۲ رصفر المظفر ۱۴۱۲ھ | احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۴) | ۱۲/ ۲/ ۱۴۱۲ھ |

# عیدگاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا

**سوال** [۷۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گودھنا کی عیدگاہ کی توسیع ہونا ضروری ہے، عیدگاہ کا کچھ حصہ جی ٹی روڈ میں شامل ہوگیا ہے اس لیے چھوٹی پڑجاتی ہے، عیدگاہ کے متصل قبرستان ہے جس میں نئی اور پرانی ہر طرح کی قبریں ہیں اور یہ قبرستان بھی بہت پرانا نہیں ہے، عیدگاہ بننے کے بعد ہی بنایا گیا تھا، جدھر توسیع ہونی ہے ادھر بھی نئی پرانی قبریں ہیں، اور توسیع ہونے کے بعد بھی جو جگہ بچے گی اس میں قبرستان رہے گا، تدفین کا عمل ہوتا رہے گا، گاؤں کے لیے ایک دوسرے قبرستان کا انتظام ہوگیا ہے، اکثر لوگوں کی تدفین وہیں ہونے لگی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان حالات میں جبکہ قبرستان کا دوسری جگہ بھی نظم ہوگیا ہے، تدفین میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، اس عیدگاہ کے قریب والے قبرستان میں توسیع عیدگاہ کا کام کرالیا جائے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسئولہ صورت میں چونکہ دفن کے لیے دوسرا قبرستان موجود ہے، جہاں تدفین کا عمل اس کے مقابلے میں زیادتی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور وہاں کے لوگ اس کو عیدگاہ میں شامل کرنے پر راضی ومتفق ہیں اور کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے، البتہ نئی قبروں کو اس وقت تک ہموار کرنے کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کے اندر کی میت کے مٹی ہوجانے کا ظن غالب نہ ہوجائے۔

**ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ و البناء علیہ.** (ھندیہ الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق زکریا ۱/۵۸۹، امدادیہ ملتان ۱/۲٤٦، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ٦۱۲)

**وأما المقبرۃ الداثرۃ إذا بنی فیھا مسجداً لیصلی فیہ فلم أر فیہ بأسا،**

**لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۴۳۵/۳ تحت رقم الحديث: ۴۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۳۲ھ

# قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عیدگاہ بنانا

**سوال** [۷۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں موضع اہرولی ضلع اعظم گڑھ میں ایک میرے خاندان کی مشترکہ زمین ہے جس کے کچھ حصے میں غیر معلوم زمانے سے کچھ لوگ مردوں کی تدفین کرتے تھے اور مابقیہ حصۂ زمین کو لوگ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرتے تھے، مگر چند سال قبل خاندان مذکورہ کے جملہ افراد نے باتفاق رائے مابقیہ حصۂ زمین کو جس میں تا حال کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان کو دیدیا، اور اس اضافہ حصے کے ساتھ پورے قبرستان کی گھیرابندی کرادی، اور اس وقت پوری زمین قبرستان کے احاطے میں ہے اور اس کیفیت پر چند سال گذر جانے کے بعد خاندان مذکورہ کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس اضافی حصہ میں کوئی قبر نہیں ہے لہٰذا اس اضافی حصے میں عیدگاہ کی تعمیر کردی جائے اور خاندان مذکورہ ہی کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے اس کو ایک بار قبرستان کے نام وقف کردیا تو وہاں عیدگاہ کی تعمیر کیونکر درست ہوسکتی ہے؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مابقیہ حصۂ زمین کو قبرستان کے لیے وقف کردینے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے اس میں عیدگاہ کی تعمیر ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد القاسمی اہرولی اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو جگہ قبرستان کے لیے وقف کردی گئی ہے وہ

جگہ مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور وہ زمین قبرستان کی ہوگئی ہے اس جگہ کو عیدگاہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ جب تک اس جگہ پر تدفین کا سلسلہ شروع نہ ہو اس وقت تک کے لیے عارضی طور پر وہاں پر عید کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس لیے کہ عید کی نماز سال بھر میں صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور یہ نماز قبرستان کی زمین پر کنارے کھلی فضا پر کھیتی کی زمین پر کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر عیدگاہ کے نام پر وقف کو منتقل کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۳)

**إن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلايجوز استعماله في غيره.** (عالمگیری مع حاشیه قدیم ۲/ ۴۷۱، جدید زکریا ۲/ ۴۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۶ھ

# پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا

**سوال** [۷۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں چک بندی کے زمانے سے قبل ایک قبرستان ہے، لیکن اب اس قبرستان میں تقریباً تین سال سے گاؤں کی کوئی میت دفن نہیں ہوتی ہے، اب وہاں پر کسی قبر کا نشان بھی باقی نہیں ہے، کیونکہ میتوں کی تدفین کا سلسلہ جدید قبرستان میں ہو رہا ہے، پرانے قبرستان پر لوگ غاصبانہ قبضہ کر رہے ہیں، پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے قبرستان میں نماز جنازہ ہو جایا کرے کیونکہ میت کی نماز جنازہ کے لیے گاؤں میں کوئی جگہ نہیں ہے، تو کیا پرانے قبرستان میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ ایسا جواب دیں جو مدلل اور با حوالہ ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلی جائے یا کوئی قبروں سے خالی جگہ ہو اور نماز پڑھتے وقت قبر سامنے نہ آتی ہو تو قبرستان

میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، لہٰذا پرانا بوسیدہ قبرستان کہ جس میں قبروں کے نشان تک نہیں رہے، اس میں نماز جنازہ بلا تردد درست ہے۔

**ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة ...... وأنها لا تكره في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة و مصلى عيد.** (طحطاوی علی المراقی، قدیم ص: ۳۲۶، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۵۹۵، الدر مع الرد کراچی ۱/ ۳۸۰، زکریا ۲/ ۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲/۶۹)

# ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا

**سوال** [۷۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرانا قبرستان موجود ہے چک بندی کے اندر کچھ زمین قبرستان کے لیے ملی جو کہ پرانے قبرستان سے بالکل ملی ہوئی ہے اس لیے قبرستان کے اندر بھی کچھ قبر دیدی گئی ہے جبکہ زیادہ حصہ ابھی خالی ہے، اور قبرستان کی کچھ زمین بغل کے کھیت والے قبضہ کیے ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس گاؤں میں پہلے سے قربانی ہوتی ہے لیکن اس کے لیے کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، بلکہ جہاں چاہا کرلیا لیکن اب حکومت اس کے لیے زمین مانگ رہی ہے کہ زمین دکھایئے کہ قربانی کہاں کریں گے، تو گاؤں والوں کے سامنے چند باتیں ہیں:

(۱) اتنی مالی حالت مضبوط نہیں ہے کہ مستقل کہیں زمین بڑے جانوروں کی قربانی کیلئے خرید لیں۔

(۲) اگر قربانی نہیں کرتے ہیں تو پھر حکومت بعد میں قربانی نہیں کرنے دے گی۔

لہٰذا گاؤں والے یہ سوچ رہے ہیں کہ جو زمین قبرستان کی خالی ہے اس میں یا پھر جو

لوگ قبضہ کیے ہوئے ہیں وہ زمین قبرستان کی کسی طرح ان لوگوں سے خالی کراکے اور اس زمین کی چوہدی کراکے باؤنڈری بنا کر کے اس میں قربانی کریں تو کیا اس زمین میں قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور قربانی کی کھال کی قیمت سے قربانی کی جگہ یا قربانی کی چوحدی کے لیے اینٹ وغیرہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: برکت اللہ دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** لوگوں کے قبضہ کیے ہوئے حصہ کو ان سے چھڑوا کر اس میں قربان گاہ وقتی طور پر بنانے کی گنجائش ہے اور جب قبرستان کو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس کو خالی کر کے قبرستان کو واپس کرنا ہوگا۔

**أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذٰلک قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلک المكان فلابأس به و بعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذٰلک المكان رفع البناء حتى يقبر فيه.** (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، زكريا قديم ٢/٤٦٧، جديد ٢/٤١٦)

(۲) قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کی چوحدی وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس پیسہ کو فقیر غریب کو صدقہ کر دینا لازم ہے۔

**فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه.** (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

# قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا

**سوال** [۷۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ قائم کی بیر مچھلی بازار میں ایک مکان ہے جس کے شمال میں قبرستان ہے اور کاغذات میں بھی قبرستان ہی درج ہے، اب مالک مکان اس قبرستان میں لیٹرین کا گٹر بنانا چاہتے ہیں جبکہ گٹر کے لیے گڑھا کھودا گیا ہے، تو وہاں پرانی قبریں نکلی ہیں اور ہڈیاں بھی اس کے باوجود گٹر بنانا چاہتے ہیں تو یہ گٹر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مالک مکان کے لیے اپنے لیٹرین کا گٹر قبرستان میں بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، نیز گٹر کی کھدائی میں میت کی ہڈیاں نکلنے کا بھی ذکر ہے، یہ میت اور اہل قبر کے ساتھ سخت بے حرمتی ہے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے۔

**فعلیٰ هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من إن وطء القبور حرام و كذا النوم عليها ليس كما ينبغي فإن الطحطاوي هو أعلم الناس بمذاهب العلماء و لاسيما بمذهب أبي حنيفة ...... قلت لكن قد علمت أن الواقع في كلامهم التعبير بالكراهة لابلفظ الحرمة و حينئذ فقد يوفق بأن ما عزاه الإمام الطحاوي إلى أئمتنا الثلاثة من حمل النهي على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهي التحريم.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب: في وضع الجريد و نحو الأس على القبور، زكريا ديوبند ۳/۱۵۵، كراچی ۲/۲٤٥، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديو بند ص: ٦٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۲ھ

## بوسیدہ قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟

**سوال** [۷۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز بنا ہوا تھا، گندا پانی اس میں جمع ہو جاتا تھا، کئی بار اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا مگر کچھ دن محفوظ رہا پھر وہی حالت شروع ہو گئی، اس کی حفاظت کسی طرح ممکن نہیں تھی، پھر محلّہ کے کچھ لوگوں نے اس کو بیچنے کا اعلان کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئے، پھر محلّہ کے دوسرے لوگوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک چھوٹا مکتب بنا دیا جائے تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے تعلیم حاصل کرتے رہیں، پھر سب کے مشورہ سے مدرسہ قائم کر دیا گیا، بنیادیں بھر کر ایک میٹر بھراؤ ڈلوا کر دیواریں کھڑی کر کے چھت ڈالدی گئی، اب اس میں ۲۵۰ رطلبہ تعلیم پاتے ہیں اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں اس جگہ مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو اسی طرح گندگی ڈالنے کے لیے چھوڑ دیں جبکہ حفاظت اس کے علاوہ ممکن نہیں اور قریب ہے کہ لوگ اس میں گھر بنا لیں، اور جو لوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں یا وہاں کوئی کام کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: نذیر احمد ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) جب قبرستان بالکل پرانا اور بوسیدہ ہو جائے اور اس میں دفن کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پورے قبرستان میں یا اس کے بعض حصہ میں لوگوں کے ناجائز قبضہ کا سلسلہ شروع ہو جائے اور ایسے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنا لینا چاہیے، تاکہ وقف کا قبرستان وقف ہی کے مصرف میں استعمال ہوتا رہے اور مسجد و مدرسہ بھی وقف ہی ہے اس لیے وہاں پر مسجد بنانا بھی جائز ہے اور مدرسہ بنانا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۳، محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

**هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم:**

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

(۲) جولوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں اوراس میں دیگر غلط کام کرتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا ان کو اس سے باز آنا چاہیے۔

**ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الداثرة فلو كان فيها حشيش يحش و يرسل إلى الدواب ولاترسل الدواب فيها.** (البحر الرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ۵/ ۲۵۴، زكريا ۵/ ۴۲۶، هنديه زكرياقديم ۲/ ۴۷۱، جديد ۲/ ۴۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم**

| | |
|---|---|
| کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح |
| ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ | احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ |
| (الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۶۷۳۰) | ۱۴۲۱/۵/۲۹ھ |

# قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا

**سوال** [۷۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے بغل میں کوئی قبر یا قبرستان ہے اس کے اوپر مسجد کے ذمہ دار حضرات نے ایک کمرہ بنایا ہے اوراس کمرہ میں بال وبچے کے ساتھ رہنا سہنا جبکہ قبر نیچے ہے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر موقوفہ قبرستان میں ایسا ہورہا ہے، تو ناجائز

اور مکروہ تحریمی ہے۔

**عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه.** (صحيح، مسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

**ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام أو يؤطا عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز زكريا ۱/ ۵۸۷، امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، هنديه زكريا قديم ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

## صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا

**سوال** [۷۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی خریدی اس آراضی میں ایک کافی زمانہ پرانی صدیوں عرصہ کی ایک قبر یعنی ہدیرہ ہے زید اس آراضی میں مکان بنانا چاہتا ہے اور وہ قبر (ہدیرہ) اندر آرہی ہے، تو زید اس قبر یعنی ہدیرہ کو مسمار کر کے اور اس کو ہموار کر کے بالکل نام ونشان مٹا کر اس پر اپنا مکان بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور زمین کا بیع نامہ داخل خارج نقشہ وغیرہ پاس اور منظور کرایا گیا ہے نگر پالیکا سے اور یہ قبر (ہدیرہ) بھی خرید شدہ آراضی میں موجود ہے جو کہ زید کی ملکیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب وہ قبر پرانی ہے اور صاحب قبر کے اجزاء کا مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے تو مالک زمین کو پختہ قبر کو ختم کر کے زمین کو ہموار کر کے اس پر تعمیر کرنا جائز اور درست ہے۔

**وإذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه.** (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور، زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۳۴۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۴ھ

# مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا

**سوال** [۷۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رہائشی مکان میں ۱۹۵۰ء میں مکان مالک کے انتقال ہونے پر ان کی تدفین اسی مکان میں اس وجہ سے کردی گئی کہ اس وقت شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا ان کے وارثین سے وہ مکان تقریباً ۱۹۶۰ء میں میرے والد سخاوت اللہ مرحوم نے خرید لیا تھا، وہ قبر آج بھی کچی حالت میں موجود ہے، میں اپنے مکان کی تعمیر نو کرانے جارہا ہوں، کیا میں اس قبر پر کمرہ وغیرہ بنا سکتا ہوں استعمال کرسکتا ہوں، اس کی کیا صورت ہوگی، اب تقریباً ساٹھ سال پرانی قبر ہوچکی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اپنی مملوکہ زمین میں جو پچاس ساٹھ سالہ قبر ہے اس قبر کو برابر کر کے رہائشی کمرہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے۔

**وإذا بلی المیت وصار تراباً یجوز زرعه والبناء علیه.** (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲)

**ولو بلی المیت و صار ترابا جاز ...... والبناء علیه.** (هندیه، الباب

الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲٤٦، زکریا ۱/۵۸۹، البنایة اشرفیه دیوبند ۳/۲۵۳)

**کل یتصرف فی ملکه ما شاء.** (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۴ھ

# زیرِ ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا

**سوال** [۷۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے اپنے دادا کو اپنی زمین میں دفن کیا تھا، جس کو کافی عرصہ ہوگیا اب ہم اس زمین کو تقسیم کررہے ہیں اور دادا کی قبر راستہ اور کچھ بنیاد کے نیچے آرہی ہے، اس طویل عرصہ میں قبر کافی خستہ اور بوسیدہ ہوچلی ہے، کیا ایسی صورت میں اس قبر کو راستہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب زمین آپ کی ملکیت ہے اور قبر اتنی پرانی اور بوسیدہ ہوچکی ہے کہ جس سے میت کے مٹی ہوجانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مالکان زمین اس کو برابر کرکے اپنی ہر ضرورت (راستہ، تعمیر، کھیتی وغیرہ) میں استعمال کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۲۱، ۱۰/۳۰۳، ۷/ ۲۳۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۱، ۴۷۴، ۲۸۰)

**جاز زرعه و البناء علیه إذا بلی المیت و صار ترابا.** (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زکریا ۳/۱٤٥، کراچی ۲/۲۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹٥، زکریا ۲/۳٤۲، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲٤٦، زکریا ۱/۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۳)

# قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا

**سوال** [۷۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی قبرستان کی ہے وہاں موجودہ قبریں ہیں زید نے قبرستان کے اندر کئی تنور کھدوائی اور آگ جلا کر دیگیں بھی پکائی گئیں، تنور کھودتے وقت ہڈیاں وغیرہ بھی نکل آئیں ان کو دفن کر دیا گیا۔

(۲) زید نے وہاں شامیانے کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم بھی کیا خوب چلت پھرت بھی ہوئی کیا قبرستان کے اندر اس طرح کے پروگرام کرنے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، لہٰذا وہاں تنور کھدوا کر دیگیں پکانا شامیانے اور کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم کرنا اور چلنا پھرنا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے ایسے کام نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۷۶، ۲/ ۴۲۱، ۷/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۵، ۳۹۳، ۳۹۴، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۳)

**عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه.** (صحيح مسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار، رقم: ۹۷۰)

**وعن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ أنه يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذٰلک لما مر من الحديث آنفا، و كذا يكره و طئه والجلوس عليه كذٰلک.** (كبيري قديم، فصل في الجنائز ص: ۵۵۵ لاهور ص: ۵۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

# قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا

**سوال** [۷۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی حدود میں پانچ قبریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص نے ان قبروں کو ہموار کرکے عین اسی جگہ پر اپنا ذاتی کارخانہ تعمیر کرلیا اور اس کی آمدنی اپنے ہی مصارف میں استعمال کرتا ہے اس شخص کا یہ عمل شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

**المستفتی:** وصی الدین میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جو شخص خود قبرستان کا مالک نہیں ہے اس کا قبرستان کے کسی بھی حصہ کو ذاتی استعمال میں لگانا جائز نہیں ہے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہاں سے کارخانہ ہٹا کر اس جگہ کو قبرستان میں شامل کریں اور اگر دفن کا سلسلہ وہاں ختم ہو چکا ہے، تو اس جگہ کو مسجد یا دینی مدرسہ کے کام میں لگالیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۲)

**عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه أن رسول اللّٰہ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه.** (شعب الإیمان للبیهقی، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

**لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی الخ.** (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

# قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم

**سوال** [۷۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا اور قبروں پر لکڑیاں ڈالنا اور مکان بنانا اور مویشی باندھنا اور قضاء حاجت کرنا اور قبروں پر قوالیاں کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: مسعود احمد خاں کاش گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا قبروں پر لکڑیاں ڈالنا، مکان بنانا، مویشی باندھنا، اور قضاء حاجت کرنا نیز قبروں پر قوالیاں کرانا یہ سب اعمال ناجائز ہیں، اہل محلّہ پر لازم ہے کہ قبرستان کو ایسے لوگوں سے پاک کریں اور اگر گنجائش ہو تو سب مل کر قبرستان کی چہار دیواری کردیں تاکہ قبرستان دوسروں کے ناجائز قبضہ سے محفوظ ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/۳۸۳)

**عن جابر قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها، و أن يبنى عليها، و أن توطأ.** (سنن الترمذی، الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

**عن ابن مسعود يقول: لأن أطأ على جمرة أحب إلى من أن أطأ على قبر رجل مسلم.** (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/ ۳۲۱ رقم: ۹۶۰۵)

**وكره وطؤها بالأقدام.** (حاشية الطحطاوي عن مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۶۲۳)

**ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضى عليه حاجته.** (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الثاني الثلاثون، الجنائز، القبر و الدفن، زكريا ۳/ ۷۳، رقم: ۳۷۴۰، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۳/ ۹۴، رقم: ۲۴۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

## قدیم قبرستان کو طعام گاہ بنانا

**سوال** [۷۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قبرستان میں تقریباً پچاس سال سے کوئی میت دفن نہیں ہوئی وہاں میز، کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا صحیح ہے یا غلط؟ جس پر لوگ کرکٹ وغیرہ بھی کھیلتے ہیں اور جہاں پر لوگ مٹی اور روڑہ ڈالتے ہیں لیکن اس جگہ کو لوگ کھانا کھلانے میں استعمال کو غلط قرار دیتے ہیں، اور نقطہ چینی کرتے ہیں جبکہ محلّہ میں کوئی بھی اتنی بڑی جگہ نہیں ہے جسے کھانا کھلانے کے لیے استعمال کیا جاسکے، وہاں کھانا پکوانا نہیں ہے، صرف کھانے کے استعمال میں لانا ہے، لہٰذا مجبوری کے تحت اس جگہ کو استعمال کرنے کا خیال کیا گیا ہے تو اس جگہ کو استعمال کرنا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: محمد طاہر سیفی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قبرستان کو کھانا کھلانے وغیرہ کے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ قبرستان قدیم کیوں نہ ہو، اگر اس میں دفن کا سلسلہ بند ہوگیا ہے تو وہاں پر مسجد یا مدرسہ بنا کر دینی کام کا سلسلہ جاری کردینا چاہیے۔

**إن مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین، واجبۃ زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۵)

## پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا

**سوال** [۷۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کے پاس میں ایک جگہ پڑی ہوئی ہے اور ایک کونے میں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے لوگ اس کو حظیرہ سمجھ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان ہے، لیکن تقریباً سو سال سے وہاں کوئی دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جس میں کچھ زمین پڑوسی کسانوں نے جوت لی ہے، اور باقی پر بھی قبضہ کرنے کا اردہ ہے اور وہاں پر کچھ لوگ کوڑا گوبر وغیرہ بھی

ڈالتے ہیں، اور وہاں پرنالی کا گندہ پانی بھی جارہا ہے، اب سارے اہل محلّہ کا مشورہ یہ ہے کہ اپنے روپئے سے اس جگہ کو ۵؍فٹ بھراؤ ڈال کر ہال بنادیا جائے جس کی آمدنی مدرسہ کو دی جائے گی، اور مدرسہ میں بیرونی طلبہ کے لیے کھانے کا بھی انتظام ہے، آیا اہل محلّہ ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس جگہ کا ذکر سوالنامہ میں ہے، وہ پرانے زمانے کا قبرستان ہے، اب اگر محلّہ کے لوگ متفق ہوجاتے ہیں اور وہاں دفن کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے تو اس زمین پر شادی ہال بنانا تو جائز نہ ہوگا البتہ مسجد یا مدرسہ کی عمارت بنانا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کا ہوتا ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کا ہوتا ہے۔

**هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

# بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا

**سوال** [۷۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں ایک پرانا قبرستان ہے جو پچھلے کئی سالوں تقریباً ۵۶/سال سے بند ہے، جہاں اب تدفین نہیں ہوتی ہے، اکثر قبریں منہدم بھی ہوگئی ہیں جن کے نشانات باقی نہیں رہے ساتھ ہی کچھ قبریں پکی بھی ہیں جو باقی ہیں، مقامی لوگوں کے قول کے مطابق یہاں کچھ بزرگوں کے مزارات موجود ہیں، یہ وقف کی جائیداد ہے اس قبرستان کی زمین پر نگراں کمیٹی ہے جس نے ایک حصہ پر شادی ہال (میرج گارڈن) بنایا ہے اور اس شادی ہال کو ایک غیر مسلم کو ٹھیکے پر دے دیا ہے جس پر غیر مسلم شادی و دیگر پروگراموں میں ناچ گانے باجے ڈھول بجاتے ہیں جبکہ وہاں مسلمانوں کی قبریں ہیں، اسی نگراں کمیٹی نے دوسرے حصہ پر ایک ہسپتال بنایا، جس میں مسلم غیر مسلم کا علاج ہوتا ہے، اسی قبرستان کے زمین کے کونے میں پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں ساتھ ہی شراب خوری بھی ہوتی ہے اس زمین کے نیچے حصہ پر ۲۶/دوکانیں بنا کر مسلم غیر مسلم کو اجرت پر دی ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) کیا قبرستان کی زمین پر شادی ہال (میرج ہال) بنانا اور غیر مسلم کو کرایہ پر دینا اس پر ناچ گانے باجے، ڈھول تاشہ بجانا، ہون کونڈ پوجا پاٹ وشراب خوری کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اس زمین پر بنے شادی ہال کا بنانا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) قبرستان کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے یا اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

(۳) قبرستان کی زمین پر بنی دوکانوں کا مسلم اور غیر مسلم کو اجرت پر دینا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مذکورہ میرج ہال کو مندرجہ بالا لہولعب اور تمام حرام خرافات کے ساتھ باقی رکھا جائے گا یا منہدم کیا جائے گا، شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی کڑھاؤ گھاٹ اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر وقف کا قبرستان ہے اور قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہے تو اس میں نہ شادی ہال بنانا جائز ہے اور نہ ہی ہسپتال بنانا، ہاں البتہ اس میں مسجد بنانا یا قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز ہے، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ بھی از قبیل اوقاف ہیں جو واقف کی غرض کے مطابق ہے، اور مسجد اور مدرسہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا اور شادی ہال اور ہسپتال از قبیل اوقاف نہیں ہوتے ہیں نیز شادی ہال میں طرح طرح کی خرافات بھی ہوتی ہیں، اس لیے جائز نہیں ہے لہٰذا شادی ہال یا ہسپتال کے نام سے جو عمارت بنائی گئی ہے اسے مسجد یا دینی مدرسہ میں تبدیل کردینا چاہیے، اور جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں ان دوکانوں کو مسجد یا مدرسہ کی آمدنی کے لیے متعین کردینا چاہیے۔

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

# قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا

**سوال** [۸۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی لکھنؤ روڈ کی توسیع ہورہی ہے جس میں فورلائن کی سڑک بن رہی ہے اس میں مسلمانوں کے قبرستان کا کچھ حصہ آرہا ہے، حکومت چاہتی ہے کہ قبروں کے اوپر کچھ اونچائی سے سڑک بن جائے اور قبریں جوں کی توں محفوظ رہیں کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جو قبرستان روڈ کی توسیع کی وجہ سے روڈ کے درمیان آ گیا ہے اس قبرستان کو اس کی حالت پر باقی رکھ کر اوپر سے لینٹر ڈال کر روڈ بنایا جائے اور مسلمانوں کو اس کے بدلے دوسرا قبرستان دیدیا جائے تو شرعاً مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔

**أرض الوقف إذا غصبها غاصب و أجری علیها الماء حتی صارت بحرا لا تصلح للزراعة یضمن قیمتها، و یشتری بها أرضا أخریٰ فتکون وقفا مکانها، و کذا أرض الواقف إذا قل نزلها بحیث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ویکون صلاح الأرض فی الاستبدال بأرض أخریٰ، و إن کان لا کذٰلک، بل اتفق أنه أمکن أن یوخذ بثمن الوقف ماهو خیر منه مع کونه منتفعا به** . (اعلاء السنن، کتاب الوقف باب یجوز وقف العقار والدور …… کوئٹہ ۱۳/ ۱۶۱، دار الکتب العلمیة لبنان ۱۳/ ۱۸۷،۱۸۸ تحت رقم الحدیث ۴۵۲۸، الولوالجیة دار الایمان ۳/ ۹۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/ ۱۹۵)

**قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القیم یجد بثمنها أرضا أخریٰ هو أنفع للفقراء وأکثر ریعا کان له أن یبیع هذه الأرض و یشتری بثمنها أرضا أخریٰ جوز رحمه الله استبدال الأرض بالأرض.** (قاضیخان، الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجدا …… زکریا جدید ۳/ ۲۱۰، قدیم ۳/ ۳۰۰، بزازیه زکریا جدید ۳/ ۱۳۴، و علی هامش الهندیة ۶/ ۲۵۴، المحیط البرهانی المجلس العلمی ۹/ ۲۵ رقم:

۱۱۰۱۹، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۶۳/۸ رقم: ۱۱۲۱۵، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۵۷۶/۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹۷/۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۲/۴۰)

## قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا

**سوال** [۷۸۱۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں پر پختہ راستہ بنا کر ان کا نشان مٹایا جائے اور اس راستہ پر مستقل طور پر چلا جائے تو یہ عمل شرعاً کس حد تک جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی قبروں کے نشانات مٹا کر اس پر پختہ راستہ بنانا اور مستقل گذرگاہ بنالینا ناجائز ہے، ایسا کرنے والے سب گنہگار رہوں گے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس حرکت سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۰/۷، ۱۳۴/۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۸، ۵۲۰)

**عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، و أن يكتب عليها وأن يبنى عليها و أن تؤطأ.** (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

**ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام عليه أو يوطأ عليه.** (هنديه، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس، زكريا جديد ۲۲۷/۱، قديم ۱۶۶/۱، تبيين الحقائق امداديه ملتان زكريا ۵۸۷/۱، امداديه ملتان ۲۴۶/۱)

**فعلى هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من وطء القبور حرام.** (شامي، قبيل مطلب: في وضع الجريد ونحو الأس على القبور، كوئٹه ۶۶۷/۱، كراچی ۲۴۵/۲،

زکریا ۳/ ۱۵۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۶۲۳)

**ویکره القعود علی القبر، ولو وجد طریقا فی المقبرة وهو یظن أنه طریق أحدثوا لایمشی فی ذٰلک.** (قاضیخان زکریا جدید ۱/ ۱۲۲، و علی هامش الهندیة ۱/ ۱۹۵)

**یکره المشی فی طریق ظن أنه محدث حتی إذا لم یصل إلی قبره إلا بوطء قبر ترکه.** (الدر مع الرد کراچی ۲/ ۲۴۵، زکریا ۳/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۴ ۷)

## پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟

**سوال** [۷۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی جگہ قبرستان ہے، پختہ راستے توڑنے پر قبر کا نشان یا گڑھا یا تختے وغیرہ پائے جائیں تو اس جگہ قبر بنائی جائے یا راستہ پختہ بنا دیا جائے، شرع کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اس جگہ اگر گزرگاہ وغیرہ بن جانے کا خطرہ ہو تو قبر کا نشان بنا دینا بہتر ہے۔

**عن جابر قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن تجصص القبور، و أن یکتب علیها وأن یبنی علیها و أن تؤطأ.** (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲)

**کره وطؤها بالأقدام لما فیه من عدم الاحترام.** (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح قدیم ۱/ ۳۴۲، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۶۲۳، شامی زکریا ۳/ ۱۵۵، کراچی ۲/ ۲۴۵) **فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۴ ۷)

# قبرستان عامہ کی چہار دیواری توڑ کر لب سڑک دوکان بنانا

**سوال** [۷۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر روڑ کی آبادی کے اعتبار سے ایک بڑی جگہ ہے، مسلمان اچھی تعداد میں آباد ہیں، اس شہر میں صرف ایک قبرستان ہے، شہر کے پورے مردے اس میں دفن ہوتے ہیں، اس کی جانب جنوب ایک پختہ ڈامر کی سڑک ہے اور قبرستان کی یہ جانب اپنی حد سڑک سے چند فٹ کے فاصلہ پر دیوار سے جو کہ قد آدم ہے محفوظ ہے، اور یہ دیوار کچھ دن پہلے منتظمین نے عام مسلمانوں کے تعاون سے تعمیر کی تھی، اور قبرستان کے اس حصہ سے متعلق نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی دیوار سے محفوظ ہونے کی بنا پر حکومت یا اغیار کے قبضہ کا بظاہر کوئی خوف ہے اور اکثر قبرستان وعیدگاہ وغیرہ ہندوستان میں چہار دیواری سے محفوظ ہیں اور صاف سی بات ہے کہ قبرستان کو کسی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہوا کرتی، اگر چہ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس قبرستان کو آم کے درختوں کے پھلوں سے بھی آمدنی ہوتی ہے اور اگر نہ بھی ہو تو ان کو عمومی چندہ سے بہت آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے جس کی مثالیں یہاں پر موجود ہیں، ان حالات میں جنوب کی جانب لب سڑک قبرستان کی دیوار کو توڑ کر اس دیوار سے اندر کی جانب جس میں پرانی قبریں بھی ہیں اگر بالفرض محال نہیں ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ قبرستان کے اس حصہ میں آئندہ قبریں بنائی جاسکتی ہیں، منتظمین قبرستان اس جگہ پر تقریباً تیس دوکانوں کا منصوبہ بنا کر تعمیر شروع کریں تا کہ ان کے کرایہ سے آمدنی حاصل ہو سکے، بقول منتظمین قبرستان کے فنڈ میں پیسہ بھی نہیں ہے، یہ تعمیر قرض لے کر یا پیشگی کرایہ حاصل کر کے پوری کی جائے گی جس سے بلا وجہ قبرستان پر قرض کا بار بھی ہو جائے گا، جبکہ قبرستان کا شرعی مقصد اور منشاء ومصرف مردوں کا دفن کرنا ہے نہ کہ مارکیٹ بنانا۔

لہٰذا شریعت کی روشنی میں بتلایا جائے کہ منتظمین کا ان دوکانوں کی تعمیر کا منصوبہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ علماء سے معلومات کرنے کے بعد اس تعمیر میں رکاوٹ کر رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر نا جائز ہے تو ایسی تعمیر کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ بنیاد وغیرہ کی کھدائی پر مردوں کی ہڈیاں وغیرہ بھی نکلی ہیں جس

سے مردوں کی بے حرمتی معلوم ہوتی ہے، ان دوکانوں سے ہونے والی آمدنی کو کیا کسی دوسرے وقف یعنی مدرسہ، مسجد، مسافرخانہ، پرخرچ کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قبرستان موقوفہ برائے دفن میں غرض واقف کے خلاف دوکانیں تعمیر کرنا ناجائز ہے، قبروں کی ضرورت کے لیے دوکانوں کو توڑ کر اس پر شرعاً قبریں بنائی جا سکتی ہیں، جو لوگ علماء سے معلومات کر کے رکاوٹ ڈال رہے ہیں وہ حق پر ہیں، تعمیر کرنے والے ناحق، ناجائز کام کر رہے ہیں، نیز جو انتظامیہ غرض واقف اور حکم شرع کے خلاف کرے اس کو معزول کر کے دوسری انتظامیہ قائم کرنا لازم ہے، اس کی آمدنی مسجد، مدرسہ، مسافرخانہ پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۸۷)

**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كوئٹه ۳/٤٦٤، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥)

**أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها (إلى قوله) وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه.** (فتاویٰ قاضيخان، الوقف، فصل في المقابر والرباطات، زكريا جديد ۳/۲۱۹، وعلى هامش الهندية ۳/۳۱۳، هنديه زكريا قديم ۲/٤٦۷، جديد ۲/٤١٦)

**وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لا تثبت.**

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۱۹۸)

**ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز.**

(الدر مع الرد، مطلب: شروط المتولي كوئٹه ۳/٤۲۱، كراچی ٤/۳۸۰، زكريا ٦/٥۷۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

# ۶ باب المساجد

## مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی کی حد

**سوال** [۸۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اللہ کیلئے مسجد بنائی جاتی ہے، مسجد کا محافظ کون ہے مسلمان؟

(۲) مسجد میں پاخانہ، پیشاب گھر کیوں ہے، کسی مسجد میں پاخانہ پیشاب گھر اوپر اور کسی مسجد میں نیچے ہے؟

المستفتی: ریاض الدین شیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) مسجد اللہ کا گھر ہے اس کا حقیقی محافظ بھی وہی ہے۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ۱۸]﴾

لیکن مسجد کی حفاظت جبھی ہوسکتی ہے جب اس میں پانچوں وقت نماز پڑھی جائے اور اس کو آباد رکھا جائے۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ. [التوبه: ۱۸]﴾

مسجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، وہی محافظت کرتے ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) مسجد شرعی وہ ہے جو جماعت خانہ کے حدود میں ہے جہاں تک صفیں بچھائی جاتی ہیں یا صفوں کے نشان بنائے جاتے ہیں یا مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے جہاں تک حدود مسجد میں داخل کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس حدود کے اندر وضوخانہ، پیشاب خانہ، بیت الخلاء وغیرہ کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے اور اس حدود سے باہر وضوخانہ غسل خانہ، پیشاب گھر،

بیت الخلاء، امام ومؤذن کے کمرے وغیرہ کوئی بھی چیز بنانا جائز ہے، نیچے کی منزل میں بھی جائز ہے اوپر کی منزل میں بھی جائز ہے، لیکن آپ کا سوال واضح نہیں ہے کہ بیت الخلاء، پیشاب گھر کس حصہ میں بنانے کے متعلق سوال ہے اگر شرعی مسجد کے حدود سے باہر ہے تو جائز ہے، آپ کا شبہ کرنا درست نہیں ہے۔

**وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أى المسجد جاز.** (در مختار، الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٣٥٧/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٠٢/٣٧، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٤/٢، قديم ٧٤٧/١)

**وفي تقريرات الرافعي تحت قول لمصالحه: ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما أفاده في غاية البيان.**

(الرافعي فی آخر الشامی، زکریا ٨٠/٦، کراچی ٨٠/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

## مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟

**سوال** [۷۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں اب بابری مسجد تحریک نے ایک پیچیدہ صورت اختیار کرلی ہے کیونکہ بعض نام نہاد مسلمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کردیا ہے جس کی بناپر عام مسلمانوں میں مختلف شبہات پیدا ہورہے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو بابری مسجد کی حفاظت کے لیے احتجاج اور مظاہرے کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں آنا من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟

**المستفتی**: لئیق احمد خان جمالی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے البتہ لڑنا جھگڑنا اور فتنہ برپا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت و حفاظت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا اور حکومت ہی سے احتجاج کرنا لازم ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مکتوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ. [التوبہ: ۱۸] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

## موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنے کا حکم

**سوال** [۷۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے ناموں پر کسی اور مسجد کا نام بھی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ٹانڈہ بادلی میں مسجد تعمیر ہورہی ہے جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا ہے بعض حضرات کو اس نام پر اعتراض ہے اس لیے کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نام باقی رکھا جائے یا اس کو تبدیل کیا جائے؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** شرعاً اس نام میں جواز کی گنجائش ہے لیکن اس طرح عام مساجد کے نام رکھنے سے عام لوگوں کے دلوں میں مساجد ثلاثہ کی جو عظمت ہے اس میں آہستہ آہستہ خفت ہو جائے گی مثلاً جس مسجد کا نام مسجد اقصیٰ رکھا جائے اس کے قرب لاشعور بچے جن کے کانوں میں عنفوان حواس سے محلّہ کی مسجد کے لیے مسجد اقصیٰ کا لفظ پڑتا

رہے گا، تو بعد میں عاقل بالغ ہونے پر جب اہل مسجد اقصیٰ کا نام آئے گا تو وہ عظمت دلوں میں نہیں ہوگی، جو ہونا چاہیے تھی، اس لیے ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۱۹)

# حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟

**سوال** [۷۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ جو حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں سے چالیس بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھیں تو ان نیکیوں کے حقدار ہوں گے یا خاص خانۂ کعبہ کے اندر یا حطیم میں نماز پڑھنے پر یہ نیکیاں ملیں گی؟

المستفتی: انیس احمد نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: حدیث مبارک میں جو چالیس رحمتیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ذکر کی گئی ہیں وہ حدیث شریف اپنی جگہ درست ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

**عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ینزل الله على أهل المسجد مسجد مكة كل يوم عشرين و مأة رحمة، ستين منها للطائفين، و أربعين للمصلين وعشرين منها للناظرين.** (المعجم الأوسط، دار الفكر ٤/٣٨١، رقم: ٦٣١٤، وهكذا في الترغيب و الترهيب للمنذرى ٢/١٢٢، رقم: ١٧١٤)

حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، خواہ حطیم کے اندر نماز پڑھے یا اس کے باہر نماز پڑھے، اس لیے کہ حطیم اور اس سے خارج حصہ سب ہی

مسجد حرام کے حدود میں داخل ہیں اس لیے کہ اس میں خانہ کعبہ کے اندر کا حصہ مراد نہیں ہے، بلکہ مسجد حرام اور مطاف مراد ہے، اس لیے کہ نماز کی جگہ مسجد حرام ہی ہے اور کعبۃ اللہ کے اندر کا حصہ تو قبلہ ہے یہ الگ بات ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر بھی نماز جائز ہے۔

**لما كان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلاة في مسجده عليه الصلاة والسلام بما كان في زمنه.** (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب: ما زيد في المسجد النبوى هل يأخذ حكمه زكريا ٢/١٠٧، كراچى ١/٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۲/۳۸)

# کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟

**سوال** [۷۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے اس میں مرد اور عورت باہم شریک ہیں، یا صرف مرد کو ہی ثواب ملے گا جیسا کہ خطباب حکیم الاسلام میں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس کے بارے میں علامہ منذری نے الترغیب والترہیب میں یہی لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں نماز کی جو فضیلت آئی ہے وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا اپنے گھروں اور قیامگاہوں میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

**إن قول النبي ﷺ صلاة في مسجد النبي ﷺ تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد إنما أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء.** (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامى ٢/٨١٤، ٨١٥، رقم الباب: ١٧٧)

اور علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ پورے حدود حرم اور حدود مکہ اور حدود مدینہ منورہ

میں سے کہیں نماز ادا کی جائے تو فضیلت حاصل ہو جائے گی، لہٰذا منذری وغیرہ نے جو عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے یہ باقاعدہ مسجد حرام میں جاکرادا کرنے سے استثناء ہے، مگر حدود حرم میں اپنی قیامگاہ میں فضیلت کا استثناء نہ ہوگا۔

**بل المشهور عند أصحابنا أنه يعم جميع مكة بل جميع حرمها الذى يحرم صيده.** (شامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها مطلب: فى أفضل المساجد، زكريا ٢/ ٤٣٢، كراچی ١/ ٦٥٩)

اوراپنی قیامگاہ میں بے حجابی اورفتنہ کا کوئی خطرہ نہیں ہےاورمسجد میں جانے میں خطرہ ہے۔

**مامن مصلى للمرأة خير من بيتها إلا فى حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة.** (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد عفااللہ عنہ
٢٠ رشوال المکرّم ١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣٥١/٢٩)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٠/١٠/١٤٢٤ھ

## کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقّف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے

**سوال** [٧٨٢٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے تحفۃ القاری ٨/ ٣٨٢ پر فتح مکہ کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''مسجد حرام'' درحقیقت کعبہ شریف کا نام ہےاوراس کے اردگرد جو مطاف ہے وہ مسجد کا حصہ نہیں اس کو مسجد مجازاً کہا جاتا ہے'' لہٰذا مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کیا مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت واقعی مسجد نہیں ہے؟ باحوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** قرآن مقدس میں کعبۃ اللہ کو مسجد حرام کہا گیا ہے مگر کتب احادیث وتفاسیر میں ایسی صریح عبارت نہیں ملی جس میں یہ بات واضح کی گئی ہو کہ مطاف اوراس کی چاروں طرف کی عمارتیں مسجد نہیں ہیں، بلکہ کعبۃ اللہ کے مسجد حرام ہونے

کے ساتھ ساتھ مطاف اوراس کی چاروں طرف کی عمارت بھی مسجد حرام ہی میں داخل ہیں، اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبۃ اللہ کی چاروں طرف کا مطاف اور عمارت بھی حقیقی طور پر مسجد حرام ہے۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. [البقرة: ١٤٩]﴾

**قلت: قد روى ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: البيت قبلة لأهل المسجد والمسجد قبلة لأهل الحرم والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها و مغاربها من أمتي.** (تفسير قرطبی، مكتبه دار الكتب العلمية ۱۰٦/۲، تفسير قرطبي بيروت ۱۵۹/۲)

**إنما ذكر الحرم أو المسجد دون الكعبة مع أنها هي القبلة إشارة إلى أن الواجب على النائي استقبال جهة الكعبة دون عينه.** (تفسير مظهری زكريا ۱/ ۱٦۰)

**وفي ذكر المسجد الحرام الذي هو محيط بالكعبة دون الكعبة مع أنها القبلة التي دلت عليها الأحاديث الصحاح إشارة إلى أنه يكفي للبعيد محاذاة جهة القبلة.** (روح المعاني زكريا ۲/ ۱٤)

**فالمراد بالمسجد الحرام حينئذ الحرم سماه المسجد الحرام لأن كله مسجد.** (تفسير مظهری زكريا ۵/ ۳۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۰)

## کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی

**سوال** [۷۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب خیر نے اپنی سکنائی اراضی مسجد کے نام سے چھوڑ دی تھی چند حضرات کے ذریعہ معلوم بھی ہوا کہ ماضی میں اسی آراضی پر نماز بھی ادا کی گئی لیکن بشکل مسجد کوئی تعمیر

نہیں ہوئی، اب کافی عرصہ سے یہ آراضی خالی نہیں پڑی ہے بلکہ قریب کے رہنے والے اس کو استعمال کرر ہے ہیں، اس وقت موقع پر آراضی مذکورہ پندرہ یا بیس میٹر مربع ہے کیا اس آراضی میں مسجد ہی تعمیر کرائی جائے، یا اس کو فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں رقم لگادی جائے؟ قرآن وحدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب صاحب خیر نے اپنی مذکورہ زمین مسجد کے لیے دیدی ہے اوراس میں اس کی اجازت سے باقاعدہ نماز بھی پڑھی گئی ہے تو وہ زمین شرعی مسجد بن چکی ہے اس لیے اس میں صرف مسجد ہی بن سکتی ہے اس کو فروخت کرنا یا اس کو حرمت مسجد کے خلاف دیگر مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا اور شرعی مسجد ہونے کے لیے بشکل مسجد تعمیر شرط نہیں ہے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله ﷺ، وکان یقال له ثمغ وکان نخلا، فقال عمر: یا رسول الله! إنی استفدت مالا وهو عندي نفیس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبی ﷺ تصدق بأصله، لایباع ولایوهب ولایورث، ولکن ینفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلک فی سبیل الله وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن السبیل ولذی القربیٰ، ولا جناح علی من ولیه أن یأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقه غیر متمول به.** (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاحط النسخة الهندیة ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

**ولو اتخذ أرضه مسجدا لیس له الرجوع فیه ولا بیعه وکذا لا یورث عنه.** (تبیین الحقائق، کتاب الوقف،فصل ومن بنی مسجدا لم یزل ملکه، زکریا ٤/ ۲۷۲، امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰)

**رجل له ساحة لا بناء فیها أمر قوما أن یصلوا فیها بجماعة (إلی قوله) أحدها إن أمرهم بالصلاة فیها أبدا نصا بأن قال صلوا فیها أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوی الأبد ففی هذین والوجهین صارت الساحة مسجدا**

**لو مات لا یورث عنه الخ.** (فتاویٰ عالمگیری، الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به، زکریا جدید ۲/ ۴۰۹، قدیم ۲/ ۴۵۵، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۹)

**وفی البحر: الصحیح أنه یصیر مسجدا.** (البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۰۲، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۹)

## ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہو جائے گی؟

**سوال** [۷۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک زمین اپنے پیسہ سے خریدی مکان کے نام سے، محکمۂ گورنمنٹ سے اس کو بنانے کا اجازت نامہ لیا، نقشہ میں مکان اور مسجد کچھ نہیں لکھنا پڑتا، بلکہ بلڈنگ ہی لکھتے ہیں، اور بغیر کسی اور سے چندہ لیے بنالیا ہے ابھی بہت کچھ کام باقی ہے مگر نماز نہیں ہو رہی ہے، اپنے اہل محبت بھائی زیادہ ہیں اس لیے کوئی اس مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے ایک صاحب بھی مکان بنارہے ہیں، رہنے پر ایک دو وقت آتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کسی اور سے چندہ نہیں لیا ہے پتہ نہیں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ وقف نہیں کیا اس لیے نماز ہونے میں شک ہے؟ ہم نے مسجد سب کے لیے بنائی ہے، میں روکتا نہیں ہوں بلکہ بلاتا ہوں نماز کے لیے، کمیٹی بنانے میں صدر سکریٹری کے لیے جھگڑے ہوئے پولیس آئی، لگتا ہے کہ مسجدوں میں ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے، جماعت نہیں جاتی، وہ اپنا پروگرام کرتے ہیں، برائے کرم اوپر کے دونوں مسئلوں پر شرعی اعتبار سے اور قانونی اعتبار سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

**المستفتی**: حافظ شوکت علی فرید نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (١) دوسروں سے چندہ کیے بغیر ذاتی پیسہ سے بنائی گئی مسجد، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اس میں نماز اور جماعت کرنا درست ہے۔

(٢) جب زمین کے مالک نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھا لیا اور ہر ایک کو آنے کی اجازت دیدی اور اذان ونماز شروع ہوگئی تو اب وہ بغیر صریح وقف کے اذان ونماز کی اجازت سے وقف شدہ شرعی مسجد ہوگئی، اس صورت میں مسجد شرعی میں نماز اور جماعت کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

**وفی الذخیر ة: و بصلاة جماعة یقع التسلیم بلاخلاف حتی أنه إذا بنی مسجدا و أذن للناس بالصلاة فیه جماعة فإنه یصیر مسجدا.** (شامی، الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد، زکریا دیوبند ٦/٥٤٥، کراچی ٤/٣٥٦، البحر الرائق ٥/٢٤٨، زکریا ٥/٤١٦، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ ربیع الاول ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٧٤٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٧/٣/١٤١٧ھ

## نوتعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟

**سوال [٧٨٣٠]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد نئی تعمیر ہو رہی ہے اس کو مسجد کا حکم کب سے دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** نئی تعمیر شدہ مسجد کو مسجد کا حکم اس وقت حاصل ہوگا جب اس میں نماز باجماعت شروع ہو جائے۔

**التسلیم فی المسجد أن تصلی فیه جماعة بإذنه –إلی– ویشترط مع**

**ذلک أن تکون الصلاۃ بأذان و إقامة جهرا لا سرا، لو جعل رجلا واحدا مؤذنا و إماما و أقام و صلی وحده صار مسجدا بالاتفاق.** (هندیه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۸، الفتاویٰ التاتارخانية زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۰۳)

# کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟

**سوال** [۷۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد میں نماز جائز ہونے کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے اپنی زمین میں مسجد بنا کر اجازت عام دیدی یا کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے مسجد بنائی اور اس میں نماز ہورہی ہے کیا نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ یا نماز جائز ہونے کے لیے باضابطہ لکھنؤ سے وقف کرانا ضروری ہے، یا گورنمنٹ کے کھاتے میں وقف کا اندراج ضروری ہے؟

**المستفتی:** محمد منصور احمد محلہ رحمت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نماز میں مسجد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے شرعی مسجد ضروری ہے، اور شرعی مسجد کے لیے وقف ہونا لازم ہے اور کسی شخص کا اپنی زمین میں مسجد بنا کر یہ کہہ دینا کہ میں نے اس کو مسجد بنادی ہے شرعی مسجد ہونے کے لیے امام ابویوسفؒ کے نزدیک کافی ہے، اور اگر لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کردی ہے تو تمام فقہاء کے نزدیک مسجد ہوجائے گی اور اگر لوگوں کو مسجد بنانے کی اجازت دیدی ہے اور لوگوں نے مسجد بنا کر نماز شروع کردی ہے تو بھی سب کے نزدیک وہ شرعی مسجد ہو جائے گی اور شرعی وقف اور مسجد

ہونے کے لیے لکھنؤیا گورنمنٹ کے کھاتے میں اندراج لازم نہیں ہے۔

**ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني وشرط محمد والإمام الصلاة فيه بجماعة.** (الدر المختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٤ - ٥٤٦، كراچی ٤/٣٥٥ - ٣٥٧، وهكذا في الهندية زكريا قديم ٢/٣٥٥، جديد ٢/٤٠٨، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦)

**ولايتم الوقف حتى يقبض ...... ففي المسجد بالإفراز.** (الدر المختار، مطلب: شروط الوقف على قولهما كراچی ٤/٣٤٨، زكريا ديوبند ٦/٥٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۰/۲۶)

# مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

**سوال [۷۸۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جناب حاجی اچھن صاحب ولد حاجی بنیاد حسین صاحب کی واقع محلّہ گوئیاں باغ میں ہے جس پر کافی لمبے عرصہ سے نگر پالیکا کا ناجائز قبضہ ہے اور اس پر کوڑا وغیرہ پڑتا ہے، حاجی اچھن صاحب محلّہ پیرزادہ میں رہتے ہیں یہ ہمیشہ سے اس آراضی کے ذمہ دار ہیں حاجی اچھن صاحب نے اس مقبوضہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا متولی جناب عاقل بھائی ولد جناب یوسف بھائی نل والے کو بنایا ہے، آپ سے التماس ہے کہ آپ اس تحریر کو پڑھ کر شریعت کے اعتبار سے فتویٰ دیں کہ اس آراضی پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس علاقہ میں کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے جس سے اس محلّہ کے لوگوں کو نماز ادا کرنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا ہے، اس لیے اہل محلّہ نے اس تحریک کو مضبوطی کے ساتھ چلانے کے لیے قدم اٹھایا ہے، مہربانی کر کے جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حاجی اچھن صاحب نے جب اس زمین کو مسجد کے واسطے وقف کردیا ہے تو اس پر مسجد تعمیر کرنا بلاتردد درست ہے، لیکن پہلے اس زمین سے نگر پالیکا کا قبضہ اٹھانا چاہیے، تاکہ آئندہ مشکلات نہ کھڑی ہوجائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۳، ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۱)

**ولو قال داری للمسجد أو أعطیتها له صح و یکون تملیکا فیشترط التسلیم.** (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٠، جدید ۲/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۹)

## وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۸۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی حیات میں ہی سوگز زمین اپنے چار بچوں میں تقسیم کرکے ان سب کے نام کردی تھی، جن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹی بیٹی کی وفات ہو جاتی ہے اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے سامنے یہ وصیت کردی تھی کہ اگر میں اپنا نکاح ہونے سے پہلے مرگئی تو میرے نام پے جو مکان ہے وہ مسجد کے نام وقف کردیا جائے، اور میرا سارا سامان کسی غریب لڑکی کی شادی میں جہیز کی شکل میں دیدیا جائے میں تم لوگوں میں سے کسی کو نہیں دوں گی، اس نے یہ وصیت اس لیے کی تھی کہ اس کے سگے عزیز رشتہ دار اس کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے تھے، اس کا نکاح کہیں نہیں کرتے تھے، بالآخر اس نے اپنے گھر والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ایک دن خودسوزی کرلی، یہاں تک کہ اس نے اسپتال میں بھی دم نکلنے سے پہلے یہی بیان دیا کہ میرا مکان مسجد

کے نام کرنا میرے کسی بھائی بہن وغیرہ کو مت دینا، اس کے اس بیان کے گواہ متوفیہ کے دونوں بھائی اور بہن رشتہ دار اور محلّہ کے چند لوگ ہیں، اس کے انتقال کے چالیسویں کے بعد حاجی بدرالدین صاحب سلنڈر والے کے یہاں ایک پنچایت بیٹھی اس میں تقریباً پینتالیس آدمی موجود تھے، جن میں خاص خاص آدمی یہ ہیں، کانٹھ والے ملاجی عرف بھورے بھائی، نواب علی، حاجی رئیس صاحب، رفیق بھائی، للہ چودھری، راجہ بابو وغیرہ، اور خود حاجی بدر الدین صاحب بھی موجود تھے، ان سب لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اور بہن عشرت سے کہا کہ مرنے والی کے مال اور مکان کے سب سے پہلے حقدار تم تینوں ہو تو تم تینوں میں سے جس کو چاہئے اور جتنا چاہیے بتادو تو اس پر تینوں نے یہ جواب دیا کہ مرنے والی نے جو وصیت کی ہے اسی پر عمل کیا جائے تو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وصیت تھی، تو ان تینوں نے بتایا کہ ہماری بہن شروع سے کہتی تھی کہ میرا مکان مسجد کو دیا جائے، اور میرا سامان کسی غریب لڑکی کو بطور جہیز دیا جائے اور ان تینوں نے کہا کہ ہمیں نہ تو اس کے سامان میں سے کچھ چاہیے، اور نہ اس کے مکان میں سے ہمیں اس میں سے لے کر گنہگار نہیں ہونا ہے، ہمیں خدا کو جواب دینا ہے، ہم اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔

ان کی اس بات پر وہاں موجود لوگوں نے واہ واہ کی اور مبارکباد دی اور سب لوگ خوش ہوئے، کہ اس سے اچھی بات کیا ہے؟ بہر حال پنچایت نے ان کی اس بات پر عمل کیا، سامان تو غریب لڑکی کی شادی میں بطور جہیز دیدیا گیا، اور اس وقت مسجد کو مکان کی ضرورت نہیں تھی، تو اس میں تالا لگوادیا، کہ جب ضرورت پیش آئے گی تو تالا کھول کر وقف بورڈ کے ذریعہ پکا کام ہو جائے گا، اور اس وقت تحریری طور پر کوئی بیان یا دستخط نوٹ نہیں کیے، اس امید پر کہ پنچایت بے فکر تھی، کہ پینتالیس آدمیوں کے سامنے انہوں نے متوفیہ کی وصیت پر عمل کرنے کا اقرار کیا ہے، اور مسجد کو دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ اپنے قول وقرار اور عہد و پیمان سے نہیں پھریں گے، اور نہ مکر کریں گے، اور نہ مسجد کے مال کے ساتھ دھوکہ بازی کریں گے، اب ایک سال بعد قریب ہی کی مسجد کے پیش امام کو مکان کی ضرورت پڑی تو پنچایت کے لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر وہ مکان مسجد کے نام وقف کرنے کی بات کی

اور تالا کھلوانے کے لیے چابی مانگی تو اب دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اپنے قول وقرار سے پھر گئے، اور چابی دینے سے انکار کر دیا، لیکن بہن عشرت رضا مند ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ہمشیرہ متوفیہ کی مذکورہ بالا زبانی وصیت کرنے کے بعد اور دونوں بھائیوں کے قول و قرار کرنے پھر مکرنے کے بعد بھی از روئے شرع دونوں بھائی اس مکان متوفیہ کے حصہ دار بن سکتے ہیں؟ اور کیا قبضہ کر کے اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں، اگر وہ سہیم ومتصرف نہیں ہو سکتے تو ان کے مکرنے اور انکار کرنے کی صورت میں اہل محلہ اور اراکین کمیٹی جبراً اس مکان کا تالا توڑ کر مسجد کے لیے وقف کرنے کے شرعاً مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ شرعی یا قانونی ہو تو رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مذکورہ مکان کے ایک تہائی حصہ میں مرحومہ کی وصیت نافذ ہوگی اور وہ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا، کیونکہ ایک تہائی میں وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔

**عن عامر بن سعد عن أبيه قال: مرضت، فعادني النبي ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ أدع الله أن لا يردني على عقبي، قال: لعل الله يرفعك و ينفع بك ناسا، قلت: أريد أن أوصي، و إنما لي ابنة، قلت: أوصي بالنصف، قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث، والثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث وجاز ذلك لهم.** (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴٤)

**وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع و إن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار.** (شامی زکریا ۱۰/۳۳۹، کراچی ۶/۶۵۰)

البتہ دیگر دو تہائی میں مسجد کی طرف سے قبضہ نہیں ہوا اور ورثین اپنے وعدے اور اقرار پر برقرار نہیں رہے، لہٰذا ان دو تہائی میں مسجد کے لیے وقف تام نہیں ہوا، اس بنا پر ان دو تہائی میں ورثاء کی ملکیت باقی ہے، ان کی رضا مندی کے بغیر اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

**عن القاسم أن رجلا استأذن ورثته أن یوصی بأکثر من الثلث، فأذنوا له، ثم رجعوا فیه بعد ما مات، فسئل عبد الله عن ذٰلک، فقال: ذاک النکرة لایجوز.** (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۹/ ۲۳۷، رقم: ۹۱۶۱، مسند الدارمی، دار المغنی للنشر و التوزیع ٤/ ۲۰۳٦، رقم: ۳۲۳۷)

**ولایتم الوقف حتی یقبض لم یقل للمتولی لأن تسلیم کل شیئ بما یلیق به، ففی المسجد بالإفراز وفی غیره بنصب المتولی و بتسلیمه إیاه ابن کمال.**

(شامی الوقف، مطلب: شروط الوقف علی قولهما زکریا ٦/ ٥٣٤، کراچی ٤/ ٣٤٨)

اور جو وارث اپنے اقرار پر باقی ہے دو تہائی میں سے اس کے حصہ کے بقدر مسجد کے لیے وقف ہوگا، لہٰذا بہن عشرت کی رضامندی سے اس کا حصہ مسجد کی ملک ہوجائے گا۔

**عن الحسن فی الرجل یوصی بأکثر من الثلث فرضي الورثة قال: هو جائز.**

(مسند الدارمی، باب فی الذی یوصی بأکثر من الثلث، دار المغنی ٤/ ٢٠٣٦ رقم: ٣٢٣٧)

**إذا أجاز بعض الورثة جاز علیه بقدر حصته.** (شامی زکریا ١٠/ ٣٤٠، کراچی ٦/ ٣٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۹/۹ھ

# مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل

**سوال** [۷۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند لوگوں نے مل کر مسجد کے لیے ایک زمین خریدی اور لوگوں نے دوسرے محلے کے ایک عالم صاحب کو اپنا سرپرست بنالیا، عالم صاحب نے اور محلّہ کے سارے لوگوں نے چندہ کرکے اس زمین کو لکھا لیا، قانونی دشواریوں کی وجہ سے وہ زمین عالم صاحب ہی کے نام رجسٹری ہوگئی، اور اس میں پنجوقتہ نماز شروع ہوگئی، ہم پنجوقتہ نمازیوں نے اپنی بستی کے

بڑے مدرسہ کے مفتی صاحب کو امام بنالیا، دو سال ہو رہے ہیں ان کو امامت کرتے ہوئے، انہوں نے مؤذن کا بھی انتظام کر دیا، جو مدرسہ کے طالب علم ہیں، مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھاتے ہیں، تنخواہ کا کوئی نظم نہیں ہے، دو چار لوگ مل کر تقریباً پانچ سو روپیہ دیتے ہیں، لیکن کوئی ضروری نہیں دیدیا تو رکھ لیا کوئی مطالبہ نہیں، ایک دو لوگوں کے علاوہ محلّہ کے سارے لوگ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہیں، کئی مرتبہ امام کے بدلنے کی بات آئی، سارے لوگوں نے کچھ کو چھوڑ کر کے انکار کر دیا اور سب نے کہا کہ ہماری مسجد کے امام مفتی صاحب ہی رہیں گے، ہم لوگوں نے صرف یہ سوچا کہ مفتی صاحب کے رہنے میں استفادہ زیادہ ہوسکتا ہے، چنانچہ فجر کے بعد درس قرآن بھی ہوتا ہے، دوسری جانب سرپرست عالم صاحب کو مدرسہ اور اس کے ذمہ داران سے کچھ ذاتی رنجش ہے، اور مفتی صاحب سے سرپرست کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ سے رنجش کی وجہ سے وہ ہماری مسجد میں مفتی صاحب کی امامت کے مخالف ہیں، جبکہ مدرسہ علاقہ واطراف میں بہت مشہور ہے، مدرسہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے، مخالفین میں ایک دو لوگ ہی محلّہ کے ہیں، جو عقیدۃً بریلوی ہیں، خود سرپرست عالم صاحب اہل حق اپنے کو کہتے ہیں لیکن امامت کے مسئلہ میں پنجوقتہ نمازیوں اور اہل حق کی بات نہ مان کر کرے بدعتیوں اور بریلویوں کے ہمراہ ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے عنایت فرمائیں:

(۱) جو مسجد چندہ سے تعمیر کی گئی ہے اور سرپرست عالم کے نام درج ہوگئی جو محلّہ سے دور دوسرے محلّہ میں رہتے ہیں کیا ان کا مسجد میں حق ملکیت ہے؟

(۲) کیا سرپرست کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ پنجوقتہ نمازیوں اور اہل محلّہ کی باتوں اور مشوروں کو نظر انداز کردے محض اس لیے کہ اس مسجد کی زمین اس کے نام درج ہے؟

(۳) ایسے امام کو جس سے اکثر نمازی ومحلّہ والے خوش ہوں کیا ان کو امامت سے ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ سرپرست کے سوا اہل حق میں سے کوئی مخالفت نہ کرتا ہو اور ہر حال میں مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہوں؟

(۴) یہ شکایت کرنا کہ امام چونکہ نیاز فاتحہ نہیں کرتے لہٰذا امامت کے حقدار نہیں ہیں؟

(۵) کچھ لوگ غیر محلّہ کے ہیں، مسجد میں بیجا مداخلت کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۶) سرپرست کا بغیر عذر شرعی کے امام کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: شمس عالم بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** (۱) جو زمین اہل محلّہ کے چندہ کی رقم سے خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی اور مصلحتاً عالم صاحب کے نام سے رجسٹری ہوگئی تو شرعی طور پر عالم صاحب اس زمین یا مسجد کے مالک نہیں ہوئے، اور نہ ہی اس میں ان کا مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے اور اب اہل محلّہ کو چاہیے کہ عالم صاحب کے نام سے رجسٹری منسوخ کر کے مسجد کے نام سے وقف نامہ مکمل کرالیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۴۹)

(۲) اہل محلّہ اور اکثر نمازیوں کے مشورہ کو سرپرست کا محض اس لیے نظر انداز کر دینا کہ مسجد کی زمین خود ان کے نام ہے جائز نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کے مشوروں کو سنیں پھر آپس میں کسی ایک رائے پر سبھی حضرات متفق ہو جائیں اور مسجد کی جو زمین ان کے نام ہے فوراً اس سے اپنا نام کٹوا کر مسجد کے نام کر دیں، مسجد کی زمین کا کسی فرد کے نام ہونا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۴۹)

**فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم.** (در مختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲/ ۲۹۷، كراچی ۱/ ۵۵۹)

(۳) جب تمام اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کی امامت سے خوش ہیں تو مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہیے، محض سرپرست اور چند بدعتیوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں امامت سے معزول کرنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۲۵۱)

**إن القوم إذا عينوا مؤذنا و إماما كان أصلح مما نصبه الباني فهو أولىٰ.** (شامی، الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الأذان بنفسه، زكريا ۲/ ۷۱، كراچی ۱/ ۴۰۰)

(۴) نیاز فاتحہ کرنا خود بدعت ہے اور اس پر دارو گیر کرنا خلاف شریعت عمل ہے، ایسے لوگوں

کی بات پر عمل کرنا گناہ اور معصیت ہے اس لیے ایسے لوگوں کی بات پر عمل نہ کیا جائے اور نہ ہی امام کو امامت سے معزول کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۵۱، عزیز الفتاویٰ ۱۲۲، امداد المفتیین ۱۵۷)

(۵) امام مقرر کرنے کا حق اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کا ہے اس میں غیر اہل محلّہ کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔

**وإن تنازع في نصب الإمام و المؤذن مع أهل المحلة إن كان ماا ختاره أهل المحلة أولىٰ من الذى اختاره البانى فما اختاره أهل المحلة أولىٰ.** (الأشباه قديم ص: ۱۴۱)

(۶) امام جب مفتی اور عالم ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں اور اکثر اہل محلّہ اس سے خوش ہیں تو سرپرست کو بلا عذر شرعی امام کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔

**الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش.** (در مختار، الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲/ ۲۹۴، كراچى ۱/ ۵۵۷، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۲۲۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۲۴ھ

# مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا

**سوال** [۷۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دادا، پردادا نے ایک مسجد بنائی جو اپنی ذاتی آراضی اور اپنی جیب خاص سے تیار کرائی امام کی تنخواہ اور مسجد کے جملہ اخراجات وہی لوگ اپنی جیب سے پورا کرتے چلے آئے ہیں لیکن بنانے والے کی یہ نیت نہیں تھی کہ اس میں صرف ہم تنہا ہی نماز پڑھا کریں گے بلکہ یہ نیت تھی کہ سب اہل محلّہ اور مسلمان نماز ادا کریں گے، اور سینکڑوں برس سے ادا کرتے چلے آئے ہیں البتہ مسجد اور امام کے جملہ اخراجات بنانے والوں کے خاندان

والے ہی برداشت کرتے ہیں اب زید کے دادا، پردادا جومسجد بنانے والے تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے، اب زید وغیرہ کبھی کبھی نمازیوں کوطعنہ دیتے ہیں کہ ہماری مسجد ہے اس میں نماز پڑھنے مت آؤ، اس شکل میں جبکہ زید اپنی مسجد میں تمام نمازیوں کونماز پڑھنے سے منع کرے تو عام نمازیوں کواس مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) عام نمازیوں کی نماز میں کچھ نقص تو نہیں آتا، جبکہ زید وغیرہ اپنی مسجد میں آنے کواور نماز پڑھنے کومنع کرتے ہیں؟

(۳) کیا زید کو کہنے کا حق ہے کہ یہ صرف ہماری مسجد ہے اس کو ہم نے بنایا ہے جبکہ بناتے وقت یہ نیت تھی کہ سب نماز پڑھیں گے؟

(۴) اگر زید ہٹ دھرمی سے اس مسجد میں عوام کونماز پڑھنے سے روکے یہ دھونس دے کر کہ مسجد ہماری ہے تو زید وغیرہ گنہگار ہوں گے؟

(۵) عام نمازی اس مسجد میں آکر نماز ادا کرتے رہیں، زید کے کنبے کی پرواہ نہ کریں یا کسی اور مسجد میں جا کر نماز ادا کریں؟

المستفتی: اقبال احمد شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اگر زید کے دادا پردادا نے اللہ تعالیٰ کے واسطے شرعی مسجد بنائی تھی اوراس وقت عام مسلمانوں کونماز پڑھنے کی اجازت دے چکے تھے تو مذکورہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے، زید یا کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے، منع کرنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو بہت بڑا ظالم اورگناہ گار قرار دیا ہے۔

﴿ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ.** [البقرة: ١١٤] ﴾

**وليس لورثته منعهم.** (شامی الوقف، مطلب: فی أحكام المساجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧)

مذکورہ مسجد میں تمام مسلمانوں کو آزادانہ نماز پڑھنے کا حق ہے اس میں وارثین کا کوئی حق اس طرح باقی نہیں رہا ہے کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے منع کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۰)

## دوسوسال پرانی مسجد جس کے موقوفہ ہونے کا ثبوت نہ ہو موقوفہ کہلائے گی؟

**سوال** [۷۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد دوسوسال پرانی ہے پہلے یہاں قبرستان تھا سوسال سے اس آراضی میں تدفین کا عمل نہیں ہوتا ہے اس مسجد کے دوطرف اسی خسرہ نمبر ۲۷۴ کی خالی آراضی ہے دوطرف مسجد کی دوکانیں بنی ہوئی ہیں، وقف بورڈ میں یہ مسجد وآراضی و دوکانیں نمبر ۲۹۹۳/۱۰۷۸ شیش گران ومردہ گان کے نام سے درج ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا یا نہیں؟

المستفتی: شیشگران، دملکان، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مذکورہ آراضی کے موقوفہ ہونے کے لیے اتنا ثبوت کافی ہے کہ مسجد شرعی اس میں قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے اور خالی زمین میں تدفین کا سلسلہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ جگہیں دفن کے لیے وقف ہیں، اور وقف بورڈ میں اس جائیداد کے وقف نمبر کا مل جانا بھی مذکورہ جائیداد کے وقف کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اور مسجد کے دائیں بائیں جو خالی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں دفن کا سلسلہ جاری نہیں ہے اس میں مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه

**لأحد فمعناهما على هذا واحد.** (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۱۷۹/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ۱۱۸/۲، هكذا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۱۸۸/۸، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ١٤٤/٩، رقم: ١١٤١١، هنديه زكريا قديم ٤٦٩/٢، جديد ٤١٦/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۸ھ

# کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

**سوال** [۷۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف میواتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** عیدگاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادتگاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عیدگاہ انتہائی حرمت وعظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عیدگاہ میں کھیل تماشہ کشتی وغیرہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح اس کو گانے باجے کی جگہ بنالینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸)

**وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد فى حق جواز الاقتداء وأن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فى حق غيره به يفتى نهاية.** (در مختار مع الشامى، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ٤٣٠/٢، كراچى ٦٥٧/١)

**وأما المتخذ لصلاة العيد فالمختار أنه مسجد فى حق جواز الإقتداء و إن انفصلت الصفوف و فيما عدا ذلك فلا رفقا بالناس.** (هنديه زكريا قديم ٤٥٦/٢، جديد ٤٠٩/٢)

البتہ حائضہ ونفساء وغیرہ کے لیے عیدگاہ میں داخل ہونا جائز ہے، اس اعتبار سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۱۰/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ

## جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم

**سوال** [۷۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملکی حالات کے پیش نظر بہت سی بستیاں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسجدیں ویران ہوگئیں، اب ایسی شکل میں کیا صورت ہے کہ مسجدیں محفوظ رہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کو مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرادیا جائے، بعض کا خیال ہے کہ ان کا تمام ملبہ مع ایک فٹ زمین کے اکھاڑ لیا جائے، بہرحال آراء مختلف ہیں شریعت مطہرہ کے نزدیک کیا صحیح شکل ہے ان مساجد کی حفاظت کی؟ اور یہ کہ گناہ بھی لازم نہ آئے؟ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کیا فرماتے ہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر سائل کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: ایسی مساجد کا وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرادینا لازم ہے اور رجسٹرڈ کرانے کے بعد ان مساجد میں تالا لگا دیا جائے اور یہ مساجد تا قیامت مسجد ہی کی حکم میں ہوں گی، ان کا ملبہ اور مٹی اکھاڑنے سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا۔

**ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام و الثاني أبدا إلى قيام الساعة.** (الدر المختار الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۳۷)

# مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا

**سوال** [۷۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک رشتہ دار حاجی صاحب سے کچھ لوگوں نے جو گاؤں کے اڈے کے قریب رہتے ہیں، مطالبہ کیا کہ وہ اپنی طرف سے اڈے پر مسجد بنوادیں، جس سے مسافروں کو بھی سہولت ملے گی، اور ہم جو اڈے کے قریب رہتے ہیں، آسانی سے اس میں نماز پڑھ سکیں گے، حاجی صاحب نے اڈے پر ایک پلاٹ خریدا جو میرے لڑکے کے نام رجسٹری ہوا، یہ حاجی صاحب کا داماد ہے اس پلاٹ میں سامنے کی جانب غرب مسجد تعمیر ہوئی، مسجد کی عمارت میں دونوں جانب تھوڑا تھوڑا حصہ خارج مسجد رکھا گیا، اسی طرح باہر کے صحن کے دونوں طرف کچھ حصہ چھوڑا گیا ہے، اور سامنے چند دوکانوں کی بنیادیں ہیں جو حاجی صاحب کی لڑکی جو میرے بیٹے کے نکاح میں ہے کے واسطے ہیں۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو ایک دینی اجتماع کا انعقاد کر کے جس میں دو بڑے عالم امیر شریعت ہریانہ پنجاب وہماچل حضرت مولانا صدیق صاحب اور دارالعلوم میوات (نوح) کے شیخ الحدیث مدظلہم بھی شریک ہوئے تھے، اس میں حاجی صاحب نے اعلان کرایا کہ یہ مسجد میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے اور میں اس کو تمام مسلمانوں کے لیے عبادت کی خاطر وقف کرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے بانی مسجد کا اعلان کرنا شرعاً معتبر ہے، یا معتبر نہیں؟ اور چونکہ انتظامی امور حاجی صاحب نے اپنے داماد حافظ قاری محمد اسلم صاحب کو سپرد کیے ہیں جو اس مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرتے ہیں اس لیے وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نباہ رہے ہیں، اگر زمین اپنے نام سے کاغذات میں اتروائی جائے تو خدشہ یقینی ہے کہ جھگڑالو لوگ منتظم کو بے دخل کر سکتے ہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحیم بڈگدوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** حاجی صاحب کا مسجد بنا کر اس کے وقف کا اعلان کرنا شرعاً درست ہے اور اب یہ مسجد للہ وقف ہو چکی ہے۔

**ویزول ملکه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا.** (الدر المختار على هامش رد المحتار، الوقف، مطلب: فى أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٤، ٥٤٦، كراچى ٤/٣٥٥، ٣٥٧، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٤٨، زكريا ٥/٤١٦، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٥، جديد ٢/٤٠٨)

البتہ وقف تام ہو چکنے کے بعد کسی فرد خاص کے نام رجسٹرڈ کرنا یا رہنا جائز نہیں، اس لیے مسئولہ صورت میں اب داماد کا نام رجسٹرڈ سے ختم کرا کر تولیت میں منتقل کرا دینا ضروری ہے، کہ داماد کو مسجد کا متولی بنا دیا جائے، تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/۲۳۶)

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

**فإذا تم ولزم لايملك و لايعار و لايرهن أى لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره.** (شامى زكريا ٦/٥٣٩، كراچى ٤/٣٥١، ٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۹)

# مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم

**سوال** [۸۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکولہ ضلع میں تعلقہ پاتور کا ایک چھوٹا سا قصبہ کھٹی ہے جہاں پر مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت اور نماز کے لیے بستی میں ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی تو پرانے بزرگوں نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہاں پر ۱۹۵۲ء تک امام اور مؤذن کی تنخواہ کا انتظام اور مسجد کا نظم ونسق تو جیسا تیسا چلتا رہا، لیکن غریب بستی ہونے کی وجہ سے پریشانی ہونے لگی، قدیم بزرگ گلاب خان، زورآور خان، محمد خاں نامدار خان نے اپنی کھیتیوں میں سے ۱۹۵۲ء میں مسجد کی آمدنی اور امام ومؤذن کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کے لیے ۱۱/۱ ایکڑ ۳۸/ گنٹے زمین کے لیے عطیہ کیے، اور ۱۹۵۲ء میں ٹرسٹ بنا کر اس میں کھیتی کو نوند کر دیا گیا، ٹرسٹیوں نے اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جناب اکبر علی صاحب کو دی، جنہوں نے دیانت داری سے اس ذمہ داری کو ۱۹۷۶ء تک انجام دیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد جناب عبد المناف صاحب امڑاپوروی کو بلا کر ذمہ داری سونپی گئی، محترم موصوف نے ۱۹۷۹ء میں سات بارا میں (ہیرنی پتر) پر اپنا نام لین کر کے لکھوالیا ۱۹۸۰ء میں کڑ قاعدہ کے ذریعہ پوری کھیتی اپنے نام کرلی، جبکہ بستی کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی، مسجد کا نظم ونسق اور امام ومؤذن کی تنخواہ کا انتظام برابر جاری رہا۔

۱۹۹۶ء میں عبد المناف صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند عبد القدیر صاحب انہوں نے بھی ۲۰۰۰ء کے بعد امام ومؤذن اور مکتب ودیگر انتظامات کے لیے خرچ کرنا بند کر دیا، جو غریب بستی کے مسلمانوں نے کیا اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں، دیگر جو بھی مسجد کے لیے چندہ ہوتا ہے مثلاً شادیوں کے موقع پر دولہا، دولہن والوں سے کچھ مخصوص رقم اور نکاح میں حاضرین سے عمومی چندہ جو آڈٹ وغیرہ کے خرچ کے نام سے لیا جاتا ہے وہ بھی انہیں صاحب کے پاس رہتا، لیکن مسجد کا تقریباً ۲۰۰۰ء سے ۱۲/ سال کا آڈٹ نہیں ہوا اور ۲۰۰۰ء میں ہی مسجد کے کھیت پر پائپ لائن کے لیے ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار روپئے کو آپریٹو

بینک سے قرض لیے جو نہ بھرنے کی صورت میں بینک کی جانب سے کھیت کی ضبطی اور ہراسی کی ڈھونڈی بھی پورے گاؤں میں دومرتبہ ہوئی۔

۲۰۰۷ء میں گورنمنٹ کی اسکیم کے تحت یہ قرض کی اصل رقم معاف ہوئی، لیکن بیاض کی رقم تھی وہ دہلی سے سعید خاں، لعل خان، شیخ ناظم، حاجی بلدار خاں صاحب، عبدالشریف سے لاکر موصوف کو دیا کہ مسجد کے کھیت کو کلیئر کرو، غریب بستی ہونے کی وجہ سے اور مہنگائی کی زیادتی کی وجہ سے امام ومؤذن صاحب کی تنخواہوں میں بھی اضافہ اور بجلی بل اور پانی کا انتظام اور دیگر انتظامات میں بستی والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس کی بنا پر بستی کے ذمہ داروں نے مسجد کے کاغذات وغیرہ کی معلوم نکالی تو پتہ چلا کہ کھیت موصوف کے نام ہو چکا ہے، جس پر بستی کے لوگوں میں غصہ کی لہر بیدار ہو گئی، لیکن ذمہ داروں نے سمجھایا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں، سارے کاغذات کی زیروکس کاپی اس عرضداشت کے ساتھ جوڑی جارہی ہے آپ خود ہمیں ان کاغذات کی تحقیقات کے بعد فیصلہ کریں۔ آپ کے فرزند عبدالقدیر صاحب اس وقت گاؤں کے اندر موجود ہیں ان کا موبائل نمبر 9923341231 ہے آخر میں آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں وقف کیا ہوا کھیت کو اپنے نام کر لینا اور خود اس سے فائدہ اٹھانا کیا جائز ہے؟ اور عبدالمناف صاحب مرحوم کو اللہ کی شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بستی کے غریب ہونے کی بنا پر چند اہل خیر حضرات نے مسجد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی اپنی کھیتیاں وقف کر دیں، اور یکے بعد دیگرے متولیان حضرات نے بخوبی اس ذمہ داری کو نبھایا لیکن جناب عبدالمناف صاحب نے اس میں خیانت کی، اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر مسجد کی وقف زمینوں کو اپنے نام منتقل کر لیا ہے، شرعاً اس دھوکہ دھڑی سے وہ وقف کی زمین کا مالک نہیں ہوگا، علاقہ کے بااثر لوگوں کو بیچ میں پڑ کر کے وقف کی زمین کو مسجد کے لیے بحال کرنا لازم ہے، اور ایسے خائن متولی کو مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دینا لازم ہے، اور اس کے

بعد کسی ایک فرد کو مسجد کی ذمہ داری نہ سونپی جائے؛ بلکہ اس کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں مختلف خاندان کے مختلف المزاج لوگ شریک رہیں، تاکہ آئندہ کبھی ایسی نوبت نہ آنے پائے کہ مسجد کی زمین میں خیانت ہوسکے۔

**فإذا تم و لزم لایملک و لا یعار ولایرھن وتحته فی الشامیة: لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة ...... تملیک الخارج عن ملکه.** (شامی زکریا ٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥٢)

**ولو کان خائنا ینزع منه و یولیه غیره سواء شرط الواقف الولایة لنفسه أولا.** (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/ ٦٠٤، مصری قدیم ١/ ٧٥٣، وهکذا فی شامی ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، بزازیه ٣/ ١٣٤، وعلی هامش الهندیة ٦/ ٢٥٣، البحر الرائق زکریا ٥/ ٤١١، کوئٹه ٥/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۴/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

# مسجد سے دستبرداری یا منتقلی

**سوال** [۷۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہوجانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے یا مسجد سے دستبردار ہوا جائے؟

زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اسی طرح فقہاء کی کتابوں میں بوقت ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار رہونا مناسب ہے، زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، البتہ لڑنا جھگڑنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ . [التوبہ: ۱۸]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۵۴)

## گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم

**سوال** [۷۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نسبت بزرگ ایک صاحب کے مکان میں تشریف فرما تھے، کھانے کی مصروفیت کی وجہ سے مسجد کی جماعت چھوڑ دی اور صاحب مکان کے یہاں ہی ان بزرگ نے اوران کے مریدین اور متعلقین نے جماعت کی، ایک دو ساتھی مسجد میں نماز کے لیے چلے گئے، ان مسجد جانے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، کہ ایک شیخ وقت عالم دین کے پیچھے نماز چھوڑ کر مسجد کی جماعت میں شریک ہوئے جبکہ جماعت تو یہاں مکان پر بھی ہوئی ہے اس سلسلے میں شرعاً فیصلہ فرمائیں، کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اور جن لوگوں نے گھر میں شیخ کے ساتھ نماز نہ پڑھ کر مسجد کی جماعت میں شرکت کرلی ہے وہی لوگ فضیلت کے زیادہ مستحق ہیں اور مقامی لوگوں کا

مسجد کی جماعت کو بالقصد بلا عذر ترک کر کے شیخ ہی کے ساتھ کسی کے گھر میں نماز پڑھنے کو زیادہ افضل سمجھنا جہالت اور گمراہی کا سبب ہے، کتنا بڑا شیخ اور ولی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ غیر مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنا بہر حال زیادہ افضل ہے۔

**وإن صلى أحد في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد و تكثير جماعته و إظهار شعائر الإسلام و هكذا في المكتوبات أي الفرائض لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع و عشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد، فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر و تكثير سواد المسلمين و ائتلاف قلوبهم.** (كبيرى اشرفيه ديوبند ۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۰)

# مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا

**سوال** [۷۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کی بہ نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵ /۲۷/ گنا ہے اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا مذکورہ ثواب جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے پر بھی ہے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر لوگ مسجد سے باہر جماعت کر لیتے ہیں تو اس صورت میں مسجد میں تنہاء نماز پڑھنا بہتر ہوگا یا مسجد کے باہر جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید ہے تب تو ظاہر ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر مسجد سے باہر جماعت کر لینا بہتر ہوگا؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** یہاں پر تین صورتیں ہیں (الف) حدیث شریف میں ۲۵/ یا ۲۷/ درجہ جوثواب مذکور ہے یہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے، کہ پچیس یا ستائیس درجہ ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کی گئی ہو، اور جن روایات کے اندر جماعت کی فضیلت پچیس یا ستائیس درجہ بیان کی گئی ہے وہاں مسجد کی جماعت مراد ہے، اگر چہ ان روایات میں مسجد کی قید صراحت سے نہیں، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں مسجد کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس لیے ان روایات میں مسجد ہی کی جماعت مراد ہے۔

**عن عبد اللّٰہ بن عمر أن رسول اللّٰہ ﷺ قال صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ بسبع و عشرین درجۃ وفی روایۃ: بخمس و عشرین درجۃ.** (بخاری شریف، الأذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، النسخۃ الھندیۃ ۱/۸۹، رقم: ۶۳۶، ف: ۶۴۵، رقم: ۶۳۷، ف: ۶۴۶)

**عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ، و صلاتہ فی مسجد القبائل بخمس و عشرین صلاۃ.** (ابن ماجہ، الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃ، فی المسجد الجامع، النسخۃ الھندیۃ ۱۰۲، دار السلام رقم: ۱۴۱۳، المعجم الأوسط، دار الفکر ۵/۱۸۵، رقم: ۷۰۰۸)

(ب) مسجد میں جماعت چھوٹ جانے پر اگر مسجد کے علاوہ گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے تو مسجد میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر اور افضل ہے، کیونکہ دیگر مقامات میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، لیکن دیگر مقامات کی جماعت کی فضیلت اتنی نہیں ہے جتنی مسجد کی جماعت کی فضیلت ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے اور مسجد کے علاوہ کسی پھاٹک یا ہال میں جماعت ہورہی ہے تو مسجد کے اندر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں وہاں جاکر کے جماعت سے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

**والصلاۃ جماعۃ فی البیت وفی السوق أولی من الانفراد.** (فتح الباری،

الأذان، باب فضل صلاة الجماعة اشرفيه ديوبند ۱۷۲/۲، تحت رقم الحديث ٦٤٧، دار الفكر ۱۳۵/۲، دار الريان للتراث قاهره ۱۵۹/۲)

**فإن كان يفعلها فى البيت فى جماعة وفى المسجد منفردا كان فعلها فى البيت فى جماعة أولىٰ.** (أعلام الساجد بأحكام المساجد ص: ۳۷۵)

(ج) مسجد کی جماعت ہو جانے کے بعد حدود مسجد کے اندر اہل محلّہ کے لیے جماعت ثانیہ کرنا جس طرح مکروہ ہے اسی طرح مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں بھی اہل محلّہ کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حدود مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی جو علت ہے وہی علت مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پائی جاتی ہے، ہاں البتہ اہل محلّہ کے علاوہ دیگر مقامات سے آنے والے مسافرین کے لیے حدود مسجد سے متصل خارجی حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے تو مسجد سے متصل خارجی حصہ میں دوسری جماعت قائم نہ کی جائے، اور ایسی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے مسجد میں تنہا نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے ایسے حالات میں اگر جماعت سے نماز پڑھنا چاہے تو مسجد سے دور کسی ایک جگہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

**وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ ولأن حق المسجد لم يقض بعد لأن قضاء حقه على أهله.** (بدائع الصنائع زكريا ۳۸۰/۱، كراچى ۱۵۳/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۵۴/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۷/۸ھ

# محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں

**سوال** [۷۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک جگہ ہے جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے اور معتکفین کے لیے ایک کمرہ کا بھی انتظام ہے، جو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے آگے پڑ رہا ہے تو کیا وہ مسجد کے حکم میں رہے گا، اور معتکفین اس میں قیام کر سکتے ہیں، واضح رہے کہ مذکورہ کمرہ بقیہ ایام میں امام کی رہائش کے لیے استعمال ہوگا؟ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں۔

**المستفتی:** محبوب الرحمٰن اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں جس کمرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور نقشہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے وہ محراب سے باہر ہے، اور محراب سے باہر کا حصہ حدود مسجد کے دائرے میں نہیں آتا، اس لیے وہ خارج مسجد میں شمار ہوگا، اور اس حصہ میں معتکف کا قیام جائز نہ ہوگا، نیز اس کمرہ کے بنانے کا مقصد بھی امام کی رہائش ہے اور اعتکاف کے لیے حدود مسجد کے اندر ہی رہنا لازم ہے۔

**فهو اللبث فی المسجد مع نية الاعتكاف.** (هنديه، الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف زكريا قديم ۱/۲۱۱، جديد ۱/۲۷٤، قاضيخان ۱/۱۳۸، و علی هامش الهندية ۱/۲۲۱، الدر مع الرد زكريا ۳/٤۲۹، كراچی ۲/٤٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/۲۰۹، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح قديم ۳۸۱، دار الكتاب ديوبند ۶۹۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۹/۴ھ

## قبرستان کے بیچوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

**سوال** [۷۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قدیم قبرستان ہے جس میں تدفین عرصۂ دراز سے بالکل بند ہے، اور اس قبرستان کے بیچ میں ایک قدیم مسجد ہے جس کے ارد گرد پرانی پکی قبریں بھی ہیں اور اس مسجد میں

پنجوقتہ نماز باجماعت وجمعہ بھی ہوتا ہے، شرعاً ایسی مسجد میں نماز پنجگانہ ونماز جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: سوالنامہ میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ مسجد ایسے قبرستان میں ہے جو شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں کے بیچ میں ہے یا اس کے فنا میں ہے، چھوٹے دیہات میں نہیں ہے تو اس مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کا ادا کرنا جائز اور درست ہے اور مسجد کے قبلہ کی طرف جو قبریں ہوں ان قبروں سے متصل اگر جانب قبلہ میں جنگلہ ہو اور مسجد میں نماز پڑھتے وقت وہ قبریں بالکل سامنے ہوں تو ایسی صورت میں نماز کے وقت ان جنگلوں کو بند کردیا جائے، یا کپڑا وغیرہ ڈال دیا جائے، تو بہتر ہے۔

**لاتكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو ،صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه.** (شامي، الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ديوبند ٢/ ٤٢٥، كراچی ١/ ٦٥٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٣٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۴ھ

# بابری مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا

**سوال** [۷۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے جو قدم اب تک اٹھے ہیں یا آئندہ اٹھائیں اور ان کو اس سے جانی ومالی نقصان ہو تو کیا از روئے شرع مطہرہ مسلمانوں کا یہ فعل درست ہوگا یا نہیں؟ اور کیا بابری مسجد کی حفاظت میں مرنے والے مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر غیر مسلموں کی طرف سے اقدام ہو اور مسلمان مدافعت کی سعی کریں اور اسی اثناء میں کوئی مسلمان مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو وہ شرعی طور پر شہید کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۴۷۶/۵)

**الشهيد من قتله المشركون.** (هداية، الصلاة، باب الشهيد اشرفي ديوبند ۱۸۳/۱)

**هو كل مكلف مسلم طاهر ......قتل ظلما بغير حق الخ.** (در المختار، باب الشهيد زكريا ۱۵۸/۳، ۱۵۹، كراچی ۲۴۷/۲)

اور ہندوستان جیسے ملک میں ایسا اقدام ہرگز جائز نہیں ہے کہ جس سے مسلمانوں کی جان و مال تباہ ہو جائے، بلکہ حکمت عملی سے کام لینا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹۱/۷، جدید زکریا مطول ۴۲۱/۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

## کیا بابری مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟

**سوال [۷۸۴۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے اگر کوئی تحریک چلائی جائے تو وہ اسلامی تحریک ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** ایسی تحریک جو مسلمانوں کی خونریزی اور جان ومال کی تباہی کا باعث نہ ہو بلکہ اس سے محض حکومت اور سرکار کو ظلم والی قانونیت پر بیدار کرنا مقصد ہو تو ایسی تحریک جائز اور مذہبی واسلامی تحریک کہلائی جاسکتی ہے، اور جو تحریک مسلمانوں کی تباہی وبربادی کا باعث ہو وہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس پر ابھارنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

**ويتقدم إلى من يؤمره أن لايحمل المسلمين على مهلكة ولايأمرهم**

**بدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلک فقد أساء ويستغفر الله تعالىٰ.** (إعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل امير بر أو فاجر كوئٹه ۱۲/ ٤، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۳)

# بابری مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے

**سوال** [۸۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ساڑھے چار سو سال پرانی بابری مسجد میں کچھ شر پسندوں نے تنازع کھڑا کیا کہ یہ مسجد دوسرے فرقہ کی عبادتگاہ توڑ کر جبراً طریقے سے ناجائز تعمیر کی گئی ہے جس پر وقف بورڈ کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور عدالتوں میں مقدمات اب تک زیر سماعت ہیں، تقریباً ۴۳؍ سال قبل شر پسندوں نے مسجد کے اندر رات کی تاریکی میں چوری سے مورتیاں رکھ دیں، لیکن مسلمان پر امن طریقے سے قانونی چارہ جوئی کرتے رہے، تقریباً چھ سال قبل بابری مسجد کا دروازہ کھول کر شر پسندوں کو پوجا کی عام اجازت مل گئی، اس صورت میں کیا وہ مسجد رہی یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

اب ملک کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کے باوجود شر پسندوں نے بابری مسجد کو شہید کر دیا اس صورت میں کیا مسلمانوں کا مسجد سے استحقاق ختم ہو گیا؟

مسلمانوں کا اصرار و یقین ہے کہ مسجد دوبارہ تعمیر کر کے مسلمانوں کو اس میں نماز کی مکمل آزادی دی جائے، ہندوستان کی مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت اگر بابری مسجد کو دوبارہ تعمیر کرتی ہے تو کیا شرعی طور پر یہ جائز ہوگی یا نہیں اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر کے لیے شرعی طور پر کیا شرائط واحکامات ہیں اس کے منبر کی سیڑھیوں کی تعداد کتنی ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** (۱) مسجد کے اندر مورتی رکھنا کسی حال میں کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے، مسجد میں مورتی رکھنے والا بہت بڑا ظالم شمار ہوگا، تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے قانونی چارہ جوئی کر کے وہاں سے مورتی کو نکلوادیں، نیز مسجد میں اگر جبراً مورتی رکھدی گئی ہے، تو مورتی اندر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا، مسجد اپنی جگہ تاقیامت باقی رہے گی، اگر مسلمانوں کو وہاں سے مورتی ہٹانے کی کسی طرح قوت حاصل نہ ہوتو مورتی ہوتے ہوئے بھی اس میں نماز پڑھنا بلاکسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔

**وجود نار بين المصلي و بين قبلته في الجملة و أحسن من هذا عندي أن يقال: لم يفصح المصنف في الترجمة: بكراهة و لا غيرها فيحتمل أن يكون مراده التفرقة بين من بقي ذلك بينه و بين قبلته وهو قادر على إزالته أو انحرافه عنه و بين من لايقدر على ذٰلك فلا يكره في حق الثاني.** (فتح الباري، باب من صلى وقدامه تنور، دار الفكر ۵۲۸/۱، اشرفيه ۶۹۵/۱ رقم الباب ۵۱)

نیز مسجد کے شہید کردیئے جانے کے بعد مسلمانوں کو وہاں پر دوبارہ مسجد کی عمارت تعمیر کرنے کا ہمیشہ حق باقی رہتا ہے، چاہے مسلمان خود بنائیں یا حکومت کے توسط سے بنائیں، ہر حال میں بنانا جائز اور درست ہے، اور ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے مسجد کی صیانت کا مطالبہ اور مانگ کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

نیز جو زمین ایک مرتبہ مسجد بن جائے وہ تاقیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، اس پر چاہے عمارت قائم رہے یا نہ رہے، وہاں پر مسلم آبادی موجود ہو یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ زمین مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اور سورۂ جن کی آیت ''**وأن المساجد لله**'' سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، حتی الامکان وہاں سے مورتی ہٹا دینا لازم ہے، نیز اس کے بدلے میں اگر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو شہید شدہ مسجد کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم نہ ہوگا، بلکہ اس کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم ہونے کے لیے کوئی بھی

صورت نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کو یہ حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے کہ مسجد جیسے اللہ تعالیٰ کے گھر کو یہ کہہ کر اغیار کے حوالے کردے کہ یہ مسجد ہم آپ کو دیدیتے ہیں، نیز مسجد چاہے آباد ہو یا ویران، ہر حال میں کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

اور سیکولر حکومت میں ہر قوم وملت کو اپنے پرسنل لاء کی حفاظت اور دفع ظلم کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا قانون کے خلاف نہیں ہے، اس لیے قانون کا احترام باقی رکھتے ہوئے بابری مسجد کی بازیابی اور اسی پرانی جگہ پر دوبارہ مسجد تعمیر کردینے کا مطالبہ کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور مسجد کے منبر میں تین سیڑھیوں کا ہونا مسنون ہے، اگر منبر نہ بھی ہو تب بھی مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۷۷۴)

**ومنبره صلى الله عليه وسلم كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح.** (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة مطلب: في حكم المرقي بين يدي الخطيب کراچی ۲/ ۱۶۱، زکریا ۳/ ۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۷/۲۳ھ

# کیا مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟

**سوال** [۷۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ میں مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق**: ہرگز نہیں ہے۔

**ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى.** (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ /ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۳ھ

## چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجدیت ختم نہیں ہوتی

**سوال** [۷۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض نام نہاد مولوی یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں چالیس روز تک نماز نہ پڑھی جائے وہ مسجد ہی نہیں رہتی تو کیا ان مولویوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) معلوم ہوا ہے کہ بابری مسجد میں مورتیاں نصب کردی گئی ہیں تو ایسی صورت میں وہ مسجد رہی ہے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱-۲) ہرگز درست نہیں، بلکہ ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اگرچہ اس میں نماز بھی نہ ہوتی ہو اس کا احترام عام مسجد کی طرح لازم ہے۔

**ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى.** (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا

٥/ ٤٢١، تاتارخانية زكريا ٨/ ١٦٤، رقم: ١١٥١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۴؍۱۴۱۱ھ

## واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اور اوپر مسجد بنانے کی تو یہ درست ہے؟

**سوال** [۷۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ یوسف چوک ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں ایک خالی زمین پڑی ہوئی تھی، جس کی لمبائی تقریباً چالیس فٹ اور چوڑائی انیس فٹ ہے، اس زمین کے مالک محمد شمشاد (جو کہ شہر میرٹھ میں رہتے ہیں) نے یہ زمین مسجد کے نام وقف کردی ہے اس مسجد کا نام تاج مسجد رکھا گیا ہے، جس کا سنگ بنیاد یکم ستمبر ۸۹ء بروز جمعہ کو جناب مولانا محمد نسیم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ کے دست مبارک سے رکھا گیا، جس کی تعمیر معمار کررہے تھے، کہ اچانک خیال پیدا ہوا اور محلّہ والوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مسجد کے نیچے کچھ دوکانیں اور ایک گودام اور غسل خانہ اور وضوخانہ اور باقی سبھی ضرورت کی چیزیں بنادی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کردی جائے، یہ اس لیے سوچا گیا کہ موجودہ جگہ مسجد کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے، کیونکہ سارا کام نیچے والے حصہ میں ہوجائے گا، اوپر والے حصہ میں صفوں میں اضافہ ہوجائیگا، جس سے کافی لوگ نماز پڑھ سکیں گے، اوپر جس معمار کا ذکر کیا گیا وہ بیچ سے ہی کام چھوڑ کر چلا گیا، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا تھا، اب معمار رامپور شہر سے بلایا گیا ہے وہی تعمیر کا کام کررہا ہے، اب کچھ لوگ اعتراض کررہے ہیں کہ آپ لوگ دوکانیں مسجد کے نیچے کیوں نکال رہے ہیں، یہ غلط ہے، اور مسجد نیچے ہی بنی چاہیے، جبکہ مسجد کے اوپر والے اثار مسجد کی بنیاد پر ہی رکھی گئی ہے، جو کہ مسجد کی اصل بنیاد ہے، کام ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پایا ہے لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مقدمہ پر کافی غوروخوض کرکے اس مسئلہ کے صحیح حل سے مستفید فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** اگر مسجد کے لیے وقف کرنے والے شمشاد احمد نے نیچے دوکانیں اوراوپر مسجد بنانے کی اجازت دی ہے تو ابتدائی تعمیر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، اوراگر واقف کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے تو صرف مسجد بنانا لازم ہوگا، دوکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز فقہاء نے مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان بنانے کی تو اجازت دی ہے لیکن غسل خانہ و پیشاب خانہ، وضو خانہ کی اجازت نہیں دی ہے، نیز جو دوکانیں کرایہ پر دی جائیں ان کو ایک کرایہ دارکو مستقل طور پر کرایہ دار بنا کر دیدینا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد کا نقصان ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے ہرسال کرایہ دار کو بدلنے کو لازم قرار دیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸۹)

**قال أبو جعفر: الفتویٰ علی إبطال الإجارة طویلة و معقود وتحته إنا نبطلها صیانة للوقف علی الفقراء والمساکین أکثر من سنة لایجوز.** (عقود رسم المفتی قدیم ص: ۹۶)

**لو جعل تحته حانوتا و جعل وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا وماتحته وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذی تحته ولو أنه بنی المسجد أولا ثم أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل الخ.** (حاشیة چلپي علی الزیلعی، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجدا لم یزل ملکه، امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰، زکریا ۴/ ۲۷۱)

**وأما مراعاة غرض الواقفین واجبة.** (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۴/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵/ ۱۷۴۵)

## کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟

**سوال** [۷۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد گھیر ملاملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی ہے، اس دیوار میں سے ۸؍فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر ایک دوکان بنائی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چہار دیواری میں کوئی تصرف کیا گیا ہے، صرف سڑک کی جانب سے یہ ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دوکان تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے، کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خالد حسین رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** صورت مسئولہ میں تعمیر چونکہ مسجد کے کسی حصہ یا دیوار پر نہیں کی گئی ہے بلکہ بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی دیوار میں سے آٹھ فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر یہ تعمیر کی گئی ہے اس لیے یہ ''درالمختار کتاب الوقف جزء ثانی کے اس مسئلہ کے تحت نہیں آتی...... ''أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع عليه ولو على جدار المسجد''۔

نیز مسئلۂ مذکورہ میں مسجد کی چھت یا دیوار پر عمارت بنانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اس سے مسجد کی عظمت واحترام میں کمی آتی ہے، اور صورت مسئولہ کی تعمیر سے مسجد کی عظمت وتوقیر میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، نیز مسجد کی دیواروں کو مسجد نہیں کہتے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں صفحہ ۴۴۱ پر تحریر کیا ہے:

**والمسجد لغة محل السجود و شرعاً المحل الموقوف للصلاة فيه.**

لہٰذا مسجد کی زمین سے کچھ حصہ لے کر دوکان یا مکان بنانا جائز نہیں ہے، لیکن مسجد کی دیوار سے کچھ حصہ لے کر جس سے مسجد کی عظمت وحرمت مجروح نہ ہو مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے تعمیر کرنا جائز ہے، خصوصاً مسجد کے وسائل کی کمی ومصارف کی پیشی وگرانی کے دور کو مدنظر رکھتے ہوئے لیکن تعمیر اہل محلّہ کے اتفاق واتحاد سے ہونا چاہیے۔

عبدالہدیٰ خان عفی عنہ امام مسجد مسٹن گنج رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجدیت کامل ہوجانے کے بعد دیوار مسجد میں

بھی واقف یا غیر کے لیے دوسرے تصرفات جائز نہیں ہیں، چاہے منافع مسجد کے لیے کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے، جولوگ دیوارِ مسجد میں دیگر تصرفات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، نیز جتنی چوڑی دیوار ہے مکمل مسجد ہی کی دیوار کہلائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۰۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۶۷)

**وإن كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لايتركه و في جامع الفتاوىٰ: إذا قال: عنيت ذلك فإنه لايصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه ولايجوز أخذ الأجرة الخ.** (البحر الرائق كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١)

**ولايوضع الجذع على جدار المسجد و لوكان من أوقافه.** (البحر الرائق، فصل في أحكام المسجد، زكريا ٥/٤١٩، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، هكذا في الدر المنتقى ١/ ٧٥٥، شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كوئٹه ٣/ ٤٠٦، كراچي ٤/ ٣٥٨، زكريا ٦/ ٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۷)

## کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم

**سوال** [۷۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی مسجد میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، اور شدت اختیار کرتا ہے، علماء امت کے نزدیک اس مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور رہوں۔

نوٹ: زید مسجد کا متولی ہے۔

المستفتی: محمد فاروق مظاہری نور پور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد اگر وقف کی زمین پر وقف شدہ ہے تو جمعہ و عیدین و پنجگانہ جائز ہے، البتہ ایسے نمازیوں کو روکنا جو فتنہ وفساد کا باعث نہ ہوں سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

﴿**وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا.** [البقرة: ١١٤]﴾

ہاں مسجد میں فتنہ وفساد اور نمازیوں کو ایذا پہنچانے والوں کو روکنا جائز ہے، بشرطیکہ روکنے والا ایسا شخص ہو جس کا روکنا فساد میں زیادتی کا باعث نہ ہو۔

**ویمنع منه وكذا كل مؤذ ولو بلسانه، وفي الشامي: وكل من آذى الناس بلسانه وبه يفتي.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب: في الفرس في المسجد، كراچی ١/٦٦١، ٦٦٢، زكريا ٢/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۸/۲۴)

# مسجد کو اپنی جاگیر سمجھنا

**سوال** [۷۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کی بارہ بیگھہ زمین ''ملک'' نام تھی، نواب رامپور کی طرف سے آزادی ہونے پر وہ زمین فخر الدین کے نام گورنمنٹ کی طرف سے ہوگئی، وہ کچھ دنوں امام بھی رہے اس کے بعد انہوں نے وہ زمین فروخت کردی اس وقت وہ مسجد کچی تھی، مسجد کے نمازیوں میں حاجی عبدالشکور صاحب بھی تھے، ان کا کاروبار فیل تھا، ایک دن انہوں نے فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کی کہ اگر میرا کاروبار صحیح چل پڑے تو میں یہ مسجد پکی بنوادوں گا، اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہوں نے حسب وعدہ مسجد پختہ بنوادی، اس کے بعد حاجی عبدالشکور صاحب اور

ان کے لڑکے نے لوگوں سے کہا کہ ہم سے مسجد کی جو خدمت ہوسکی ہم نے کی اب آپ لوگ بھی اس مسجد کا تعاون کریں تو اسی وقت سے نمازی لوگ چندہ سے اس کی مرمت کرا رہے ہیں، اور لگ بھگ تیس سال سے چندہ سے مسجد کا کام چل رہا ہے۔

اب حاجی عبدالشکور کے لڑکے عبدالحمید صاحب کہتے ہیں کہ میں جو چاہوں گا وہ ہوگا جس کو چاہوں گا رکھوں گا تو کیا باعتبار شرع ان کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰه التوفيق**: حاجی عبدالشکور صاحب یا ان کے لڑکے عبدالحمید صاحب کو اپنے پیسے یا لوگوں کے چندہ سے مسجد کو پختہ بنادینے سے شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو چاہیں کریں، اور جس کو چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں نہ رکھیں، کیونکہ اس طرح بنادینے سے وہ مسجد کے مالک نہیں ہوسکتے، مسجد تو اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہے اس کا کوئی بھی مالک نہیں ہوتا، اور امور مسجد مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے طے کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۳، ۴۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۹۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۶۸)

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸] ﴾

**وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذا في الهداية.** (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الاول، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۰، جدید ۲/ ۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

## واقف کے ورثاء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے

**سوال** [۷۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالکریم نامی ایک شخص نے ۱۹۰۸ میں اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کو وقف

کردیا، ۱۹۵۹ء میں باجازت متولی حوض کی تعمیر عمومی چندہ سے ہوئی، ۱۹۶۲ء میں برآمدہ کی تعمیر بھی عمومی چندہ سے ہوئی، چالیس سال کے بعد ۲۰۰۳ء میں مسجد کی کمیٹی تشکیل دی گئی متولی صاحب نے کمیٹی کو ۸۰۰ ۷ روپئے کا مسجد کو مقروض بتایا، قرضہ کی ادائیگی کمیٹی نے مسجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی سے کردی، مسجد کی دیگر ضروریات مثلاً مؤذن کی تنخواہ وغیرہ نماز جمعہ سے قبل عمومی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، کمیٹی کے لوگ حضرات مصلین کی پریشانی کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں، متولی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے، تو کیا متولی صاحب کا مسجد کو اپنی ملکیت قرار دینا صحیح ہے؟ یا اپنی ملکیت بتا کر مسجد کی تعمیر کو روکنا جائز ہے؟ جبکہ نمازیوں کو پریشانی ہورہی ہے، ایسی صورت میں مسجد کے اخراجات کی ذمہ داری متولی صاحب کی ہے؟ یا کمیٹی ذمہ دار ہے؟ کمیٹی کو متولی صاحب کے سامنے حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نمازیوں کے سامنے حساب پیش کیا جائیگا، جبکہ کمیٹی نے ۹/سال کی مدت میں پوری دیانتداری وذمہ داری سے کام کیا ہے، اور موقوفہ زمین میں دس دوکانیں بھی تعمیر کرائی ہیں، مسجد کے اخراجات بحسن وخوبی پورے ہوئے ہیں، فی الحال خاصی رقم بھی موجود ہے، ایسی صورت میں متولی اور کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں؟

**المستفتی:** حاجی محمد عرفان خزانچی موتی مسجد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جب واقف نے زمین مسجد کے لیے وقف کردی اور اس پر مسجد تعمیر ہوکر نماز شروع ہوگئی تو اس کے وقف کی تکمیل ہوچکی اور وقف کی تکمیل کے بعد واقف کی ملکیت کسی طرح باقی نہیں رہتی، اور واقف اور اس کے ورثاء کا اس میں کسی طرح کا مالکانہ اختیار باقی نہیں رہتا، لہٰذا بعد میں کسی بھی زمانہ میں بھی واقف کے وارثین میں سے کسی کا اس طرح دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے، ایسا دعویٰ باطل ہے، اگر واقف کے وارثین میں سے کوئی اس کی تولیت کا حق صحیح طور پر ادا نہیں کرتا ہے، تو مسجد کی کمیٹی کے لیے، مسجد کی ترقی

اور منافع کا کام کرنا جائز ہے، اور مسجد کا حساب وکتاب متولی کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، اور نمازیوں کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، تاکہ حساب وکتاب میں کسی قسم کا اشکال نہ رہے، اور مسجد کی توسیع اور تعمیر میں ہر مسلمان کو تعاون کرنا چاہیے۔

**عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به.** (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

**إن الوقف لم يبق على ملك الواقف و لا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذى لا ملك فيه لأحد سواه و إلا فالكل ملك لله تعالىٰ و استحسن فى الفتح قول مالك رحمة الله: أنه حبس العين على ملك الواقف فلايزول عنه ملكه لكن لايباع ولايورث ولايوهب مثل أم الولد والمدبر.** (شامى، كتاب الوقف كراچى ٤/٣٣٨، ٣٣٩، زكريا ٦/٥٢٠، ٥٢١)

**ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولايورث عنه.** (الهداية ٤/٤١١، كراچى پاكستان مكتبه بشرىٰ ٢/٦٣٧، اشرفيه ديوبند، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، تاتارخانية زكريا ٨/٣/رقم: ١١٠٥٦)

**ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع ولايورث عنه يعنى بعد صحته بشرطه.** (فتح القدير، فصل و اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه، دار الفكر بيروت ٦/٢٣٥، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

## فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے؟

**سوال** [۷۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چار سال ایک مسجد میں امامت کی، اب امامت چھوڑ کر بینک میں ملازمت اختیار کرلی، مسجد مذکور میں زید کے چھوڑنے کے بعد بکر کو امام رکھ لیا گیا، ایک روز زید (امام اول) مسجد کے حجرے میں بکر (امام ثانی) کے پاس آکر بیٹھ گیا، زید کو مسجد کے حجرہ میں دیکھ کر مسجد کی کمیٹی کے صدر نے زید سے کہا، آپ جب یہاں سے چلے گئے تو مسجد کے حجرے میں آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، جب بھی آپ مسجد میں آئیں، نماز پڑھ کر چلے جایا کریں یا جس سے بھی کوئی بات کرنی ہو مسجد ہی میں کریں مگر مسجد کے حجرے میں داخل نہ ہوں، اس بات پر زید نے مسجد کی کمیٹی کے صدر کو بے تحاشہ گالیاں دیں، بلکہ مارپیٹ کا ارادہ کرلیا، لیکن صدر صاحب خاموش ہو گئے، اور زید نے یہ دھمکی دی کہ میں پھر سے پہلی تاریخ سے بینک کی ملازمت چھوڑ کر یہاں پر آؤں گا، اور نماز پڑھاؤں گا، اور مسجد کے حجرے کا تالا توڑ دوں گا، میں دیکھتا ہوں کہ مجھ کو کون روکتا ہے، زید سے بھی سب لوگ ڈرتے ہیں، کیونکہ بدمعاش لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، داڑھی بھی کٹاتا ہے، لباس وغیرہ خلاف شرع استعمال کرتا ہے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زید آکر امام ثانی بکر سے مارپیٹ کرے اور حجرے کا تالا توڑ دے اور مسجد میں فساد ہو جائے، پولیس میں اطلاع دے کر زید کو بذریعہ پولیس مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا، گورنمنٹ کالونی میں مسجد ہے، اگر مسجد میں ذرا بھی فساد ہوا تو گورنمنٹ مسجد کو بند کرسکتی ہے، آپ یہ تحریر فرمائیں کہ مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں؟

**المستفتی:** ڈاکٹر جی ابن شیخ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور آئندہ واقعی

زید سے مسجد میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے، اور مسجد و مصلیوں کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے زید پر مسجد میں آنے سے پابندی لگادی گئی ہے تو جب تک فتنہ کا خطرہ باقی رہے گا اس وقت تک کے لیے پابندی جائز رہے گی اور اذن عام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ مسجد میں بلا کراہت جمعہ ونماز پنج گانہ درست ہوگی، اور جب زید سے فتنہ کا خطرہ نہ رہیگا تو پابندی ختم کردینی لازم ہوگی۔

**والذی یضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو.** (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، مطلب: فی قول الخطیب، قال الله تعالیٰ: اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کراچی ٢/١٥٢، زکریا ٣/٢٥، منحة الخالق على البحر الرائق کوئٹہ ٢/١٥١، زکریا ٢/٢٦٤، مجمع الأنهر قديم ١/١٦٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/١١٩٦)

## بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنا

**سوال** [٧٨٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں دیوار قبلہ میں ایک دروازہ اور چند کھڑکیاں لگائی گئی ہیں مگر اس دروازہ اور کھڑکیوں سے جو کہ لب سڑک ہیں، آنے جانے والے اور گذرنے والے لوگ دکھائی دیتے ہیں، جس سے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، اور اس دروازہ سے کئی بار مسجد کا سامان بھی چوری ہو چکا ہے، یہ دروازہ وغیرہ ایک دو آدمیوں نے اپنے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کے لیے کھولا تھا، جبکہ تمام نمازی مسجد کے اصل دو دروازوں سے ہی آتے ہیں، جو بڑے دروازے ہیں ان دروازوں اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی بھی ہوتی ہے، جو باعث نزاع ہے، فی الحال ان کو تالا لگا دیا گیا ہے، اور رفتنہ کو بند کرنے کے لیے ان کو بند کرنا ہی بہتر بلکہ ضروری ہے، لہٰذا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں دو آدمیوں کی

ضرورت کی وجہ سے بند دروازہ کھولنا جائز ہے یا بند رکھنا ضروری ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** جبکہ مسجد کو اس دروازہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس دروازہ کی وجہ سے مسجد اور اس کا سامان غیر محفوظ ہے، نیز اس دروازہ اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے اور دیگر مصلی حضرات بھی اس پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں ان مختلف وجوہ کی بناپر اہل محلّہ کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس دروازہ اور کھڑکیوں کو بند کردیں، تاکہ مسجد اور اس کے سامان کی بھی حفاظت ہوسکے اور نزاع وغیرہ کا بھی امکان باقی نہ رہے، اور نمازیوں کے خشوع وخضوع میں بھی کسی طرح کا فرق نہ آئے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۵۹۵، امداد المفتیین ۷۹۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۰۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۵۶)

**وکره غلق باب المسجد إلا لخوف علی متاعه به یفتی (در مختار) وفی الشامیة: لأن المدار علی خوف الضرر.** (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مطلب فی أحکام المسجد، کراچی ۱/ ۶۵٦، زکریا ۲/ ٤۲۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/ ۳۳، زکریا ۲/ ۵۹، فتح القدیر مع الکفایة، دار الفکر بیروت ۱/ ٤۲۱، زکریا ۱/ ٤۳۵، کوئٹه ۱/ ۳٦۷، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۱۰۹، جدید ۱/ ۱٦۸)

**کره مرور مار فی الصحراء و فی مسجد کبیر بموضع سجوده فی الأصح أو مروره بین یدیه إلی حائط القبلة فی بیت و مسجد صغیر.** (شامی، مطلب إذا قرأ قوله تعالیٰ جدك الخ، زکریا ۲/ ۳۹۸، کراچی ۱/ ٦۳٤، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۱/ ٤۰٦، کوئٹه ۱/ ۳۵٤، زکریا ۱/ ٤۱٦، طحطاوی قدیم ۱۸۸، جدید دار الکتاب دیوبند ۳٤۲، البحر الرائق کوئٹه ۲/ ۱۷، زکریا ۲/ ۲۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۵۴)

# ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا

**سوال** [۷۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ کافی بڑی آبادی ہے ماشاء اللہ تین مسجدیں ہیں، اور مدرسہ بھی ہے، جس میں مقامی طلبہ کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ بیرونی طلبہ بھی مقیم رہتے ہیں، ایسی آبادی میں ایک کالونی کے نام سے کافی بڑی آبادی ہے وہاں پر کئی سال سے مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، کئی مرتبہ لوگوں کا ارادہ ہوا لیکن کچھ برادران وطن کا ذہنی تعصب، فرقہ واریت اور سیاست آڑے آگئی، اور مسلمان حضرات کثیر تعداد کے باوجود کامیاب نہ ہوسکے، اتفاق سے ایک عالم ایک شیخ کامل کے مجاز ہیں، انہوں نے اسی کالونی میں ایک جگہ خرید لی، جو ان کی ذاتی ہے اور اپنے صرفہ سے انہوں نے ہال کی شکل میں اس کو تعمیر کرادیا، اور نل بیت الخلاء، وضوخانہ وغیرہ سب انہوں نے اپنے ذاتی صرفہ سے تیار کرادیا ہے اور ان کا مقصد اس جگہ میں صبح آٹھ بجے سے ایک بجے تک بڑی لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم (ضمناً عصری تعلیم) کا بھی نظم کرنا (چنانچہ الحمد للہ اسی کالونی کی تقریباً ۳۵ رلڑکیاں پردہ کے ساتھ آکر قرآن پاک وغیرہ پڑھ رہی ہیں) پڑھانے والیاں بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں بالکل اسی جگہ کے برابر میں ساکنہ ہیں باقی وقت میں ازظہر تا عصر یا از مغرب تا عشاء تعلیم بالغان کا ارادہ ہے، اور از عصر تا مغرب مجلس ذکر و وعظ (خانقاہی نظام) ان عالم صاحب نے اپنی اس ذاتی جگہ کا نام خانقاہ رکھا ہے، مساجد کے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے کالونی کے لوگوں کی خواہش ہے کہ ہم اس خانقاہ میں اذان پڑھ کر پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرلیا کریں، عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جب تک اللہ کرے باقاعدہ مسجد کا انتظام ہو عارضی طور سے اس ہال کو مسجد بنالیں مجھے تو کوئی اشکال نہیں ہے شرعی اجازت ضروری ہے، شرعاً بتلایا جائے کہ اس ہال کو عارضی طور پر مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہ عالم صاحب یہاں سے تقریباً ایک کلو میٹر دور مدرسہ میں مدرس ہیں اور وہیں پر مدرسہ میں ہی ان کی اور ان کے بچوں کی رہائش ہے؟

المستفتی: محمد زید علی ڈھکہ جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نماز کسی بھی جگہ بلا کراہت درست ہوجاتی ہے، مذکورہ ہال میں بھی نماز درست ہوجائے گی، لیکن مسجد شرعی کا ثواب نہیں ملے گا، اور مسجد شرعی کا ثواب ملنے کے لیے اس جگہ کا خالصتاً اللہ کے لیے وقف ہوجانا لازم ہے اور حق العبد کا مکمل طور پر منقطع ہوجانا لازم ہے، اس لیے اس وقت تک مسجد کا ثواب نہیں ملے گا جب تک اس جگہ کا مالک کلی طور پر باضابطہ مسجد کے لیے اس کو وقف نہیں کرے گا۔

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸] ﴾

**حاصله إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ تَعَالىٰ".** (البحر الرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد، کوئٹه ۵/ ۲۵۱، زکریا ۵/ ۴۲۱، شامي زکریا ۶/ ۵۴۷، کراچی ۴/ ۳۵۸)

**والمسجد خالص للّٰه سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ الخ.** (فتح القدير، زكريا ۶/ ۲۱۸، كوئٹه ۵/ ۴۴۴، دار الفكر ۶/ ۲۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۶ھ

## کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا

**سوال [۷۸۵۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسو گز کے قریب جگہ میں ایک بڑی عمارت ہے جس میں اوپر والا حصہ رہائش گاہ ہے، صاحب مکان نے اوپر والے حصے کو ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے، جو مع بیوی بچوں کے رہتا ہے لیکن نیچے والا حصہ جو ایک ہال کی شکل میں ہے وہ خالی ہے، عرصہ دس سال

ہواان کی مجلس لگتی ہے اور پھر دو تین روز کے بعد وہ چلے جاتے ہیں،اس پس منظر میں صاحب مکان نے اس ہال میں پنج وقتہ نماز پڑھنی شروع کی جس کے لیے وہ مستقل امام بھی رکھے ہوئے ہیں جس میں پانچوں وقت اذان اور با جماعت نماز ہوتی ہے،سوائے جمعہ کے اور وہ آج خانقاہ کے نام سے مشہور ہے،اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) اس جگہ نماز پڑھنے سے دیگر مسجدوں میں نماز کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) صاحب مکان اگر کبھی اس جگہ سے نماز کا سلسلہ ختم کر کے جگہ اور مکان کو اپنے استعمال میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیق الرحمٰن،مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** سوالنامہ میں جس ہال کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہال شرعی مسجد نہیں ہے،اور نہ ہی مسجد کے لیے وقف ہے،اوراس میں مسجد کا ثواب بھی نہیں ملے گا،بلکہ عارضی عبادت خانہ ہے اوراس قسم کے عارضی عبادت خانے بڑے بڑے کارخانوں اور مسلم فیکٹریوں میں بھی ہوتے ہیں،سب لوگ وہاں اکٹھے ہوکر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اور بعض جگہ امام ومؤذن بھی متعین ہوتے ہیں اس کی وجہ سے نماز کی جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے،وہ بدستور مالک کی ملکیت ہوتی ہے اس میں مالک کو پورا اختیار رہتا ہے جس طرح چاہے تصرف کرے،چاہے اس کو بیچ دے۔

**وإن أمرهم بالصلاة شهرا أو سنة ثم مات يورث لأنه لابد من التأبيد والتوقيت ينافيه و مقتضى هذا أن لا يصير مسجدا فيما إذا أطلق.** (فتح القدير، الوقف فصل في أحكام المساجد، زكريا ٦/٢١٨، دار الفكر ٦/٢٣٥، كوئٹه ٥/٤٤٥، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٤٨، زكريا ٥/٤١٦، النهر الفائق دار الكتب العلمية ٣/٣٢٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١؍جمادی الثانی ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٦/٧٦٨٥)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
١٤٢٣/٦/١١ھ

# سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا

**سوال** [٧٨٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سہ منزلہ ایک عمارت ہے اس کا مالک دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کردے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اور مسجد مسجد شرعی کہلائے گی کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر کافی طویل بحثیں کی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس طرح کی متعدد منزلوں والی عمارت میں سے کسی ایک منزل کی عمارت کو مسجد شرعی کے لیے وقف کردیا جائے تو اوپر اور نیچے کی منزلوں کو بھی مسجد کی ملکیت کے لیے دینا لازم ہے، اور انسان کی ملکیت کے حق کو پوری طرح ختم کرنا ضروری ہے، بدوں اس کے کوئی بھی منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی، لہٰذا مذکورہ صورت کہ صرف دوسری منزل کو مسجد شرعی کے لیے وقف کرکے اوپر اور نیچے کی منزل کو مالک کا اپنی ملکیت میں رکھنا یہ جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اوپر نیچے کی منزل کو بھی مسجد کی ملکیت میں دیدے، اور مسجد ان منزلوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کرے، اور اپنے متعلقہ اخراجات پورے کرے تو شرعاً یہ صورت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٢/٦٨٣-٦٨٥)

**ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت -إلى قوله- ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز، قال ابن الهمام: إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لصاحب المسجد فإنه يجوز، إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد.** (فتح القدير، كتاب الوقف فصل و إذا بنى مسجدا، دار الفكر ٦/٢٣٤، کوئٹه ٥/٤٤٣، زكريا ٦/٢١٨)

**وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس، قال**

**ابن عابدين الشامي تحته: و به صرح في الإسعاف فقال: و إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا.** (شامی، مطلب: في أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٠٢، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قديم ١/٧٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ ربیع الاول ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٩٤٩)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٢/٣/١٤٣١ھ

# مدرسہ کی دیوار پر لینٹر ڈال کر نماز پڑھنا

**سوال** [٧٨٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدرسہ تعمیر شدہ ہے لہٰذا مدرسہ کی متصل آراضی کو تعمیر نو مسجد کے لیے خرید لیا گیا ہے چہ جائیکہ مسجد کو از سر نو تعمیر کیا جاتا، تعمیر کرتے وقت مدرسہ کی تین گز لمبی دیوار پر مسجد کی دیوار تعمیر کرائی گئی ہے اور اس پر لینٹر ڈال دیا گیا ہے، اب ایسی حالت میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کچھ حضرات نے مسجد میں نماز پڑھنے سے اعتراض کیا تو مسجد کے ذمہ داروں نے مدرسہ کو پندرہ ہزار روپئے اس دیوار کی قیمت ادا کر دی، لہٰذا رقم دینے کے بعد نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد شیر کوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: مسجد نے مدرسہ کی جو زمین اپنے حدود میں دورانِ تعمیر داخل کر لی ہے وہ ذمہ دارانِ مدرسہ کی اجازت کے بغیر یا اس کی قیمت ادا کیے بغیر جائز نہیں تھا، لیکن جب بعد میں مسجد نے اس زمین کی قیمت ادا کر دی ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہو چکی ہے، لہٰذا اب پوری مسجد شرعی مسجد ہو گئی اب اس میں کہیں بھی بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب مسجد و مدرسہ کا نظام بالکل الگ الگ ہو اور اگر دونوں کا نظام ایک ہو مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو ایسی صورت میں منجانب مسجد مدرسہ کو

اس زمین کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

**أرض وقف علی مسجد و بجنبه أرض فأرادوا إلحاق شیئ من الأرض بالمسجد جاز ولکن یرفعون إلی الحاکم لیأذن لهم فی ذٰلک و کذا مستغل الوقف کالدار والحانوت.** (فتاویٰ بزازیه، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وما یتصل به زکریا جدید ۳/۱۴۳، وعلی هامش الهندیة ۶/۲۶۸، هندیه زکریا قدیم ۲/۴۵۶، جدید ۲/۴۰۹، فتح القدیر دار الفکر ۶/۲۳۵، زکریا ۶/۲۱۸، کوئٹه ۵/۴۴۵، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۵۵، زکریا ۵/۴۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۴۴)

# صحن مسجد، برآمده اور چھت پر جماعت

**سوال** [۷۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مصلی کی اصل جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ پر نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ چھت وغیرہ اور صحن میں بھی کیونکہ اس پر بہت سے لوگ چرچے کررہے ہیں کہ دوسری جگہ نماز نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صحن مسجد اور برآمدہ بھی جماعت خانہ میں داخل ہے، لہٰذا اسمیں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح چھت پر بھی اگر جماعت خانہ بنا ہوا ہے تو اس میں بھی گرمی کی وجہ سے جماعت کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۱۶، جدید زکریا مطول ۴/۳۰۳)

اور اگر جماعت خانہ چھت پر بنا ہوا نہیں ہے تو نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر چھت پر جماعت کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

**الصعود علی سطح کل مسجد مکروه، ولهذا إذا اشتد الحر یکره**

**أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد.** (هنديه، الكراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد …… زكريا قديم ٥/٣٢٢، جديد ٥/٣٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٧٠٣)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٧/٣/٤ھ

## ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو

**سوال** [٧٨٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ایسی جگہ کا رہنے والا ہوں جہاں پر اکثریت بدعتیوں کی ہے اور دیوبندی خیالات کی کوئی مسجد قریب میں نہیں ہے، لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مسجد تعمیر کریں، لیکن ہم کو کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، صرف ایک ایسی جگہ مل رہی ہے جس کا مالک یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس شرط کے ساتھ یہ جگہ فروخت کر رہا ہوں کہ نیچے کی جگہ میں اپنا کاروبار کروں گا، اور اوپر کی جگہ کو میں تم کو فروخت کرتا ہوں، تو کیا ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

**المستفتی**: محمد فیصل جسپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: جس جگہ مسجد بنائی جاتی ہے وہ حصۂ زمین تحت الثریٰ سے لے کر ساتویں آسمان تک مسجد ہی کی ملک ہو جاتا ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس جگہ کے نیچے یا اوپر ضروریات ومصالح مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز بنانا جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ناجائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دوکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں یہ لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے۔

**قال و من جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت و جعل باب**

المسجد إلى الطريق و عزله عن ملكه فله أن يبيعه و إن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به ...... والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ“ مع العلم بن كل شيئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو انقطاع حق كل من سواه عنه وهو منتف فيما ذكره. (فتح القدير، الوقف، فصل و إذا بنى مسجدا لم يزل ملكه...... كوئٹه ٥/٤٤٥، زكريا ٦/٢١٨، دار الفكر ٦/٢٣٥)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أى المسجد جاز كمسجد القدس ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا و جعل باب المسجد إلى طريق و عزله عن ملكه لايكون مسجدا و له بيعه يورث عنه خلافا لهما، تحته فى الشامية: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاعليه صار مسجدا، شرنبلالية: قال فى البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً ان يكون سفله و علوه مسجد لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (الجن: ١٨) بخلاف ما إذا كان السرداب و العلو موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية. (در مختار مع الشامى، الوقف، مطلب: فى أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچى ٤/٣٥٧، وهكذافى البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قديم ١/٧٤٧)

وقد رد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح (إلى قوله) ولاسيما ما يترتب على ذٰلک من تقدير المسجد بسبب الطبخ والغسل و نحوه.

(شامى زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۲۹ھ

# فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

**سوال** [۷۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا کسی فرم کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فرم میں کام کرنے والے کسی مسلمان کو مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے سے روکے، جبکہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے میں عذر شرعی میں سے کوئی عذر نہ ہو۔

**وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینال فضل جماعة المسجد.**
(شامی، الصلاۃ، باب الوتر و النوافل، مبحث التراویح، زکریا ۲/۴۹۵، کراچی ۲/۴۵)

**فصل یسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانیة عشر شیئا منها مطر و برد شدید و خوف ظالم و ظلمة شدیدة فی الصحیح وحبس و عمی و فلج وقطع وسقام و إقعاد و رجل و وحل و شیخوخة و تکرار فقه بجماعة تفوته و حضور طعام تتوقه نفسه و إرادة سفر و قیامة بمریض و شدة ریح لیلا لا نهارا.** (حاشیة الطحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیوبند ۲۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱۸/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۴ھ

# جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا

**سوال** [۷۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جولوگ زبردستی اور ہٹ دھرمی میں جماعت خانہ کی جگہ میں دوکان وغیرہ بنانا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی وعید ہے، اگر ہے تو تحریر فرمادیں، تاکہ وہ وعید سن کر خدا کا خوف کریں اوراس طرح کی حرکت سے باز آجائیں، اور مسجد میں ذاتی تصرف نہ کریں؟

المستفتی: محمد نعیم تاجپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** مسجد اور جماعت خانہ کی جگہ پر دوکان وغیرہ بنانا اور اس میں ذاتی تصرف اور مالکانہ قبضہ کرنا حرام و ناجائز اور غصب کرنا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ لوگ ناجائز و حرام کے مرتکب ہیں، لہٰذا تمام اہل محلّہ پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو نکال باہر کردیں، حدودِ مسجد کے اندر کسی قسم کا دنیوی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ متولی یا مسجد کے ذمہ داروں میں سے ہے تو وہاں کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کو ذمہ داری سے سبکدوش کردیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۵۰)

**عن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم أنه نهى …… وعن البيع والشراء فيه.** (ترمذی شريف، الصلاة باب فيها وفى كراهية البيع و الشراء …… فى المسجد النسخة، الهندية ١/ ٧٣، دار السلام رقم: ٣٢٢)

**قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز.** (هندية، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

## جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا

**سوال** [۷۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی گئی، مسجد سے متصل مزید جگہ تھی اس لیے ٹرسٹیان مسجد نے اس خریدی ہوئی جگہ کو شرعی مسجد طے نہیں کیا بلا طے کئے تین سال تک اس جگہ اس خیال سے نماز پڑھتے رہے کہ جب متصل کی جگہ خریدی جائے گی، اس وقت دونوں جگہوں کو ملا کر شرعی مسجد طے کی جائے گی، اور صحن بیت الخلاء وضوخانہ وغیرہ کس جگہ ہوگا، طے کیا جائے گا، متصل کی جگہ تین سال کے بعد صاحب مکان نے مسجد کے لیے وقف کردی، اس کے بعد اب دونوں جگہوں کو ملا کر تعمیری کام شروع کیا گیا، سوال یہ ہے کہ جو زمین تین سال پہلے خریدی گئی تھی اور اس پر تین سال تک نماز بھی ہوتی رہی تو اب اس جگہ وضوخانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق:** کوئی بھی جگہ اس وقت تک مسجد شرعی نہیں ہوتی ہے جب تک اس کو مسجد شرعی بنانے کے لیے ذمہ داران کی طرف سے مکمل ارادہ نہ ہوجائے، اور نماز باجماعت غیر مسجد میں بھی درست ہوجاتی ہے، لہٰذا پہلے والی جگہ اب تک مسجد شرعی نہیں بنی، اس لیے دوسری جگہ کو ملا کر حسب مناسب دونوں جگہ کو ایک ساتھ شامل کرکے ایک مسجد شرعی کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور وضوخانہ، غسل خانہ، پیشاب گھر، بیت الخلاء وغیرہ جس طرف بھی مناسب سمجھیں بنانا جائز ہے۔

**وإذا بنى مسجدا لا يصير مسجدا حتى يقر بلسانه أنه مسجد لا يباع و لا يوهب ولا يرهن ولا يورث و فتح الباب و أذن فيه و أقيم و أذن للناس بالدخول فيه عامة فيصر مسجداً إذا صلى بجماعة فيه.** (تاتارخانية، الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد زكريا ۱۵۶/۸ رقم: ۱۱۴۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۸۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۳۰ھ

# قدیم نمازگاہ میں بیت الخلاء بنانا

**سوال** [۷۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عباسیوں والی مسجد میں کچھ تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، مسجد کی دائیں جانب قدیم نمازگاہ کے نیچے دو یا ڈھائی فٹ دیوار کے بیچ میں استنجاء خانہ بنایا جارہا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللّٰہ التوفیق**: زمین کا جو حصہ ایک دفعہ جب شرعی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس حصے کے اوپر یا نیچے پیشاب خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اگر کسی نے غلطی سے بنالیا ہے تو اسے توڑ کر ختم کردینا لازم ہے۔

**وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان السماء وفي الشامية: وكذا إلى تحت الثرىٰ، بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كمافي مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا.**

(شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ۲/۴۲۸، كراچی ۱/۶۵۶)

**وفي تقريرات الرافعي: الظاهر علم الجواز و مايأتي متنا لا يفيد الجواز، لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته.** (تقريرات رافعي زكريا ۲/۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۲۸ھ